۷۸۶
۹۲
ھو الاصدق

نئے اسلوبِ بیان اور جدید طرزِ نگارش میں
مستند تواریخ و سیر کا خلاصہ و نچوڑ
مکہ سے مکہ تک

تاریخ ہجرت

از
سید رکن الدین اصدق

دار الاشاعت مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف (نالندہ) ۸۰۳۱۰۱

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	تاریخ ہجرت
مؤلف	:	سید رکن الدین اصدق چشتی
طباعت اوّل	:	1994ء
طباعت ثانی	:	دسمبر 2016ء
تعداد	:	1100 (گیارہ سو)
تزئین و کمپوزنگ	:	نظامی کمپیوٹر، بہار شریف Mob.7541876758
ناشر	:	الاصدق اکیڈمی مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، بہار شریف
صفحات	:	279
قیمت	:	

ملنے کے پتے:

سید شاہ رکن الدین اصدق چشتی

آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف، پوسٹ رسیسہ، ضلع نالندہ (بہار)

سید نور الدین اصدق مصباحی

الاصدق اکیڈمی مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف، محلہ پکی تالاب، بہار شریف (نالندہ)

سید سیف الدین اصدق فیض

آفس تحریک پیغام اسلام، امام حسینی مسجد، ذاکر نگر جمشید پور

حافظ سید افضل حسین فردوسی

مدرسہ اصدقیہ مخدوم شعیب، محلہ کریم باغ، اسٹیشن روڈ، شیخ پورہ (بہار)

اپنے برادرِ عزیز

سید بدر الدین احمد صدیق مرحوم

اور ان ہی جیسی ان پاک جانوں کے ــــ نام

جو اسلام کو متاعِ عزیز سمجھ کر

روح فرسا طوفانوں کی زد پر

ہمیشہ تبسّم ریز نظر آتی ہیں ــــ"

فہرست

1	انتساب	3
2	دوسرا ایڈیشن	13
3	کلمات اولین	18
4	مقدمہ	26
5	عالمگیر تاریکی اور خانہ کعبہ کی تعمیر	36
6	غلاف کعبہ کی تاریخ	41
7	روشنی کم ہوتی گئی	42
8	دعائے ابراہیم	47
9	اعتماد کا ووٹ	48
10	پرنور تقریر	52
11	قریش میں کھلبلی	55
12	ابوجہل	59
13	پہلی تجویز	61
14	دوسری تجویز	61
15	تیسری تجویز	61
16	ابوطالب سے عتبہ کی گفتگو	62

17	رسول اللہ کی درد بھری تقریر	65
18	قریش سے عتبہ کا خطاب	67
19	خطرناک سازش	71
20	ابوجہل کی بکواس	71
21	ابوسفیان کی گفتگو	72
22	حضرت جی	72
23	امیہ بن خلف کا مشورہ	72
24	حضرت جی	73
25	عقبہ بن معیط کی رائے	73
26	حضرت جی	73
27	عمرو بن ہشام کی تجویز	74
28	حضرت جی	75
29	حضرت جی کی آخری ہدایت	75
30	حارث	76
31	حضرت جی	76
32	کاشانہ نبوت کا گھراو	81
33	علی ابن ابی طالب	114
34	قبا میں نزول	116

35	مدینہ میں اسلام	118
36	قبا سے مدینہ کی طرف	124
37	مدینہ میں قیام	127
38	مدینہ	136
39	مسجد نبوی کی تعمیر	139
40	اسلامی ریاست کی تاسیس	140
41	اسلام کی ترقی کے اسباب	143
42	یہود کی شر انگیزیاں	145
43	منافقین کی دل آزاریاں	152
44	تاریخ اسلام کی پہلی جنگ	160
45	قیدیوں کے ساتھ سلوک	169
46	ایک خفیہ پلان	171
47	اسلامی تاریخ کی دوسری جنگ	175
48	پہلا خطرہ	177
49	دوسرا خطرہ	177
50	نقشۂ جنگ	180
51	پانسہ پلٹ گیا	182
52	قریش کی ناکام واپسی	187

53	مدینہ کی اقتصادی ناکہ بندی	193
54	عرب میں خندق کی پہلی جنگ	200
55	خندق کی تفصیل	203
56	خدا کی پہلی مدد	208
57	خدا کی دوسری مدد	216
58	انوکھی صلح	219
59	قریش کی سفارت	223
60	حضرت ذوالنورین کی نظر بندی	228
61	حضرت ابوجندل کا حال پردرد	233
62	حضرت ابوبصیر کا قصۂ عجیب	236
63	مژدۂ دلنواز	241
64	قلعۂ خیبر کی تسخیر	242
65	حرم کعبہ کی تطہیر	252
66	ایک غیبی اطلاع	259
67	مدینہ میں اسلامی افواج کا اجتماع	262
68	اسلامی لشکر کا آخری قیام	265
69	مجرموں سے پیغمبر کا خطاب	274
70	قطعۂ تاریخ اشاعت	279

ایمان کی شان

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ
ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝

عظمت والے رسول ــــــ

قسم ہے آپ کے رب کی
لوگ ہرگز ایمان والے نہ ہوں گے
جب تک کہ آپ کو اپنے جھگڑوں میں
حاکم مطلق نہ مان لیں گے۔

پھر وہ ــــــ

آپ کے فیصلے پر
اپنے دل کے اندر
کچھ بھی دغدغہ نہ رکھیں
اور بے چون وچرا اُسے تسلیم کرلیں۔۔

القرآن

اطاعت کی میزان

لو بدا لکم موسیٰ فاتبعتموہ وترکتمونی لضللتم عن سواء السّبیل
ولو کان موسیٰ حیًّا وادرک نبوّتی لاتبعنی ۞

لوگو ــــــــــ

اگر تم موسیٰ علیہ السّلام کا عہد پاتے
اور مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی میں لگ جاتے
تو بے شک سیدھی راہ سے بھٹک جاتے

بلکہ ــــــــــ

موسیٰ علیہ السّلام بھی
اگر اب تک زندہ ہوتے
اور میرا دورِ نبوّت پا لیتے
تو بلاشبہ وہ میری ہی پیروی کرتے۔

الحدیث

واجمل منك لم ترقط عيني
واكمل منك لم تلد النساء

آپ سے زیادہ
ملیح صورت، جمیل سیرت
آج تک میری آنکھوں نے
کسی ذات کو دیکھا ہی نہیں۔

یارسول اللہ ـــــــ
یہ میری آنکھوں کا قصور نہیں
بلکہ روئے زمین پر کسی عورت نے
آپ سے زیادہ حسین و دلکش
کوئی بچّہ پیدا ہی نہ کیا۔

خُلقتَ مبرّءً مّنْ کلّ عَیب
کانّك قد خلقت کما تشاء

اللہ تعالیٰ نے
آپ کو پیدا کیا
تمام عیوب سے پاک و ستھرا۔

گویا کہ ـــــــ
خالق و پروردگار نے
آپ کو آپ کے منشار کے
مُطابق ہی پیدا فرما دیا ہے۔

حضرت حسّان بن ثابت

عشق کا آبشار

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت جامیؒ

مشک و گلاب سے
اگر ہزار مرتبہ بھی
میں اپنے منہ کو دھولوں
پھر بھی میری یہ زبان
آپ کا نام پاکﷺ
ہر گز لینے کے قابل نہیں۔"

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت قدسیؒ

بلند آسماں کے نیچے
ادب کی ایک ایسی جگہ ہے
جو نزاکت میں عرش سے بھی بڑھ کر ہے
جہاں حضرت جنید و بایزید
جیسے مردانِ حق بھی
اپنی سانسوں کو روک کر قدم رکھتے ہیں۔

محبّت کی خوشبو

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے، او جانے والے

۔۔۔۔۔۔۔ حضرت رضاؔ بریلوی

اے پائے نظر ہوش میں آ، کوئے نبی ہے
آنکھوں سے بھی چلنا یہاں بے ادبی ہے

۔۔۔۔۔۔۔ حضرت آسیؔ غازی پوری

دوسرا ایڈیشن

بہارشریف آجانے کے بعد ۱۹۸۶ء میں میری کتاب ''تاریخ ہجرت'' چھپ کر منصۂ شہود پر آئی۔ مکۃ المکرمہ میں کن حالات اور کس ماحول میں خواجہ دوعالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ یہاں سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے۔ کن مشکلات سے گذر کر آپ نے مدینۃ المنورہ کی جانب ہجرت فرمائی اور دس سالوں کے بعد کس شان وشوکت کے ساتھ آپ ﷺ دوبارہ مکۃ المکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ اس مقام پر پہنچ کر کتاب اختتام کو پہنچتی ہے۔ یعنی مکہ سے مکہ تک۔

زیرنظر کتاب میں ہجرت سے متعلق تقریباً تمام گوشوں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن جنگی فتوحات اور تاریخی واقعات اجمالاً بیان ہوئے ہیں۔ اس لیے کتاب کا نام ''تاریخ ہجرت'' تجویز کیا گیا۔ اور ایسا اس لیے ہوا کہ سیرت نبوی پر ایک مکمل کتاب لکھنے کا ارادہ تھا۔ اور ہنوز ہے۔ بلکہ ''حیات خواجہ دوعالم'' کے نام سے کتاب کا آغاز ہو بھی چکا ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کا حوصلہ عطا فرمائے۔

کتاب تاریخ ہجرت کی علما و طلبا اور دانشوران کی جانب سے بڑی پذیرائی ہوئی۔ اسلوب بیان اور طرز نگارش کو سبھوں نے خوب خوب

سراہا۔ کاتب کی خوبصورت تحریر میں کتاب چھپی تھی۔ تیس سال پہلے کے اعتبار سے کاغذ، طباعت اور سرورق بھی معیاری تھا۔ اس دور کے لحاظ سے قیمت بھی کافی مختصر تھی۔ کتاب مقبول عام ہوئی اور دو ہزار کاپیاں ختم ہوگئیں۔

احباب کے تقاضے پر دوسرا ایڈیشن مجلد ہو کر نئی آب و تاب کے ساتھ منظر عام پر آرہا ہے۔ اس کی سج دھج اور رنگ و روغن دور جدید کے مطابق ہے۔ صفحات بھی بڑھ گئے ہیں۔ آسمان چھوتی گرانی کے باعث صرفہ کی مناسبت سے قیمت طے کرنا میری مجبوری تھی۔ ہمیں امید ہے کہ تاریخ ہجرت کا یہ دوسرا ایڈیشن بھی ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا اور ہمیں اگلی کتاب کے لیے قدم بڑھانے کا حوصلہ ملے گا۔

اردو نوشت و خواند کی طرف سے ہمارے جوانوں کی غفلت کو وقت کا المیہ قرار دیا جائے تو یہ کوئی مبالغہ آرائی نہیں۔ دنیا سنوارنے کی فکر میں غلطان والدین اپنے بچوں کو روز اول ہندی اور انگلش اسکول کا راستہ دکھاتے ہیں۔ جبکہ اللہ اور رسول کی راہ سے آشنا کرنے والی اور ہمیں اسلامی تاریخ سے باخبر رکھنے والی زبان اردو ہے اور جو قوم اپنے اسلاف کی تاریخ زندہ نہیں رکھتی، اس کے زندہ رہنے کی ضمانت نہیں۔

حکومت سعودیہ نے حضور کے اصحاب کبار، اہل بیت اطہار، صالحین امت اور بزرگان دین کے تمام آثار، ان کی قابل احترام یادگاریں اور ان کے مزارات کے فیض رساں نشانات کے مٹا دینے کا بیڑا اٹھا لیا ہے۔ اسی لیے اب

ان کے مٹنے کے آثار بھی بڑی تیزی سے نمایاں ہورہے ہیں۔ وہ دن دور نہیں جب ان کی تباہی کا آپ چشم سر سے نظارہ کریں گے۔

جنت البقیع، روئے زمین کا سب سے محترم قبرستان ہے۔ چالیس ہزار صحابہ واہل بیت اس میں مدفون ہیں۔ ان کے علاوہ تابعین، تبع تابعین، ائمہ و محدثین اور بے شمار بزرگان دین محوخواب ہیں۔ بی بی خاتون جنت، امام حسن مجتبیٰ، سیدنا عثمان غنی ذی النورین اسی جگہ مدفون ہیں۔ مگر کسی کی قبر یا اس پر کتبے موجود نہیں۔ بس جگہ جگہ پتھر رکھے ہوئے ہیں۔ کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھنے تک کی اجازت نہیں۔

جنت المعلیٰ، دوسری اہمیت کا حامل قبرستان ہے۔ اس میں دس ہزار عظیم المرتبت صحابہ مدفون ہیں۔ ان کے علاوہ عمائدین امت، بزرگان دین اور سلف صالحین کی کوئی حد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ بی بی خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس جیسے اساطین یہاں مدفون ہیں۔ مگر ان ظالموں نے کسی کی قبر کا نشان تک باقی نہیں رکھا ہے۔ اکثر اوقات دروازے میں تالا پڑا رہتا ہے۔

شہدائے احد، احد پہاڑی کے دامن میں بے آب و گیاہ صحرا میں مدفون ہیں۔ جسے چہار دیواری سے گھیر کر بند کر دیا۔ پہلے جالی لگائی تھی اب اسے شیشے سے بند کر دیا ہے کہ باہر سے کچھ دکھائی نہ دے۔ لوگ دعائے خیر اور فاتحہ تک سے محروم رہ جاتے ہیں۔ سیدنا امیر حمزہ، حضرت ابو دجانہ جیسے اسلام کے جان

نثاروں کی قبریں سلامت نہیں دیکھ کر کلیجہ چھلنی ہو جاتا ہے۔

شہداء بدر، یہ اسلام کے وہ اولین مردان شہید ہیں جن کو حضور اکرم ﷺ نے آبروئے اسلام کا تاج پہنایا ہے اور زندہ بچ رہنے والوں کو خدا بزرگ برتر نے مستقبل سے بے خوف رہنے کی بشارت دی ہے۔ ایک ریتیلے میدان میں وہ آسودۂ خواب ہیں۔ ظالموں نے سر سے بلند دیواروں سے پورے میدان کو بند کر دیا ہے۔ آہنی دروازہ بند رہتا ہے۔ دیواروں کے آس پاس گاڑی روکنا، یا کھڑے ہونا جرم ہے۔

حضور رحمت عالم ﷺ نے اونٹ کی کوہان کی شکل میں قبر بنانے کا حکم دیا۔ خود قبر پر کھجور کی تر شاخ نصب فرمائی۔ ان کے لیے دعائے مغفرت کی اور شہدائے بدر و احد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ قبروں سے سبز گھاس اکھاڑنے سے منع فرمایا۔ سرکار کی یہ ساری تعلیمات کس قانون سے مٹائی گئیں۔

باہر سے مٹی منگوا کر یہ سڑکوں کے کنارے درخت لگوائیں۔ پارکوں کو خوبصورتی کا سامان بنائیں۔ یہ ظالم اپنے محلوں کو پیڑ پودوں سے سجائیں۔ یہ سب روا ہے۔ بلکہ عام قبرستانوں کو صاف ستھرا رکھیں۔ وہاں کے پتھروں پر چونا کلی کرائیں۔ اگر یہ سارے کام حرام اور شرک ہیں تو ان کے لیے جنہوں نے پوری دنیا پر علم اسلام بلند کیا اور سارے عالم کے مسلمانوں کو عزت و افتخار کا تاج پہنا کر جوار رحمت میں ہمیشہ کے لیے سو گئے۔

تاریخ ہجرت کے اوراق الٹیئے ان کے زریں کارناموں کی حق بولتی

کہانی پڑھئے۔ اسلام اور مسلمانوں پر ان کے احسانات کی موسلا دھار بارش کا تماشہ دیکھئے۔ ان کی بے مثال اسلامی خدمت کی تصویر دیکھ کر آپ کے جسم کا رواں رواں ان کی عظمت کی گواہی دے گا اور اس وقت ان ظالم نجدیوں کا سیاہ کارنامہ آپ کو خون کے آنسو رولائے گا ۔

سلام ان پر کہ دشت و جبل ہے جن سے تابندہ
شہادت سے جو اپنی کر گئے اسلام کو زندہ

سید رکن الدین اصدق چشتی
۱۸ / دسمبر ۲۰۱۶ء

کلمات اولین

آج سے تقریباً گیارہ سال قبل میں ایک دن گیا اسٹیشن پر ٹرین کا انتظار کررہا تھا کہ کالج کے چند طلباء جو غالباً مجھے پہچانتے تھے۔ میرے قریب آئے سلام اور مصافحہ کے بعد انہوں نے مجھ سے سیرت کے موضوع پر لکھی جانے والی کسی کتاب کا نام دریافت کیا جو سنی عالم دین کی تصنیف ہونے کے ساتھ ساتھ زبان وادب کی چاشنی سے مملو اور جدید طرز نگارش سے آراستہ بھی ہو۔

مجھے ان کے سوال سے کسی قدر پریشانی لاحق ہوئی کیونکہ میرے علم میں ایسی کوئی کتاب نہیں تھی جو ان لوگوں کا مطالبہ پورا کرسکتی ہو ــــــــ علامہ نور بخش توکلی کی کتاب ''سیرت رسول عربی'' اور علامہ عبد المصطفیٰ اعظمی کی کتاب ''سیرتِ مصطفیٰ'' یقیناً مستند تواریخ میں شمار کی جاتی ہے مگر جس چیز کی تلاش ان نوجوانوں کو تھی وہ اس میں موجود نہیں۔

جدھر دیکھئے افسانے، ڈرامے اور ناولوں کی گرم بازاری ہے اور نوجوان طبقہ اسی کے پیچھے بھاگا جارہا ہے ــــــــ یا پھر سرے سے اردو خوانی کا کوئی جذبہ ہی نہیں رہ گیا ہے۔ ساری دلچسپی دوسری زبانوں کے گرد گھوم رہی ہے ــــــــ گھر میں ہیں تو انگریزی اخبار ہاتھ میں ہے، باہر جارہے ہیں تو ہندی پرچہ ساتھ میں ہے۔ ایسے افسانہ پرستی اور ناول پروری کے زمانے میں اگر کچھ نوجوان فرضی قصے اور بناوٹی کہانیوں کی جگہ عہد رسالت اور دور صحابہ کے

ایمان افروز واقعات وحکایات کو الفاظ کے اُلٹ پھیر کے ساتھ پڑھنا چاہتے ہیں تو یہ جذبہ بھی کم مبارک نہیں ہے۔

آج کے اسلوب تحریر میں منظر کشی اور سماں بندی کا جو رجحان پیدا ہو گیا ہے۔اس نے پرانی اردو کا ذوق ختم کر دیا ہے۔

علاوہ ازیں کل کی اردو عربی و فارسی زبانوں کا چربہ معلوم ہوتی تھی اور آج کی اردو مروج زبانوں کا مرقع نظر آتی ہے ــــــــــ خود اپنا حال یہ ہے کہ آج سے پچاس سال پہلے لکھی جانے والی اردو کتاب جب سامنے آتی ہے تو یکسوئی کے ساتھ چند صفحات پڑھنا گراں گذر جاتا ہے، وجہ بجز اس کے اور کیا ہے کہ تب کی اردو میں الفاظ اور فقرے اب کی اردو سے بالکل مختلف ہیں جو ذہن پر بار بن جاتے ہیں اور طبیعت اکتا جاتی ہے۔

لہٰذا پیرایہ بیان نیا اختیار کرنا اور طرز نگارش میں جدت کو راہ دینا قطعا کوئی جرم نہیں ہے۔مبنی بر حقائق واقعات وواردات کی تصویر کشی اور سماں بندی میں الفاظ سے کھیلا تو جا سکتا ہے مگر نفس واقعہ میں کوئی ترمیم وقت کی ضرورت ہر گز نہیں کہی جا سکتی ہے ــــــــــ آج بے علم اور بے سند مقررین کی بہتات ہے وہ جلسوں کے اسٹیج پر پوری گھن گرج کے ساتھ ذات رسالت اور جماعت صحابہ کی طرف ایسے واقعات منسوب کرتے ہیں جن کا تاریخ وسیر میں کہیں کوئی وجود نہیں۔

افسوسناک جسارت تو یہ ہے کہ عوام کو خوش کرنے کے زعم میں اسٹیج کے ذمہ دار علما سے بھی وہ کوئی حجاب محسوس نہیں کرتے۔ملک کی مختلف ریاستوں

میں بارہا مجھے اتفاق ہوا ہے کہ ایسے ہی مقررین کی کہی ہوئی پھوہڑ باتوں کی دانشور لوگوں نے مجھ سے سند طلب کی ہے اور مجھے جواب میں کہنا پڑا ہے کہ یہ سوال تو آپ کو ان سے ہی کرنا چاہیے تھا، اسٹیج پر بیٹھ کر رو در رو بھی مجھے ایسی بکواس سے سابقہ پڑتا ہی رہتا ہے ـــــــ زبان وقلم کا استعمال ہمیشہ اس لیے ہونا چاہیے کہ قوم مسلم کو اس کی اپنی تاریخ سے خبردار کر کے راہ راست دکھائی جا سکے۔ اسلامی تاریخ کے نام پر قلم اٹھا کر محض تفریح طبع کا سامان فراہم کرنا مذہبی دیانت اور صیانت قلم دونوں کے خلاف ہے۔

اسی ماہ وسال کی بات ہے کہ میں نے ''ہجرت کی رات'' کے عنوان سے ایک چند ورقی مضمون لکھا تھا اور خیال تھا کہ اہل سنت کے کسی ماہنامے میں جگہ پا جائے گا۔ جن علم دوست احباب کی نظروں سے وہ مضمون گذر چکا تھا ان کی طرف سے بھی مضمون کی اشاعت کا مطالبہ ہو رہا تھا ـــــــ مگر ان طلبا کی ملاقات اور گفتگو کے بعد میرا ارادہ یکا یک بدل گیا اور میں یہ سوچنے لگا کہ کیوں نہ میں اسی مضمون کو پھیلا کر ایک کتاب کی شکل دیدوں، جو اگرچہ تاریخی دستاویز تو نہ بن سکے گی ـــــــ لیکن اسلامی تواریخ کے مطالعہ کے لیے نوجوانوں کا ذہن ہموار کرنے میں کسی حد تک معاون ضرور ثابت ہوگی۔ چنانچہ عزم وارادہ نے خیال کو حقیقت سے بدل ہی ڈالا۔

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور کے تعلیمی دور میں مجھے تاریخ بینی سے گہرا شغف تھا اور اشرفی دار المطالعہ کی اکثر تاریخی کتابیں میری نظر سے گذر چکی تھیں اس لیے واقعات اب تک حاشیہ ذہن پر مرتسم تھے جس کی وجہ کر واقعات میں

تسلسل پیدا کرنے اور مضمون کو کتابی شکل دینے میں مجھے زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑا ـــــــ ہاں نام و مقام میں شبہ پیدا ہوا یا تاریخ و دن گوشۂ ذہن میں محفوظ نہ مل سکے تو کتابوں کا سہارا لینا پڑا ہے ـــــــ اگرچہ میں نے کتاب کو حوالوں سے مزین کرنے کی کوشش نہیں کی ہے مگر یہ لحاظ ضرور رکھا گیا ہے کہ باتیں بے سند نہ ہوں۔

اشاعت میں تاخیر: ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے عہد اہتمام ہی میں کتاب کا مسودہ تیار ہو چکا تھا اور جلد ہی اسے پریس کے حوالہ کیا جانا تھا مگر ایک عجیب حادثہ پیش آ گیا۔ جس کی وجہ کر کتاب کی اشاعت دس سال سے زیادہ پیچھے ہو گئی ـــــــ پروفیسر سید علی حیدر نیر سیوانی مرحوم جن دنوں بہار مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے سکریٹری تھے، ادارۂ شرعیہ آیا جایا کرتے تھے اور ہم مسلک ہونے کے ناطے ذاتی طور پر بھی ان سے میرے مراسم تھے۔

ایک دن وہ ادارۂ شرعیہ تشریف لائے اور کتاب جو ابھی مسودہ کی شکل میں تھی میرے دفتر میں بیٹھ کر دیکھنے لگے۔ چند صفحات دیکھنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ یہ کتاب تو مقبول خلق ہو گی۔ اگر میں آپ کی نظر میں کسی لائق ہوں تو مجھے اجازت دیجئے کہ اسے میں اپنے ساتھ لے جاؤں اور بالاستعاب دیکھنے کے بعد اپنے مفید مشوروں کے ساتھ آپ کو لوٹا دوں ـــــــ میں نے بھی سوچا کہ کیا حرج ہے اگر کتاب چھپنے سے پہلے ایک ماہر اردو داں پروفیسر اور صاحب طرز ادیب کی نظر سے گذر جاتی ہے تو میری ناقص معلومات اور زبان و قلم کی ٹھوکر کو شاید کچھ اصلاح مل جائے ـــــــ مگر حیف صد حیف کہ کتاب

جانے کے بعد اب تک لوٹ کر نہیں آسکی جب جب میں نے مطالبہ کیا کتاب کھوجانے کا عذر نامعقول سامنے آتا رہا۔

اس حادثہ نے ذہن پراگندہ کر دیا۔اور کئی سالوں تک نئی ترتیب کیلئے فکر آمادہ نہ ہوئی، نہ قرطاس چھونے کو جی چاہتا اور نہ قلم پکڑنے کی طرف طبیعت راغب ہوتی ــــــــ ان ہی دنوں دوسری افتاد یہ پڑی کہ ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے عہدہ اہتمام سے مجھے مستعفی ہوجانا پڑا۔ یہ ہماری بہت بڑی بدنصیبی ہے کہ کچھ لوگ جو خود کچھ کرنا نہیں چاہتے وہ دوسروں کو بھی کچھ کرتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتے ہیں ــــــــ ایسے ہی افراد میرے استعفیٰ کا سبب بنے ــــــــ اس طرح کچھ منتشر اوراق جمع کر کے پندرہ روزہ رفاقت، پٹنہ میں قسط وار شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا گیا تھا وہ بند ہو گیا اور میں حضرت مخدوم الملک کی باطنی توجہ اور روحانی تصرف سے بہار شریف منتقل ہو گیا۔

بہار شریف کثیر مسلم آبادی کا تاریخی شہر حضرت مخدوم الملک اور دوسرے اکابر اولیا کی مقدس نگری ہے مگر زمانے کی ستم ظریفی کہئے کہ پورے شہر پر توہب کی چھاپ اور تمام مساجد پر غیروں کی اجارہ داری تھی۔

اجنبیت کے ایسے ماحول میں مدرسہ اصدقیہ مخدوم شرف کا جنوری ۱۹۸۴ء میں قیام ہوا۔اس کے بعد میری مثال چکی کے اس پتھر کی سی ہوگئی جسے قرار نصیب نہیں ہوتا ــــــــ طلباء واساتذہ کے ماہانہ اخراجات، مدرسہ کی عمارت کے لیے ایک قیمتی رقبہ زمین کی خریداری اور پھر اس پر وسیع وعریض عمارت کی تعمیر کا بارو

بوجھ۔ والد بزرگوار کی رحلت کے بعد خانقاہ اور حلقۂ وابستگان کی تمام تر ذمہ داری اور اس پر طرفہ وتماشہ یہ کہ ملک گیر سفر اور پروگرام کی مصروفیت نتیجہ یہ کہ احباب کے تقاضے اور اپنی خواہش کے باوجود لمبے عرصہ تک کتاب کی ترتیب نو کی طرف توجہ نہ کرسکا۔

خواہش تو تھی کہ عرش بریں کی بھی سیر ہو
مجبور ہوں خدا نے دیا پر نہیں مجھے

اس کتاب کی ترتیب سے ہمارا دو مقصد وابستہ ہے ــــــ اولاً یہ کہ ایسے سلیم فطرت نوجوان جو اسلامی تاریخ وسیر کو جدید تحریر کے قالب میں دیکھنا چاہتے ہیں ان کی تسکین قلب کا سامان فراہم کروں تا کہ وہ اپنا گھر خالی پا کر کسی دوسرے کی دہلیز پر سوالی بنے ہوئے نہ دیکھے جائیں۔ کیونکہ لٹریچر دیکھ کر رائٹر کے ذہن کا اثر آدمی غیر شعوری طور پر قبول کرلیتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ ہماری جماعت میں جدید طرز نگارش میں کمال رکھنے والے اہل علم کی کمی نہیں ہے ــــــ میں نے سوچا کہ اپنا حقیر سرمایہ قلم خرچ کر کے ان کے احساس خفتہ کو بیدار کردوں تا کہ جس نوع کے لٹریچر کی اپنی جماعت میں شدت سے کمی محسوس کی جارہی ہے۔ ان کے شاہکار قلم کی جنبش اس کمی کو دور کردے ــــــ کیونکہ طلباء اور نوجوانوں کو ذہنی آلودگی سے بچانا اور ان کو فکری آلائش سے دور رکھنا ہماری جماعتی ذمہ داری ہے۔

میں نے کتاب کو نئے طرز پر ڈھالنے کی سعی بلیغ کی ہے۔ اس کے لیے

مجھے الفاظ کے پیچ وخم میں الجھنا پڑا ہے بلکہ کہیں کہیں تمثیلات کا سہارا بھی لینا پڑا ہے ـــــــ لیکن واقعات کو مسخ ہونے سے بچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔حتی المقدور یہ لحاظ رکھا گیا ہے کہ اسلوب بیان ہی نیا ہو، واقعہ نیا نہ بن جائے۔اس احتیاط کے باوجود اگر کہیں خامی رہ گئی ہو اور تعبیری کلمات خدانخواستہ غلط معنی ومفہوم کی عکاسی کر گئے ہوں تو میں ارباب فکر ونظر سے ملتجی ہوں کہ ازراہ مکرمت درگذر فرمائیں اور بغرض اصلاح مجھ ہیچمدان کو اس کی اطلاع دے کر شکرگذار بنائیں ؎

اِذَارَائیتَ اثیماً کن ساتراً وحلیماً

یامن یقبح امری لما لاتأمر کراماً

زیرنظر کتاب میں ہجرت نبوی کی جو تفصیل اسباب وعلل کے ساتھ پیش کی گئی ہے وہ معتبر کتب تواریخ سے ماخوذ ہے۔کتاب کی ترتیب میں سیاق وسباق کا اسی قدر حصہ سامنے لایا گیا ہے جو ہجرت کے قبل اور بعد کے حالات کی پوری طرح عکاسی کر سکے اور ناظرین فوائد ہجرت کے باریک پہلوؤں کو بھی بخوبی جان سکیں۔اسی لیے میں نے اس کتاب کا نام ''تاریخ ہجرت'' تجویز کیا ہے۔

اس کتاب نے منصۂ شہود پر آنے کے بعد اگر قبولیت عامہ حاصل کی اور قوم نے میری اس خدمت کو قدر کی نگاہوں سے دیکھا تو عزم ہے کہ انشاءاللہ ''مکی زندگی'' اور ''مدنی زندگی'' دو الگ الگ جلدوں میں سرکار کی مکمل سیرت اسی نہج پر پیش کرنے کی سعادت حاصل کروں گا۔

کتاب کی ترتیب کے پیچھے کوئی تجارتی نقطۂ نظر کارفرما نہیں ہے اور نہ زراندوزی کے کسی تصور کے تحت کتاب کا ہدیہ گراں رکھنے کا کوئی ارادہ ہے۔ میں چونکہ ایک فقیر بے مایہ ہوں بعد از دشواری بسیار جو رقم کتاب کی اشاعت پر خرچ کر رہا ہوں اسی کی واپسی بہت ہے ـــــــــ تاکہ قطب عالم حضور سیدنا خواجہ شاہ قیام اصدق الصادقی الچشتی رضی اللہ عنہ المتوفیٰ ۱۳۰۱ھ کی علم تصوف میں بلند پایہ کتاب ''زادالسفر'' کا جو میں نے اردو ترجمہ کیا ہے اس کے اشاعت کی سبیل پیدا ہو سکے۔

زندگی کے جو چند دن باقی رہ گئے ہیں ان میں اگر اسی قسم کی کچھ تحریری خدمات انجام پا گئیں تو شاید مجھ جیسے عاصی و پر معاصی کے لیے توشۂ آخرت بن کر کبھی سامنے آجائیں اس لیے اپنوں کی زبان و بیان پر حرف گیری کرنے اور ان کے اوپر تنقید میں قلم کی سیاہی صرف کرنے سے بہتر میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلاف کی عظیم الشان قربانیوں اور صالحین کی بے لوث دینی کارگزاریوں سے فرزندان اسلام کو خبردار کر کے ان کے اندر حمایت حق کا جذبۂ صادق پیدا کیا جائے ؎

ما قصہ سکندر و دارا نخوانده ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

وما توفیقی الا باللہ

سید رکن الدین اصدق

جاروب کش آستانہ چشتی چمن پیر بیگھہ شریف (نالندہ) بہار

مقدمہ

از: عالی جناب پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق صاحب
سجادہ نشیں خانقاہ چشتیہ دانا پور

بہ ہواداری اوذرہ صفت رقص کناں
تالب چشمۂ خورشیدِ درخشاں بروم

تاریخ گذرے ہوئے واقعات، حادثات اور سانحات کو قلمبند کرنے کا نام ہے۔ یہ واقعہ، حادثہ اور سانحہ خواہ قدرتی ہو، مذہبی ہو، سیاسی ہو، تہذیبی ہو، یا تمدنی، قیدزمانی ومکانی کے ساتھ ضبط تحریر میں اس طرح آئے کہ آئندہ نسلیں ان کا صحیح اور واقعی ادراک کرسکیں۔

علم کا ایک مضبوط اور محفوظ شعبہ تاریخ کا ہے، مورخ کے لیے ایمانداری، حق گوئی، صداقت بیانی اور غیر جانبداری شرط اولیں ہے۔ کوئی تغیر، کوئی انقلاب، کوئی سانحہ، کوئی حادثہ جب وقوع پذیر ہولیتا ہے تو اس کے ذکر، اس کے بیان اور اس کے اظہار کو ہم تاریخ کہتے ہیں۔ لیکن جو امر ابھی واقع نہ ہوا، جو سانحہ ابھی ظہور پذیر نہ ہوا ہو اس کا ذکر یعنی مستقبل میں متوقع واقعات وحادثات کا بیان تو ایک طرح کی پیش گوئی ہے۔ ایسا بہت کم بلکہ نہیں دیکھا گیا ہے کہ پیش گوئی اور بشارتیں ظہور واقعہ کے بعد من وعن تاریخ کا سچا باب بن جائیں۔

اسلام جو اللہ کا دین ہے، اسلام کے پیغمبر جو اللہ کے رسول ہیں، ایسی ہی سچی تاریخ کے حامل ہیں جسے بشارت الٰہیہ اور تائید ایزدی حاصل رہی۔ توریت، زبور، انجیل اور دیگر صحف انبیاء، بنی اسرائیل میں نبی آخر الزماں کی تشریف آوری اور بعثت نبوی ہی کی بشارت ہیں ہجرت مدینہ، فتح مکہ، یہاں تک کہ ۶۱ھ میں لب دریائے فرات شہادت امام حسین علیہ السلام تک کی خبر واضح الفاظ میں موجود ہے۔

زبان خامہ ندارد سر بیان فراق

وگرنہ شرح دہم با تو داستانِ فراق

الغرض احوال وآثار ملکی وقومی، روایات اور بیانات جو نسلاً بعد نسل نقل ہوتی رہتی ہیں، نیز وہ مادی یادگاریں جو محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ تاریخ کا ماخذ ہیں۔

اسلام اور بانی اسلام کا ظہور قدسی سرزمین عرب میں ایک خاص عہد میں ہوا اور یہ اسلامی تاریخ روز اول سے ہی محفوظ کی جاتی رہی۔ اگرچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے اوقات مکہ معظّمہ میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ غزوہ بدر میں قید شدہ اشخاص میں کچھ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے جن کا فدیہ مقرر کیا گیا تھا کہ ہر پڑھا لکھا قیدی اگر دس دس آدمیوں کو پڑھنا لکھنا سیکھا دے تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ آغاز اسلام کے بعد عرب میں پہلی کتاب فن تاریخ میں ہی رقم ہوئی۔ ۶۰ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوششوں سے تاریخ کی کئی کتابیں لکھوائی گئیں جن میں کتاب الملوک واخبار الماضین" آج بھی محفوظ ہے۔

یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ فن تاریخ کا آغاز وارتقاء عربوں ہی کے ذریعہ ہوااور اپنے عروج کو پہنچا، یہاں تک کہ یوروپی مورخین اور مستشرقین نے اس فن میں عرب مورخوں کی ہی اتباع کی اور مشہور ہوئے۔

ہشام بن عبدالملک، واقدی، بلاذری، طبری ومسعودی اور آگے چل کر ابن خلدون، مقریزی وسیوطی وہ ہیں کہ فن تاریخ میں جن کا حوالہ بڑے بڑے تاریخ دانوں کے لیے باعث افتخار ٹھہرا۔عرب مورخوں نے آغاز اسلام، بعثت نبوی، حضور کی مکی زندگی، ہجرت، مدنی زندگی، غزوہ بدر واحد، صلح حدیبیہ، فتح مکہ، الغرض رحمت عالم کی ولادت باسعادت سے وصال شریف تک کے ہر واقعہ کو بالتفصیل صفحہ قرطاس پر محفوظ کرلیا ہے۔عربی زبان میں لکھی ہوئی یہ تاریخیں جنہیں اسماء الرجال سے استناد حاصل ہے۔دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہوئیں، عربی سے فارسی، انگریزی، فرانسیسی اور بیشتر ایشائی ویوروپی زبانوں میں منتقل ہوتی رہیں۔

اسی طرح دنیا کی مشہور زبانوں میں ایک ترقی یافتہ، معیاری، خوبصورت اورشیریں زبان اردو بھی ہے۔برصغیر ہند میں جب فارسی کا غلغلہ سرد پڑااور اردو زبان اس کی جانشین ہوئی تو بہتری اسلامی تاریخیں اردو میں ترجمہ ہوکر شائع ہوئیں اور کچھ مؤلف کے اپنے نظریہ وعقیدت کی پرچھائیں لیے الگ الگ پیرایۂ بیان طرز نگارش کے ساتھ تالیف ہوئیں۔مثلاً

مولوی عبداللہ چکڑالوی کے شاگرد مولانا اسلم جیراج پوری کی تاریخ الامت، اکبرشاہ نجیب آبادی کی تاریخ اسلام، مولانا عبدالرؤف داناپوری کی اصح السیر ،شبلی

نعمانی کی سیرۃ النبی، شوکت علی فہمی کی تاریخ اسلام، حافظ جلال الدین جعفری کی سیرت خاتم النبین ، سید ریاست علی ندوی کی عہد رسالت وخلافت راشدہ وغیرہ۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن سے بالعموم بی اے آنرز اور اردو وفارسی میں ایم اے کے طالب علم تاریخ اسلام کے خصوصی پرچے کیلئے روشناس ہوتے ہیں۔

تاریخ اسلام میں رسول مقبول کی حیات طیبہ، ان کے فرمودات ان کے معجزات، ان کے اقوال واعمال اورنقل وحرکت کی بنیادی حیثیت ہے مگر اردو میں جو تاریخیں موجود ہیں، ان میں اکثر چکڑالویت، نیچریت، دیوبندیت نے کئی تاریخی حقائق پر پردہ ڈالنے یاان کی غلط پیش کش کی سعی ناکام کی ہے۔ ایسی صورت میں تاریخ کا صحیح رخ مسخ کرنے کی مذموم کوشش نظر آتی ہے۔

تاریخ اسلام اورسیرۃ النبی میں وحی الٰہی ، جبریل امین ، قرآں مبین اور احادیث رسول کی حیثیت اساسی ہے۔تاریخ وتفسیر میں اکثر حضرات نے اپنی کج مج عقل کی رہنمائی میں بعض حقیقتوں کا صریحاً انکار کیا ہے۔مثلاً سر سید احمد خان وجود جبریل کاانکار اس طرح کرتے ہیں:

> ”خدا وپیغمبر میں بجز اس کلمۂ نبوت کے جسے ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں اور کوئی ایلچی پیغام پہونچانے والا نہیں ہوتا۔اس کا دل ہی وہ آئینہ ہوتا ہے۔جس میں تجلیات ربانی کا جلوہ دکھائی دیتا ہے، اس کا دل ہی وہ ایلچی ہوتا ہے جو خدا کے پاس پیغام لے جاتا ہے

اورخدا کا پیغام لے کر آتا ہے۔ وہ خود ہی وہ مجسم چیز ہوتا ہے
جس میں سے خدا کے کلام کی آواز نکلتی ہے۔''

(تفسیر القرآن ج (۱) ص ۳۶: بحوالہ حدیث نبوی کے اردو تراجم ص ۴۸:)

صاحب تاریخ الامت مولانا اسلم جیراجپوری رقمطراز ہیں :

''جب قرآنی حقائق اللہ نے میرے دل پر کھولے اس
وقت حدیث کی اصلی حیثیت بالکل واضح ہوگئی کہ وہ دینی
تاریخ ہے اس کا دین سمجھنا صحیح نہیں۔ اگر دین ہوتی تو
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کی طرح اس کو بھی لکھوا کر
امت کو دے جاتے، دین کے لیے قرآن کافی ہے جو کامل
کتاب ہے اور جس میں دین مکمل کر دیا گیا ہے''

(جامعہ دہلی اسلم جیراجپوری نمبر ص ۱۳۱: بحوالہ حدیث نبوی کے اردو تراجم ص ۵۰:)

علامہ شبلی نے سیرۃ النبی میں مقام صہبا پر رجعت شمس کا مشہور تاریخی واقعہ حذف کر دیا۔ آخر کیوں؟ کسی کو حدیث سے انکار ہے، کوئی معجزات کا منکر۔

مولانا سید ریاست علی ندوی معراج کے بیان میں لکھتے ہیں:

''معراج کا واقعہ ہجرت سے سترہ اٹھارہ مہینے پہلے،
۲۷/رجب کو پیش آیا، آپ اس شب میں کعبہ کے حصہ حطیم
میں استراحت فرمارہے تھے۔''

جبکہ امام زہری اور ابن عبد البر کی روایت اس وقت عمر شریف سے متعلق

مختلف ہے،علاوہ ازیں تاریخ کی دیگر کتابیں یہ بھی کہتی ہیں کہ معراج کی شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے دولت کدے پر آرام فرمارہے تھے۔

جہاں تک زبان وبیان کا تعلق ہے اردو کے اکثر مؤرخ اس میں محتاط نہیں رہے ہے۔ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ شبلی تو مشہور ہی ہیں۔مولانا ریاست علی ندوی بھی حضور کی رحلت کا ذکر ان عامی الفاظ میں کرتے ہیں:

"تین دفعہ فرمایا بل الرفیق الاعلیٰ یعنی اب اور کوئی نہیں
بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے۔یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک گیا،
آنکھیں پھٹ کر چھت سے لگ گئیں اور روح پاک عالم
قدس میں پہونچ گئی"

(عہد رسالت وخلافت راشدہ ص ۱۴)

اردو میں ایسی اسلامی تاریخوں کے درمیان،تاریخ ہجرت واقعات کی تاریخی وترتیب وتحقیق کے ساتھ اپنے اسلوب وادا اور زبان وبیان کی شیرینی ودل نشینی کے ساتھ ایک انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔

مولانا سید شاہ رکن الدین اصدق نے اس کتاب میں کہیں بھی ادب و عقیدت کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا ہے۔اور یہ محض فضل الٰہی ولطف خداوندی ہے۔ورنہ

دام سخت است مگر لطف خدا یار شود
ورنہ آدم نبرد صرفہ ز شیطان رجیم

صاحب تاریخ ہجرت مولانا رکن الدین اصدق ایک صوفی منش، ولی نژاد عالم دین اور مقبول ومعروف مقرر شیریں بیان ہیں۔ ایسا کم دیکھا گیا ہے کہ کوئی شخص بیک وقت تحریر وتقریر دونوں پر یکساں قدرت رکھتا ہو۔ موصوف کو اللہ نے یہ کمال دیا ہے کہ وہ تاریخی واقعات سیر ومغازی کے صحیح اور مستند ماخذ کی روشنی میں دلچسپ ودل پذیر انداز سے لکھتے اور بیان فرماتے ہیں۔

دل چو صافی شد حقیقت را شناسا می شود
از صفا آئینہ منظورِ نظر ہا می شود!

مئے توحید کی سرمستی اور حبِ رسول وآل رسول کی سرشاری جو انہیں ورثے میں ملی ہے ہر قدم اشہب قلم کو آگہی وباخبری کے ساتھ مہمیز کرتی ہے۔

مطالعہ کی وسعت، فکر ونظر کی رفعت، تحقیق وتنقیح کی قدرت، ذہن رسا کی جودت، جذب دروں کی حدت، حق گوئی وحق شناسی کی فطرت، بطلانِ باطل کی شدت، عرفانی کیفیت، روحانی حلاوت اور زبان وبیان واسلوب وادا کی جدت تاریخی ادب واحترام کے ساتھ دیکھنی ہو تو "تاریخ ہجرت کا مطالعہ کریں۔

یہاں پر میری اس مقفی عبارت کو شاعری کا نام نہ دیں بلکہ اس تاریخی کتاب کی عبارات ومشمولات کو اپنی میزان علم وعقل پر تولیں اور دیکھیں کہ میرے دعوے کی کیسی مبرہن دلیلیں سامنے آتی ہیں۔

"غلاف کعبہ کی تاریخ"، کے تحت رقمطراز ہیں :

"علامہ ارزقی (مصنف تاریخ مکہ) کے مطابق

سیدعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خانۂ کعبہ پر یمنی پردہ
چڑھایا تھا۔ عہد نبوت کے بعد کی تفصیل سیرۃ النبی میں اس
طرح درج ہے‘‘

حضرت عمر، بنوامیہ کے خلفا، مامون الرشید، مصری سلطان صالح، ترکی سلطان سلیمان وغیرہ کا حوالہ تاریخی دیتے ہوئے مؤلف موصوف نہایت مؤثر و مدلل تبصرہ فرماتے ہیں۔

’’خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنے کی تاریخ کی پوری
تفصیل فتوح البلدان بلاذری تاریخ مکہ ارزقی اور معجم
البلدان میں موجود ہے ـــــــ آج کچھ لوگوں کو
بزرگوں کے مزارات پر چادر کے تصور سے شرک کا آزار
ستانے لگتا ہے، پتہ نہیں کعبہ کی دیواروں پر غلاف ڈالنے
سے متعلق وہ کیا حیلے تراشیں گے۔‘‘

فاضلِ مؤلف نے مشہور واقعہ صلح حدیبیہ کی تفصیل ’’انوکھی صلح‘‘ کے عنوان سے اس پیرائے میں بیان کی ہے کہ سارا واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے، نثر میں محاکات کی بہترین مثال ہے۔ ’’حضرت ابوجندل کا حال پُردرد‘‘ اور ’’قلعہ خیبر کی تسخیر‘‘ نتائج کے حسن استنباط سے مؤلف کی قوت استدلال اور تجزیاتی شعور نمایاں ہے۔ مثلاً اسلام کی ترقی کے اسباب‘‘ کا بیان:

’’بلاشبہ اسلامی انقلاب ـــــــ دنیا کی سب سے عظیم،

سب سے نرالا اور سب سے منفرد انقلاب ہے۔ یہاں یوم فتح امن کا دن قرار پایا۔ یہاں انتقام کی بھٹی کی جگہ بخشش وعطا کا شامیانہ نصب کیا گیا، یہاں ملک کا نظام بدلنے کے بجائے رعایا کا مزاج بدل دیا گیا یہاں اپنے اور بیگانے کے درمیان فصیل کھڑی نہیں کی گئی۔ سبھوں کے لیے معافی کا فرشِ زمردیں بچھا کر راحت وآرام کا عام اعلان کر دیا گیا۔

رحمت بردوش فاتح ـــــــ جس کی جبین نبوت پر عفو وحلم کی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔ آب رحمت میں ڈھلے ہوئے ـــــــ اس کے دو بول نے ـــــــ قریش کو اسلام کا دلدادہ بنا دیا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ فَاَنْتُمُ الطَّلَقَاء

آج تم میں کسی سے کوئی مطالبہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو

اللہ رے وسعت ترے دامانِ کرم کی
اس بحر کا ملتا نہیں ڈھونڈے سے کنارا

اور یہی موصوف کی بہت بڑی کامیابی ہے، تاریخ ہجرت نہایت سہل، سلیس، رواں اور عام وخاص ہر طبقہ کے لیے آسان زبان میں لکھی گئی ہے۔ روز مرہ ومحاورہ کے علاوہ عام فہم انگریزی زبان کے زبان زد الفاظ بڑی خوبصورتی سے برمحل اور بے تکلف استعمال ہوئے ہیں مثلاً ٹریننگ سنٹر، پلان، مارکیٹ،

مشینری، انٹلی جنس، ایوارڈ، پلانر، پروپگنڈہ، پبلسٹی، ووٹ، ایجنسی وغیرہ جابجا موضوع کی مناسبت سے شگفتہ، بامعنی اور رواں اشعار کی شمولیت مؤلف کے پاکیزہ شعری ذوق اور تازگی خیال کا نشان ہے۔

مولانا رکن الدین اصدق لائق تحسین وستایش اور قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے وقت کی ایک اہم ضرورت کی طرف توجہ فرمائی اور بڑی کامیابی کے ساتھ اس فرض سے عہدہ برآ ہوئے۔

مولیٰ تعالیٰ اس کتاب کو قبول عام اور بقائے دوام عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین!

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

☆☆☆

عالمگیر تاریکی اور خانہ کعبہ کی تعمیر

تاریخ عالم کے اوراق باطل نقوش سے ایسے ڈھک چکے تھے کہ اس وسیع خطہ خاک پر گز بھر زمین میسر نہ تھی جہاں کوئی شخص خدائے واحد ولاشریک کا نام لے سکتا۔ اللہ کے طیب وطاہر رسول حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے جب کلدان میں یکتا و بے ہمتا پروردگار کا نام لیا تو لوگ کمر شکستہ ناگ کی طرح پھنکاریں مارنے لگے۔ مصر آئے تو لاالہ الا اللہ کی صدائے دل نواز پر ہر طرف آگ کے شعلے لپک اٹھے۔ فلسطین پہونچے تو کوئی آپ کی آواز پر کان دھرنے والا نہ تھا۔ اب صرف حجاز کا بے آب و گیاہ صحرا رہ گیا تھا جو تمدن کے بادسموم سے خالی تھا۔

سیدنا ابراہیم خلیل اللہ جناب ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ کو ساتھ لیکر عرب پہونچے اور انہیں یہیں آباد کیا اور ملک شام واپس چلے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام دوبارہ عرب واپس آئے تو جناب اسمٰعیل سن شعور کو پہونچ چکے تھے۔ دونوں نے ملکر خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ جب مقدس ہاتھوں سے خدا کا مقدس گھر بن کر تیار ہو گیا تو رب ذوالجلال نے حضرت ابراہیم کو قرآن کی وضاحت کے مطابق یہ حکم دیا۔ وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ۝ وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (سورہ الحج) یعنی ہمارا گھر طواف کرنے والوں اور نماز میں قیام اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لیے

پاک کراور تمام لوگوں کو پکار دے کہ حج کو آئیں۔

اس وقت ذرائع ابلاغ نہ تھے، خبر رسانی کی ایجنسیاں نہ تھیں، پروپگنڈہ اور پبلیسیٹی کے وسائل نہ تھے، اعلان واشتہار کی آسانیاں نہ تھیں مگر جبل بوقبیس سے حضرت ابراہیم کی آواز چہار دانگ عالم میں پہونچ گئی اور مشرق ومغرب سے زائرین حرم کا تانتا بندھ گیا۔ یہ کعبہ ہی کی برکت تھی کہ لوگ اس کے آس پاس آباد ہونے لگے چنانچہ سب سے پہلے آباد ہونے والوں میں قبیلۂ جرہم تھا۔ حضرت اسمعیل علیہ السلام نے اسی قبیلہ میں شادی کی جن سے بارہ اولاد ہوئی۔

جس وقت دو متبرک ہستیاں ایک پاک گھر کی تعمیر میں معمارانہ خدمات انجام دے رہی تھیں۔ حضرت جبرئیل روح الامین نے ایک سیاہ پتھر لا کر دیا کہ اسے ایسی جگہ نصب فرمادیں جہاں سے طواف شروع کیا جاسکے۔ مشہور ہے کہ یہ پتھر (حجر اسود) حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ٹھیک بیت المعمور کے نیچے زمین پر حضرت آدم نے سب سے پہلے کعبہ کی بنا ڈالی اور بعد میں اسی بنیاد پر تعمیری خدمات انجام پاتی رہیں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر ایسی جگہ ہوئی جو جغرافیائی اعتبار سے کرۂ ارض کا عین وسط واقع ہے اس لیے کہ اسے عالم اسلام کا سنٹر اور پوری دنیا کا مرکز عقیدت بننا تھا۔ بناء کعبہ کے بعد جبل بوقبیس کے دامن میں جو آبادی بسنی شروع ہوئی اسی کا نام شہر مکہ پڑا۔ ابتداءً مکہ خیموں کا ایک وسیع شہر تھا چونکہ لوگ کعبہ کے گرد عمارت بنانے کو بے ادبی تصور کرتے تھے۔ یہاں سب سے پہلی عمارت

سعد بن عمرو نے تعمیر کرائی۔ اس کے بعد سے عمارتوں کی تعمیر کا رواج ہو گیا۔

اسی شہر مکہ کو قرآن حکیم نے ''بکہ'' کے نام سے یاد کیا ہے ــــــــــ

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ

(پ ۴: آل عمران)

یہود نے جب یہ دعویٰ کیا کہ سب سے بہتر اور پہلا گھر بیت المقدس ہے تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ''بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کو مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے، برکت والا اور سارے جہاں کا راہنما'' حدیث پاک میں بھی ہے کہ کعبہ شریف کی تعمیر بیت المقدس سے چالیس سال قبل ہوئی ہے۔ جناب اقبال کہتے ہیں ؎

دنیا کے بت کدوں میں پہلا وہ گھر خدا کا

ہم اس کے پاسباں ہیں وہ پاسباں ہمارا

تعمیر کعبہ کے بعد حضرت ابراہیم کی حیات ہی میں مکہ آباد ہو چکا تھا۔ اور آپ کی پیغمبرانہ بصیرت جان چکی تھی کہ یہ مکہ مستقبل میں تاریخ کا عظیم شہر ہوگا۔ چنانچہ آپ نے دعاء فرمائی ''رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ '' (سورہ بقرۃ)

اے رب! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دے اور اس کے رہنے والے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے انہیں پھلوں سے روزی عطا فرما ــــــــــ دعائے ابراہیم ہی کا یہ اثر تھا کہ عرب کا بے آب و گیاہ خطہ لہک اٹھا اور زمین شور سنبل و

ریحان اگانے لگی۔

کعبہ کی عظمت ایسی کی انسان تو کیا پرندے بھی اس پر بیٹھنے یا اس کے اوپر سے پرواز کرنے کی جسارت نہیں کرتے۔ اور مکہ شہر امن ایسا کہ خونخوار درندوں کو بھی اس کے حدود میں قتل وخون کی جرآت نہیں ہوتی۔ عہد رسالت کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ایک بار حرم کی سرحد پر بیٹھے ہوئے ابو جہل اور امیہ بن خلف محو گفتگو تھے کہ ناگہاں ایک شیر، ہرن کو دوڑاتا ہوا ظاہر ہوا۔ جوں ہی حرم کی سرحد آئی ہرن اس میں داخل ہوتے ہی بے فکری سے کھڑا ہو گیا اور شیر حرم سے باہر ہی کچھ دیر ٹھہر کر واپس ہو گیا ______ امیہ نے حیرت میں ڈوب کر کہا، عمرو بن ہشام کچھ دیکھا تم نے، محمد بن عبد اللہ کے حکم کا احترام تو یہ درندے بھی کرتے ہیں۔ کیا اب بھی تم کو ان کی نبوت میں شبہ ہے؟ ابو جہل نے کہا محمد کی نبوت میں شبہ تو مجھے نہ پہلے تھا اور نہ اب ہے۔ پریشانی صرف یہ ہے کہ اگر ہم نے محمد کی نبوت تسلیم کر لی تو ساری برتری تو بنو ہاشم کو حاصل ہو جائے گی۔ باقی اہل قریش کیا کریں۔ برا ہوا ابو جہل کی اس تنگ نظری کا جس نے اسے کفر کے دلدل سے نکلنے نہ دیا۔

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِناً (سورہ آل عمران) یعنی کعبہ مقدسہ میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں۔ مقام ابراہیم ہے اور اس میں داخل ہو جانے والا محفوظ و مامون ہے۔ صاحب مدارک و خازن نے تحریر فرمایا ہے کہ نشانی سے مراد پرندوں کا اس پاک گھر کا احترام کرنا اور

جانوروں کا اس کے حدود کو حرم جاننا ہے۔ مقام ابراہیم سے مراد وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم نے کھڑے ہو کر کعبہ کی تعمیر فرمائی۔ وہ بقدر ضرورت خود بخود بلند ہوتا تھا یعنی کعبہ کی دیواریں جیسے جیسے اونچی ہوتی تھیں وہ اوپر اٹھتا جاتا تھا۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے مبارک نشان ہیں۔ طواف کی دو رکعتیں اسی جگہ پڑھی جاتی ہیں۔ امن کی جگہ ایسی کی قاتل و رہزن تک اس کے اندر اپنے جرائم کی پاداش سے محفوظ رہیں۔ کسی طرح کی کوئی حد اس میں جاری نہیں کی جاسکتی۔ فاروق اعظم فرماتے ہیں کہ میں اپنے باپ خطاب کے قاتل کو بھی اس کے اندر پالوں تو ہرگز کچھ نہ کہوں گا۔

پرندوں کو حرم کی حرمت کس نے بتائی، درندوں کو خدا کا فرمان تہدید کس نے سنایا، اس سوال کا جواب بجز اس کے اور کیا ہے کہ جس خدا نے مرغی کے بچے کو انڈے سے باہر آتے ہی دانا چگنا سکھایا، بکری کے بچے کو پیٹ سے باہر قدم رکھتے ہی ماں کا تھن تلاش کرنے کا شعور بخشا اسی رب قدیر نے ان بے زبان جانوروں کو حدود حرم کے آداب سکھائے اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہوا فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّنٰتٌ اس گھر میں خدا کی روشن نشانیاں موجود ہیں۔ تاریخ نے کتنی کروٹیں بدلیں، ماحول نے کتنی بار انگڑائیاں لیں۔ ظالموں نے کتنی مرتبہ حرم پاک کی حرمت پامال کی۔ منجنیق سے پتھر برسائے گئے۔ کعبہ کا غلاف جلایا گیا۔ اندورن حرم گولے بارود استعمال کئے گیے۔ یہ سب بے حرمتی انسانوں کے ہاتھوں ہوئی مگر خدا کی بے زبان مخلوق نے قانون کی سرحد کو کبھی پار نہیں کیا۔

ان ہی خوبیوں نے شہر ابراہیم کو ساری دنیا میں محترم بنا دیا۔ اور ہر جانب سے مشتاقان زیارت کا وہاں ہجوم ہونے لگا ــــــــ رنگ ونسل کی پابندی نہ ملک وقوم کی شرط، آنے والا آنکھوں میں عقیدت کا خمار لئے ہوئے آتا اور رحمت ونور کے ساگر میں غوطہ لگا کر لوٹ جاتا۔ حج کا موسم آتا تو مختلف قبائل سے جوق در جوق لوگ اکٹھا ہوتے اور کعبہ کے گرد پھیرے لگاتے۔ ہر زائر حرم نسبت براہیمی کی قدر کرتا اور حرم کے پاسبانوں کا عقیدت کیش نظر آتا۔ یہ تھی مکہ کی قدر ومنزلت اور یہ تھا باشندگانِ مکہ کا پاس ولحاظ۔

غلاف کعبہ کی تاریخ: خانہ کعبہ پر سب سے پہلے یمن کا بادشاہ اسعد تبع حمیری نے برد یمانی کا غلاف چڑھایا تھا۔ قصی بن کلاب کے زمانے سے تمام قبائل عرب پر غلاف کے اخراجات کے لیے باضابطہ محصول لگا دیا گیا تھا جس سے سال بہ سال غلاف تیار ہوتا تھا ــــــــ علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے جو تعمیر کی تھی اس کی بلندی زمین سے چھت تک ۹ رگز اور طول حجر اسود سے رکن شامی تک ۳۲ رگز اور عرض رکن شامی سے غربی تک ۲۲ رگز تھا۔ علامہ مذکور کی وضاحت کے مطابق سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خانہ کعبہ پر یمنی پردہ چڑھایا تھا۔ عہد نبوت کے بعد کی تفصیل سیرۃ النبی میں اس طرح درج ہے۔

''حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں قباطی کا پردہ
چڑھایا تھا جو مصر میں بنا جاتا ہے۔ ان کے بعد معمول ہو گیا

کہ ہر خلیفہ اپنے عہد خلافت میں پردہ چڑھاتا تھا۔ بنوامیہ
نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا۔ مامون الرشید ہر سال تین پردہ
چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ میں دیبائے احمر کا، رجب میں
قباطی کا، عید الفطر میں دیبائے سفید کا۔ مصر میں جب
سلطان صالح ابن سلطان قلاون بادشاہ ہوا تو مصر کے دو
گاؤں پردہ کے مصارف کے لیے وقف کر دئے۔ جب
ٹرکی خاندان قسطنطنیہ میں حکمراں ہوا تو سلطان سلیمان نے
چند گاؤں اور اضافہ کر دئے۔''

خانہ کعبہ پر غلاف ڈالنے کی تاریخ کی پوری تفصیل فتوح البلدان بلاذری تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان میں موجود ہے ـــــــ آج کچھ لوگوں کو بزرگوں کے مزارات پر چادر کے تصور سے شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔ پتہ نہیں کعبہ کی دیواروں پر غلاف ڈالنے سے متعلق وہ کیا حیلے تراشیں گے۔ بحر حال کعبہ کی عظمت مسلم ہے اور اس کی شان امتیاز برقرار رکھنے کے لیے ہی غلاف چڑھانے کا رواج ہوا جو اب تک اسی آن بان کے ساتھ قائم ہے اور انشاء اللہ قائم رہے گا۔

روشنی کم ہوتی گئی: چراغ کا تیل جوں جوں کم ہوتا ہے اس کی لو دھیمی ہوتی جاتی ہے۔ شمع ابراہیم کی شعاع بھی آہستہ آہستہ گھٹنے لگی۔ اور تاریکی کا سایہ دن بدن بڑھتا گیا ـــــــ عمرو بن لحی وہ شخص ہے جو جرہم کے بعد از خود کعبہ کا

متولی بن گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ عرب کا مشہور قبیلہ بنوخزاعہ اسی کی نسل سے ہے۔ اب تک مکہ بتوں کی الائش سے پاک تھا یہ پہلا شخص ہے جس نے بت پرستی کی راہ کھولی۔ ایک بار یہ شام گیا تو وہاں لوگوں کو بت پوجتے ہوئے دیکھا، پوچھا کہ یہ کیا کرتے ہو۔لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے حاجت روا ہیں۔ ان کے وسیلے سے قحط ٹلتا ہے۔ بلائیں دور ہوتی ہیں بگڑی سنور جاتی ہے۔

توحید کے سب سے بڑے مرکز کا متولی مگر یہ اس کی بد نصیبی تھی کہ اتنا صریح شرک اس کے دل میں راہ پا گیا۔ چنانچہ شام سے واپسی پر چند بت وہ اپنے ساتھ لے آیا۔ اور ستم یہ کیا کہ اپنے گھر میں نہ رکھ کر کعبہ شریف کے آس پاس نصب کر دیا کوئی اسے روکنے والا تو تھا نہیں چونکہ توحید پرستی برائے نام رہ گئی تھی پھر یہ کہ وہ خود کعبہ کے متولی کی حیثیت رکھتا تھا۔ حج کے موقع پر سارے قبائل عرب مکہ میں سمٹ آتے تھے اور کعبہ ان کی عقیدتوں کا مرکز تھا جب وہاں لوگوں نے بت پرستی دیکھی تو وہ لوگ بھی بتوں کے معتقد ہو گئے۔ اور کوئی نہ کوئی پتھر اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اسی طرح رفتہ رفتہ پورے جزیرۃ العرب میں بت پرستی کی لعنت عام ہو گئی۔ آگے چل کر حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام کی تصویریں بھی کعبہ کے اندر بنانے سے لوگ باز نہ رہ سکے۔ ظہور قدسی کے قبل کعبہ کے اندر تین سو ساٹھ بت جگہ پا چکے تھے۔ اور ان میں کا ہر بت کسی نہ کسی قبیلہ کی طرف منسوب تھا۔

لوگ جب آسمانی تعلیم بھول بیٹھے تو عیب و ہنر کی تمیز اٹھ گئی۔ خوبی و خامی کے درمیان کوئی خط فاصل نہیں رہا۔ پارسا عورتیں ہزل گو شعراء کے ستم کا نشانہ

بننے لگیں۔ رنگ ونسل کے جھگڑے زور پکڑتے جارہے تھے۔ گروہ بندی جنگل کی آگ کی طرح پھیل رہی تھی۔ قبیلوں کی جنگیں موت کا بھیانک سایہ بن کرلوگوں کے سروں پہ منڈلا رہی تھیں۔ عصمتوں کے رہزن قانون کی بندھنوں سے آزاد دندناتے پھر رہے تھے۔ امن وشانتی کی تلاش جوئے شیر لانے کے مترادف تھی۔ آہ یتیماں، فریاد بیوگاں اور گریہ مظلوم کے شعلے ہر انسانی آبادی سے اٹھ رہے تھے۔ محتاجوں، غریبوں اور غلاموں کے لیے کہیں کوئی پناہ گاہ نہ تھی۔ اور کوئی نہ تھا جو زمانے کی زمام ہاتھوں میں لے کر دنیا کو ان مصائب سے نجات دیتا۔

انسانیت سوزان معشرتی امراض کے علاج کے لیے نہ کوئی شفاخانہ تھا۔ نہ ان کی نبض پر ہاتھ رکھنے والا طبیب حاذق موجود تھا اور نہ کوئی خود کو مریض ہی تسلیم کرنے پر آمادہ تھا ـــــــــ آدمیت کے ان ٹوٹتے ہوئے کل پرزوں کو درست کرنے والا نہ کوئی کاریگر تھا، نہ ان کی اصلاح ومرمت کے لیے کہیں کوئی کارخانہ تھا اور نہ قومی مشنری کے ان بیکار محض آلات کو اپنے برباد ہوجانے کا کوئی احساس تھا۔ وہ تاریکی کو روشنی، سیاہی کو اجالا اور تیرگی کو تابندگی خیال کررہے تھے اور کوئی نہ تھا جو ان کے تصورات کے ناقص پیمانوں کو بدل دیتا۔

طبیعتیں جب بیمار ہوجاتی ہیں تو اچھے برے کی پہچان بھی رخصت ہوجاتی ہے۔ ذائقہ دار چیزیں آدمی کو بدمزہ معلوم ہونے لگتی ہیں۔ بخارزدہ شکر کو کڑوی بتاتا ہے حالانکہ قصور شکر کا نہیں اس کی بگڑی ہوئی طبیعت کا ہے۔ اسی طرح

مار گزیدہ بھی زہر سرایت کر جانے کے بعد سیاہ مرچ کی تلخی محسوس نہیں کر پاتا ہے چونکہ زہر اس کی حس پر غالب آچکا ہوتا ہے ـــــــــ عرب کے بدوؤں سے لیکر اشراف قریش تک سبھوں کا بس یہی حال تھا۔ انہیں اپنی بگڑی ہوئی طبیعتوں کا احساس نہ تھا۔ رگوں کے اندر خون کی جگہ ڈورنے والی شرارتوں کا علم نہ تھا، آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے دبیز پردے کا ادراک نہ تھا۔ وہ بدی کو نیکی، سرکشی کو اطاعت، ظلم کو عدل، ذلت کو عزت، ظلمت کو نور، کمینگی کو شرافت اور باطل کو حق گمان کر رہے تھے اور کوئی نہ تھا جو ان کے ان خیالی اصنام کو توڑ دیتا۔

وہی مکہ جو کبھی خدا پرستی کا مرکز تھا، باطل پرستوں کی اماجگاہ بن گیا، وہی کعبہ جہاں ہر وقت توحید کے نغمے گونجا کرتے تھے۔ وہاں اب پتھر کی بے جان مورتیاں پوجی جارہی تھیں ـــــــــ وہی قریش جو اقوام عالم کے مخدوم تھے، غیر فطری قبائح کے خوگر ہو چکے تھے اور پورا خطۂ عرب معصیت کے ارتکاب پر فخر کرنے لگا تھا۔ ایسے گھٹا ٹوپ، اندھیرے میں ورقہ بن نوفل، عبداللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو بن نفیل یہ چار ہی انسان ایسے تھے جو انسایت کے اصل روپ میں تھے اور باطل خداؤں سے بیزاری کا اعلان کرتے تھے ـــــــــ یہ چاروں کہا کرتے تھے کہ ہماری قوم دین براہیمی کی باغی ہو چکی ہے۔ یہ گناہ میں لذت، بے حیائی پر فخر اور ارتکاب معصیت میں لطف محسوس کرتی ہے۔ صرف یہی وہ چار تھے جن کی زندگی میں

دین ابراہیمی کا عکس نظر آتا تھا، چنانچہ زید بن عمرو کہا کرتے تھے اَعْبُدُ رَبَّ اِبْرَاهِيمَ میں تو ابراہیم ہی کے رب کا پرستار ہوں۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے بوڑھے سردار زید بن عمرو کو دیکھا ہے وہ کعبہ کی دیواروں سے لپٹ کر کہہ رہا تھا ——— اے قریش! اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں زید بن عمرو کی جان ہے۔ میرے سوا آج کوئی بھی دین ابراہیمی پر قائم نہیں رہا، خدایا! اگر میں جانتا کہ تجھے کون سے طریقے پسند ہیں تو میں ان ہی طریقوں سے تیری عبادت کرتا۔

ان چاروں کا زمانہ بعثت نبوی سے قریب تر تھا بلکہ بعض تو بعثت پاک تک زندہ بھی رہے لیکن زیارت رسول سے قبل وفات پائی۔ زید بن عمرو تو ایک عرصہ دراز تک تلاش حق میں مارے مارے پھرے اور جب دمشق کے ایک راہب نے مقام بلقاء کی ملاقات میں ان کو پیغمبر آخر الزماں کے ظہور کی اطلاع دی تو فرق شوق میں وہ مکہ کی جانب دوڑ پڑے مگر افسوس ان کی زندگی کے دن پورے ہو چکے تھے۔ راستہ ہی میں کسی نے انہیں قتل کر دیا۔

یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ دین ابراہیمی کا نقشہ ایسا مٹ چکا تھا کہ اس دین حنیف کے تصور کے ساتھ جینا بھی دشوار تھا۔ لذت نفس کی ایسی فراوانی تھی کہ پاکباز زندگی ایک خواب بن کر رہ گئی تھی۔ جور و جفا کا سیلاب اتنا سر اٹھا چکا تھا کہ اخروی تصور کا گرانبار پتھر بھی ظلم کا دھارا روکنے میں ناکام تھا۔ معاشرے کی پستی، سماج کی گراوٹ اور ماحول کی گندگی اس نقطۂ عروج پر تھی

جہاں انسان اور چوپائے میں ظاہری صورت کے سوا کوئی دوسرا فرق نہیں رہ جاتا ہے اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ شراب خوری، قمار بازی اور حرام کاری تک میں باپ، بیٹے کو ایک دوسرے سے کوئی حجاب نہ تھا ؎

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

دعائے ابراہیم: کعبہ معظّمہ کی تعمیر کی عظیم خدمت بجالانے کے بعد حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے نہایت الحاح کے ساتھ دعا فرمائی تھی کہ یارب! اپنے محبوب نبی آخر الزماں کو میری نسل میں ظاہر فرما۔ یہ دعا قبول ہوئی اور نسل اسمٰعیل میں حضور کے سوا کوئی نبی نہیں ہوا ـــــــــ تطہیر کعبہ کے سلسلے میں صدر الافاضل نے تفسیر نعیمی میں امام بغوی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں تمہیں اپنی ابتدائے حال کی خبر دوں؟ میں دعائے ابراہیم ہوں، بشارت عیسیٰ ہوں، اپنی والدہ کے خواب کی تعبیر ہوں جو انہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا تھا۔ صاحب تفسیر خازن کہتے ہیں کہ دعائے ابراہیم سے مراد یہ آیت کریمہ ہے۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ (سورہ بقرۃ) یعنی اے ہمارے رب! بھیج ہماری نسل میں ایک رسول انہیں میں سے جو ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں علم کتاب اور اسرار حکمت سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرمادے۔

دعائے خلیل کے ظہور کا اب وقت آچکا تھا۔ ایک دن نسیم سحر کے دوش پر صفا کی پہاڑی سے کوئی آواز دے رہا تھا۔ **اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ نَذِیْرُ الْعُرْیَانِ** لوگو! میں ننگے ڈرانے والے کے مانند ہوں جس کی پکار تمہیں کسی ناگہانی خطرے کا پتہ دیتی ہے ـــــــــ اس آواز کے ساتھ ہی مکہ کی آبادی سیل رواں کی طرح پہاڑی کی سمت چل پڑی اور دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑی کے دامن میں آدمیوں کا ایک جنگل نظر آنے لگا ـــــــــ پہاڑ کے گرد اکٹھا ہونے والوں کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ پہاڑ کی بلندی سے صدا دینے والا وہ مرد عقیل ہے جو زندگی کی چالیس منزلیں ہمارے بیچ طئے کر چکا ہے ـــــــــ یہ خدا کا وہ پاکباز بندہ تھا جو بدوں میں رہ کر نکوکار رہا تھا، جو جھوٹوں کے دوش بدوش جوان ہو کر صداقت شعار نظر آیا تھا، جو گناہوں کی آماجگاہ میں ہمیشہ پاکیزگی کا دامن تھامے دیکھا گیا تھا ـــــــــ آج ہدایت کا نور اس کے ماتھے پر چمک رہا تھا۔ آج اس کے بشرے سے صداقت کی شعاع پھوٹ رہی تھی اور آج اس کا سراپا روشنی کا مینار دکھائی دے رہا تھا۔

اعتماد کا ووٹ: کوئی بھی انسان جب کسی کی شخصیت کا وزن تسلیم کر لیتا ہے تب ہی اس کے ارشادات پر وہ کان دھرتا ہے، اس کی اداؤں کو وہ قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کے نقوش قدم پر چلنے کا وہ اپنے اندر جذبہ محسوس کرتا ہے۔ اسی لیے داعی برحق نے لوگوں سے پہلے اعتماد کا ووٹ حاصل کر لینا بہتر جانا چنانچہ آپ نے اعلان فرمایا ـــــــــ لوگو! میں ایسی جگہ کھڑا ہوں کہ میری نظر پہاڑ کا پشت بھی دیکھ

رہی ہے اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے سے دشمن کی ایک طاقتور فوج تم پر حملہ آور ہونا چاہتی ہے تو کیا تم میری باتوں کا یقین کرو گے؟

ہر طرف سے بس ایک ہی آواز آئی ـــــــ اے محمد! تمہاری چالیس سالہ زندگی کا ہر رخ ہمارے سامنے ہے۔ ہم نے دن کے اجالے میں تمہاری صداقت دیکھی ہے رات کے سناٹے میں تمہاری دیانت معلوم کی ہے۔ تم اپنوں کے ساتھ نہایت حلیم ـــــــ تم بیگانوں کے درمیان انتہائی نرم دل، تم مہمانوں کے لیے خدمت گذار، تم پڑوسیوں کے حق میں غم گسار۔ بخدا تمہاری زبان سے سچ کے سوا کبھی کسی کان نے نہیں سنا۔ تمہارے قدم کو معصیت کی دہلیز پر کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ تم جو بولو گے ہم سنیں گے تم جو کہو گے ہم مانیں گے تم جو بتاؤ گے ہم یقین کریں گے۔ ہم میں کا کوئی بھی تمہیں ہر گز جھٹلا نہیں سکتا۔

لاریب! بچپن کی شرارتیں جسے چھو نہ سکی ہوں، جوانی کی امنگیں جس کے قریب بھٹک نہ سکی ہوں۔ اور عالم کہولت کی خواہشات جسے آنکھیں نہ دکھا سکی ہوں۔ اس عبقری شخصیت کو روشنی کا مینار بن کر انفس و آفاق پر چھا جانے سے دنیا کی کون سی طاقت روک سکتی تھی ـــــــ اعتماد کا یہ ووٹ دینے والے کسی خوش فہمی کے اسیر نہ تھے۔ ان میں آپ کی اندرونِ خانہ اور بیرونی زندگی کے واقف کار بھی تھے۔ ان میں آپ کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے خبردار بھی تھے۔ ان میں ہمہ وقت پاس رہنے والے مزاج و طبیعت کے رازدار بھی تھے۔

ان میں دور دور سے آپ کی زندگی کے لیل ونہار پر کڑی نگاہ رکھنے والے عیار بھی تھے۔ پھر سب کے سب بنو ہاشم کے دوست ہی نہ تھے۔ دشمن اور بدخواہ بھی تھے مگر ایک بھی نہ تھا جو آپ کی ستھری زندگی میں کوئی داغ دکھا سکتا۔

عوامی نقطۂ نظر سے اعتماد کا ووٹ پہلے حاصل کر لینے میں ایک مصلحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب کوئی انسان کسی قسم کی خلش پیدا ہونے سے پہلے خوشدلی کے ساتھ کسی سے متعلق اپنے تاثرات کا اظہار مجمع عام میں کر چکتا ہے تو بعد کی کسی چپقلش کی بنیاد پر اس موقف سے ہٹ کر کوئی بات کہنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ کفار و مشرکین جو آپ پر اوصاف حمیدہ کے باعث جان چھڑکتے تھے۔ بعد اعلان نبوت جانی دشمن ہو گئے۔ اور آپ کے ایسے درپے آزار ہوئے کہ مظالم میں کوئی کسر باقی نہ رکھی۔ آج بھی ان کی ایذا رسانیوں کے تصور سے کلیجہ کانپ جاتا ہے۔ مگر بایں ہمہ زیر دامن کو وہ جو اقرار کر چکے تھے اس سے آخر دم تک انکار کی جرأت نہ کر سکے۔ انہوں نے آپ کو معاذ اللہ پاگل و مجنوں تو بتایا مگر جھوٹا نہیں کہا۔ جاہ و حشم کا طالب ضرور سمجھا مگر امانت و دیانت پر شبہ ظاہر نہیں کیا حسین دوشیزہ سے شادی کا الزام تو تراشا لیکن آپ کے پاکیزہ کردار کو کبھی کسی نے چیلنج نہیں کیا۔ یعنی دلوں کے ایوان پر اپنی عظمت کا جھنڈا لہرا دینے کے بعد ہی داعی الی اللہ نے آواز حق بلند کیا تھا۔ اور یہ عظمت کا نقش لوگوں کے قلوب پر اتنا گہرا تھا کہ زمانہ ہجرت تک ان کی امانتیں آپ کے سپرد تھیں جس کے لیے آپ کو اپنا امین حضرت علی مرتضیٰ کو بنانا پڑا۔ وَالْحَقُّ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ، اس کمال سے دنیا کو کیسا انکار ہو سکتا

ہے۔جس کے اقراری دشمن ہوں ؎

مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں

دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں

سطور بالا میں جو باتیں عرض کی گئیں یہ تو محض فطرت انسانی کی عکاسی ہے۔ورنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اعجاز کی تاریخ گواہ ہے کہ خطرناک دشمن پس پشت بھی کبھی آپ کی ذات والاصفات پر کوئی اتہام عائد نہ کرسکا۔ کون نہیں جانتا کہ دشمنی کی جولان گاہ میں ابوسفیان ہمیشہ سب سے آگے رہا اور ابوجہل کا بہترین جانشین ثابت ہوا۔تجارتی سفر کے دوران ایک بار وہ قیصر روم کے دربار میں طلب کیا گیا۔ہرقل بادشاہ روم نے اس سے آپ کے حسب و نسب اور ذاتی اوصاف و کمالات سے متعلق چند سوالات کیے۔ابوسفیان کب چاہتا تھا کہ بادشاہ محمد بن عبداللہ کا معتقد ہوجائے۔مگر نہ چاہتے ہوئے بھی وہ حق بیانی سے گریز نہ کرسکا۔آپ کے محاسن معلوم کرنے کے بعد قیصر روم نے ابو سفیان کے سامنے اقرار کیا کہ اگر یہ سچ کہتا ہے تو میرے قدموں کے نیچے کی زمین پر بھی محمد عربی کا قبضہ ہوجائے گا۔

یہ اعتراف حق ابوسفیان پر کس قدر گراں گذرا ہوگا محتاج بیان نہیں لیکن تاریخ کے صفحات آج بھی گواہ ہیں کہ انجام کار ایسا ہی ہوا۔کیونکہ کتب سماویہ کی روشنی میں بادشاہ یہ سمجھ چکا تھا کہ مذکورہ فضائل کا جامع پیغمبر آخرالزماں ہی ہو سکتا ہے۔اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے پیروں میں بیڑی نہیں ڈال سکتی بلکہ ہر طاقت اس کے سامنے مسخر ہوکر رہے گی اور اس کا دین مشرق و مغرب میں

پھیل جائے گا ـــــــ دین محمدی کی صداقت معلوم کر لینے کے بعد بادشاہ نے خود بھی چاہا کہ آپ کا پیرو ہو جائے۔ مگر برا ہوان متعصب پادریوں کا جو سرکش گدھوں کی طرح چلا چلا کر دربار سے بھاگنے لگے اور بادشاہ اپنے اقتدار کی کرسی کو خطرے میں دیکھ کر قبول اسلام سے باز رہا۔

پُرنور تقریر: ظلمت وضلالت کی مسموم فضا میں اللہ کا برگزیدہ رسول شمع ہدایت ہاتھوں میں لیے تنہا کھڑا تھا۔ نہ کوئی ساتھی نہ کوئی ہمنوا، کوئی حامی نہ کوئی پشت پناہ صرف نصرت غیبی کے سہارے نخوت میں ڈوبی ہوئی قوم کے دوبدو وہ لب کشا ہوا۔ اس وقت دلوں کو موہ لینے والی جو تقریر آپ نے فرمائی وہ حسن بیان اور ندرت کلام کا بے عیب نمونہ ہے جس میں پہلے منصبی ذمہ داری بیان کی ہے اس کے بعد خدا کی وحدانیت اور اپنے منصب نبوت کا اعلان فرمایا۔ پھر درس نبوت کے طور پر موت اور حیات بعد الممات کا فلسفہ عمدہ پیرائے میں بیان کر کے اعمال کی سزا و جزا کا تصور واضح فرمایا ہے ـــــــ جمہرۃ الخطب میں حضور کی پُر نور تقریر کے وجد آفریں الفاظ یہ ہیں۔ **اِنَّ الرَّا ئدَلاَ یکذِبُ اَھْلَہٗ وَ اللّٰہِ لَو کَذبْتُ النَّاسَ جَمیعاًمَّا کذبتکُمْ وَ لَو غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِیْعًا مَاغَرَرْتُکُمْ وَ اللہ الذی لا الہ الا ھُوَاِنی رسول اللہ الیکم خاصۃً والی الناس کافۃً واللہ لتموتُنَّ کماتنامون ولتبعثن کماتستیقظون ولتحاسبن بماتعملون ولتجزون باحسان احساناًو بالسوءِ سوءً اواِنما الجنۃُ ابداًاو النارُ ابداً**

قافلے کا دیدبان اپنے ساتھیوں کو کبھی غلط اطلاع نہیں دیا کرتا۔ خدا کی قسم اگر میں

اور سب لوگوں سے جھوٹ کہنے پر تیار بھی ہو جاتا تب بھی تم سے غلط بات ہر گز نہ کہتا۔ اگر بالفرض میں دوسرے تمام لوگوں کو ہلاکت سے دو چار کر دیتا تو بھی تم کو کبھی خطرہ میں مبتلا نہ کرتا۔ اس خدا کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ میں تمہاری طرف خصوصیت سے اور تمام انسانوں کی جانب جامع طور سے خدا کا مقرر کردہ رسول ہوں ــــــــــ بخدا تم کو لازماً مرنا ہے جیسے کہ تم سو جاتے ہو اور پھر تم کو جی اٹھنا ہے۔ جیسے کہ تم نیند سے بیدار ہوتے ہو۔ بالیقین تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور تمہیں بھلے، برے کا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ پھر تمہارے لیے یا تو ہمیشگی کی جنت ہو گی یا ہمیشہ کے لیے دوزخ۔ دلوں کو چھو لینے والی یہ تقریر سن کر کچھ لوگوں کے دل مضطرب ہو گئے اور کچھ لوگ ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل'' کے مدوجزر میں پھنس کر رہ گئے۔ البتہ رئیس الکفار ابولہب ابن عبدالمطلب بھڑک اٹھا اور اس نے نہایت حقارت آمیز لہجے میں کہا **تَبًّ لَکَ یَا مُحَمّدُ اَلِھٰذا جَمَعتنَا** اے محمد! بربادی ہو تیرے لیے کیا اتنی ہی سی بات کے لیے تو نے ہمیں جمع کیا تھا۔ اور یہ کہتے ہی پلٹ پڑا۔ تذبذب میں پڑے ہوئے لوگوں کی بھیڑ بھی اس کے پیچھے چل پڑی۔ **النَصیبُ مایُصیبُ** ''ہر شخص کی قسمت میں اسلام و ایمان کی دولت کہاں۔ ابولہب کو اس کی حرماں نصیبی ہدایت کی راہ سے واپس لے گئی۔ بعض لوگوں کے اسلام کیلئے حضور کچھ زیادہ ہی فکرمند ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے تسکین قلب کی خاطر فرمایا **اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ** اے رسول! یہ ضروری نہیں کہ آپ جسے محبوب رکھتے ہیں اسے اللہ اسلام

کی دولت سے سرفرازی فرمادے۔ آپ کا کام صرف تلقین ہے۔ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کی نعمت لازوال سے مالامال فرماتا ہے۔ یعنی تقدیر کی بگڑی تدبیر کے ہاتھوں نہیں سنواری جاسکتی ——— کتنا سچ کہا ہے کسی نباض فطرت شاعر نے ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو

سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

اب پہاڑی کا دامن آدمیوں سے خالی تھا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹکریوں میں بٹ کر آبادی کی طرف لوٹ چکے تھے۔ البتہ شہر میں جگہ جگہ بیٹھکیں جمی تھیں۔ اور آپ کی دل پذیر تقریر گفتگو کا موضوع بنی ہوئی تھی۔ لوگوں کے دماغ پر آپ کے تقدس کا خمار چھایا ہوا تھا۔ آپ کی زندگی کے پاکیزہ نقوش لوگوں کو اسلام کی روشنی دکھا رہے تھے۔ یکتا اور بے ہمتا پروردگار کا تصور ان کے دلوں میں ہیجان پیدا کر رہا تھا۔ زندگی کا بیشتر حصہ معصیت کی بھینٹ چڑھ جانے کی فکر انہیں تڑپا نے لگی تھی۔ گناہوں کے دستاویزی ثبوت کے ساتھ احکم الحاکمین کے حضور حاضر کیے جانے کا خطرہ انہیں بے چین کیے ڈال رہا تھا۔

ایک طرف دنیا کی دل فریب لذتیں، دوسری طرف اخروی آسائش کی امیدیں۔ ایک طرف وقتی منافعوں کے نوع بنوع جلوے، دوسری طرف باقی زندگی کی دائمی راحتیں۔ ایک طرف باپ دادا کی روش۔ دوسری طرف خدا ورسول کی کشش۔ بالآخر دنیا کی چاہت پر آخرت کا میلان غالب آیا ———

معتقدات کے پرانے پیمانے آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگے۔اور نئے دین کی شیرنی حلقوم سے اترنے لگی۔تاریکی کا سایہ بہ مرور چھٹنے لگا اور اسلام کا اجالا رفتہ رفتہ پھیلنے لگا۔ابھی زیادہ دن نہ گزرنے پائے تھے کہ ذہنوں کی کایا پلٹ گئی۔فکر ونظر کا زاویہ بدل گیا اور مزاج وطبیعت میں ایک انقلاب برپا ہو گیا ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی ایک لگن سب کے دل میں لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی

یہ انقلاب ہی تو تھا کہ عصمت دری کے اڈے ویران ہونے لگے۔لہو ولعب کا بازار سرد پڑنے لگا۔نغمہ وسرور کی محفلیں بے چراغ نظر آنے لگیں اور خود تراشیدہ بتوں کی مارکیٹ بند پڑی تھی ــــــــ خدائے واحد کی بندگی کا تصور جہاں سے مٹ چکا تھا اب وہیں پاک وبے عیب پروردگار کی بندگی کی جا رہی تھی۔اسلام کی تیز روشنی مکہ کی تاریک گلیوں کو روشن کر رہی تھی اور ہر صبح ایمان کا اجالا لوگوں کے دلوں کو چھو رہا تھا۔

قریش میں کھلبلی: یہ مقدس انقلاب جو آگے چل کر دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا انقلاب ثابت ہوا۔اس کی اثر انگیزیاں قریش کے لیے گراں خاطر ہوئیں اور وہ اسے روکنے کے لیے سینہ سپر ہو کر میدان عمل میں اتر آئے۔یہ ان کی بدنصیبی تھی کہ جو نسخہ ان کی مردہ رگوں کے لیے تریاق تھا اسے وہ مہلک جاں

تصور کر رہے تھے۔ معاملہ چونکہ اندرون خانہ کا تھا اس لیے ابتداء میں کٹ بحثی، بد خلقی اور فحش کلامی کی راہ اپنائی گئی اور بس۔ مگر اسلامی تحریک کے ممبروں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی نظر آئی تو قریش کی بے چینی بھی بڑھ گئی اور وہ تشدد پر اتر آئے۔ اب تحریک کے ممبروں کو برسرراہ گالیاں دی جاتیں۔ کمزوروں پر ستم ڈھائے جاتے۔ اسلام قبول کرنے والا اگر قریبی عزیز ہوتا تو اسے فاقہ کشی کی اذیت دی جاتی اور اسلام کا متوالا غلام ہوتا تو اس بیچارے کو شکنجے میں کس دیا جاتا مگر ان ساری کارروائیوں کے نتائج بھی بالکل بے سود ثابت ہوئے۔ پرانا ممبر تو تحریک کا ساتھ کیا چھوڑتا۔ نئے ممبروں کو بھی دائرہ اسلام میں آنے سے یہ سختیاں نہ روک سکیں ـــــــ مسلمانوں کی یہ ثابت قدمی قریش کی مزید پریشانی کا باعث بن گئی اور وہ اسلام کی بیخ کنی کے لیے نئے عزم وارادہ کے ساتھ آگے بڑھے۔ اب ان سے تعلقات بھی منقطع کر لیے گئے۔ اشیا خوردنی کی خرید و فروخت بھی بند کر دی گی اور آپسی میل جول پر بھی قفل لگا دیا گیا۔ اس بائیکاٹ کی زد میں مسلمانوں کے علاوہ بنو ہاشم کے وہ افراد بھی آ گئے جو بوجہ قرابت رسول اللہ کے حامی تھے۔ چنانچہ تین سال تک آپ مع جملہ وابستگان شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ اس دور کی زیادتیاں خدا کی پناہ، اس کے ذکر کیلئے تو پتھر کا دل چاہیے۔ مگر بایں ہمہ کسی کا ارادہ متزلزل نہ ہوا اور کسی ایک کی پالیسی میں کوئی فرق نہ آیا۔ تحریک کے علمبرداروں کا شوق وولولہ اپنی جگہ تھا۔

اسلام کی روز افزوں ترقی اور اس کے بڑھتے ہوئے اثرات کو روکنے میں

جارحیت کے ان اقدام نے بھی کامیابی کا سگنل نہیں دیا ــــــــــ یہ بھی فیضان الٰہی تھا کہ اسلام کی مقناطیسی کشش اور پیغمبر اسلام کی لازوال قابلیت کا مشرکین مکہ کو ابتداء میں اندازہ نہ ہوسکا ورنہ وہ مسلمانوں کا ٹھٹھا اڑانے اور آوازہ کسنے کی بجائے شروع ہی میں ان پر عرصہ حیات تنگ کردیتے۔اب پریشانی یہ تھی کہ اسلام تقریباً تمام قبیلوں میں پہونچ چکا تھا۔اور قریش کا تمام قبائل سے جنگ مول لینا ممکن نہ تھا۔

کسی بھی تحریک کی کامیابی کا جب پورا یقین ہوتا ہے تو رضا کاروں کے حوصلے بلند ہوتے ہیں اور مشکلات میں ان کے قدم نہیں پھسلتے پیغمبر اسلام کے عزائم کا تو کیا پوچھنا وہ تو تائید الٰہی کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔غلاموں کا استقلال بھی دنیا کی تاریخ میں بے مثال ہے۔انہیں بھی اسلام کے غلبے کا یقین مہ وخورشید کے وجود سے زیادہ تھا۔اسی لیے کفار ومشرکین کی ریشہ دوانیاں ان کے عزائم میں کوئی لوچ پیدا نہیں کرسکتی تھیں اگر کبھی کسی مظلوم کی زباں پر حرف شکایت آیا بھی تو رسول اللہ نے اسے وہیں دبا دیا۔

چنانچہ حضرت خباب بن الارث نے ایک بار ستمگروں کے ظلم سے تنگ آکر شکایت کی یارسول اللہ آپ ان ظالموں کے حق میں بددعا کیوں نہیں فرماتے ہیں ــــــــــ اس جملہ کے ساتھ ہی حضور کا چہرہ متغیر ہوگیا اور آپ نے فرمایا کہ تم سے قبل اللہ کے دین کی خاطر لوگ آرے سے چیر ڈالے گئے اور انہوں نے اُف تک نہ کیا۔اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اتنی دردناک اذیت

کے لیے آمادہ رہنا مومن کا شیوہ ہے۔ اس کے بعد یہ بشارت بھی دی کہ خدا اپنے دین کو غالب کر دیگا یہاں تک کہ شتر سوار صنعاء سے چل کر حضر موت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا بھی ڈر نہ ہوگا۔ علم غیب نبوی کو چیلنج کرنے والا کوئی مداڑی ہے جو یہ کہہ دے کہ سرکار کی یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف پوری نہیں ہوئی۔

جب تمام اسلام کش تحریکیں ناکام ہوگئیں اور کفار مکہ کو مخالفت کے ہر موڑ پر بری طرح زک اٹھانی پڑی تو انہوں نے فیصلہ کن قدم اٹھانے کا اب تہیا کر لیا ـــــــ دارلندوہ، یہ مشرکین مکہ کا مٹینگ ہال تھا یہاں عقد و نکاح کی رسم انجام پاتی۔ سفر تجارت کا اہتمام ہوتا، جنگی تیاریاں کی جاتیں اور مشکل مسائل کے حل کے لیے شوریٰ کی مجلسیں بلائی جاتی تھیں ـــــــ آسمانی دین کی ہلچل قریش کے دلوں میں ہیجان پیدا کر رہی تھی۔ اسلام کو پھلتا پھولتا دیکھنا اب انہیں ایک لمحہ بھی گوارہ نہ تھا۔ چنانچہ قریش کی طرف سے دارالندوہ میں ایک ہنگامی میٹنگ کے انعقاد کا اعلان کر دیا گیا۔

آج مٹینگ کا دن تھا۔ دارالندوہ کی جگہ وقت سے پہلے ہی تنگ ـــــ ہوگئی چونکہ سرداران قبائل، رؤسائے قوم اور عمائدین شہر کے علاوہ عوام بھی سیلاب بلا بن کر امنڈ پڑی تھی ـــــــ طبقات ابن سعد کی وضاحت کے مطابق ابو جہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوت، حارث بن قیس، ولید بن المغیر ہ، امیہ بن خلف، ابوقیس بن فاکہہ، عاص بن وائل نضر بن حارث، منبہ بن الحجاج، زبیر بن

ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن الاسد، عاص بن سعید، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص عدی بن حمراء ابن الاصدیٰ اور ہذلی صف بصف بیٹھے تھے اور آتشِ حسد کے شعلے ان کے نتھنوں سے اتنے اونچے اٹھ رہے تھے کہ بظاہر ان کی لپٹ سے آج بچ نکلنا بہت دشوار تھا۔ کرسی صدارت ولید بن المغیرہ کو پیش کی گئی جو حرب بن امیہ کے بعد قریش کا سالار اعظم تھا۔ مشہور دشمن رسول ابو جہل اسی کا بھتیجہ تھا۔

ابو جہل نے ــــــــ جس کے سینے میں اسلام دشمنی کا لاوا پک رہا تھا، چچا کی صدارت کے بعد مجلس کا آغاز کرتے ہوئے اپنی بکواس اس طرح شروع کی ــــــــ لات وعزیٰ کے پرستارو! ۲۰ / اپریل ۵۷۱ء دوشنبہ کے دن جب بھائی عبداللہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا تو ہم نے خوشی کے شادیانے بجائے کہ عبداللہ کی نشانی اب ہمارے درمیان ہوگی۔ عبدالمطلب نے جب اس کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا تو ہم سبھوں نے بڑھ کر انہیں ہدیۂ تبرک پیش کیا ــــــــ محمد جو ملیح صورت بھی ہے اور فصیح کلام بھی، اپنی پاکیزہ عادات واطوار کے باعث بہت کم دنوں میں قریش کی آنکھ کا تارا بن گیا۔ ہم بھی اس کے کردار کی بلندی کا وزن محسوس کئے بغیر نہ رہ سکے مگر اب جبکہ زمین کے ذرے سے لیکر آکاش کے تارے تک اس کی پاکبازی کا خطبہ پڑھنے لگے ہیں تو وہ اپنے آبائی دین سے پھر گیا ہے۔ اور ایک نئے دین کی طرف لوگوں کو بلاتا ہے۔

قریشی بھائیو! محمد کی پکار کو سمجھنے میں ہم سبھوں نے دھوکا کھایا ہے وہ

کوئی صدائے صحرا نہیں ہے۔اس کی آواز اب جنگل کی آگ کی طرح پھیلتی جا رہی ہے میرا وجدان کہتا ہے کہ بہت جلد سد سکندری بن کر اس کا راستہ نہ روکا گیا تو پھر تم اس کی زماں ساز طاقتوں کا دھارا کبھی نہ روک سکو گے اور ساری زندگی ہمیں اپنی ناکامی کا ماتم کرنا پڑے گا۔

ابوجہل کے ان زہر میں بجھے ہوئے جملوں نے قریشی جوانوں کو برانگیختہ کر دیا۔مگر ہاشمی خاندان کا معزز بوڑھا اور پیغمبر اسلام کا سگا چچا ابولہب مشیر خاص کی حیثیت سے آج مجلس میں موجود تھا۔لوگوں کی نگاہیں بار بار اسی کی جانب اٹھ رہی تھیں اور وہ بالکل خاموش کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا ــــــــ خامشی کا قفل ٹوٹا اور ابولہب اہل مجلس سے مخاطب ہو کر بولا، جانباز عربو! یہ صحیح ہے کہ معاملہ باہر کا نہیں میرے گھر کا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ محمد بنو ہاشم کی آنکھ کا تارا نہ ہوتا تو ہمیں اتنے سنگین مراحل سے گذرنا نہ پڑتا بلکہ اس کی مذہبی تحریک کب کی دم توڑ چکی ہوتی۔

میری باتوں سے تم کو کوئی دھوکا نہیں ہونا چاہیے، میں اپنے مذہب کی پامالی نہیں دیکھ سکتا میں اس کے تحفظ کے لیے زندگی کے ہر موڑ ہر محاذ پر تمہارا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔البتہ میں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ کسی بھی جارحانہ کارروائی سے پہلے محمد کے سامنے ایسی صورتیں پیش کی جائیں کہ وہ اس کے عوض نئے دین کے ترک پر خود ہی آمادہ ہو جائے۔اس طرح بہت بڑے نقصان سے تم بچ جاؤ گے کیونکہ ابوطالب جو خاندان کے محترم بزرگ ہیں، محمد ہی کی خاطر

زندہ ہیں۔ان کے ایک اشارے پر ہاشمی خاندان سر دھڑ کی بازی لگا دے گا۔ اس لیے کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے نتائج پر نظر رکھنا ضروری ہے۔

بنوامیہ کا سردار ابوسفیان اٹھ کھڑا ہوا۔اور بھر پور تائید کے انداز میں بولا، بوڑھے سردار نے سچ کہا۔محمد کی تحریک اسلامی کے پیچھے سر بسر للٰہیت کار فرما نہیں ہے تو میری نظر میں تین ایسی دل فریب تجویزیں ہیں۔جن کے ذریعہ بڑے سے بڑے عیار کا دل جیتا جا سکتا ہے۔اس طرح وقت کا اٹھتا ہوا فتنہ بڑی آسانی سے دب جائے گا اور امن وسلامتی کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔

پہلی تجویز: محمد نے پیغمبری کا گورکھ دھندا اس لیے پھیلایا ہے کہ ہم پر ان کو فرمارروائی حاصل ہو جائے تو ہمیں ان سے کوئی تعارض نہیں ہم اس نئے دین کے عوض ان کی قیادت تسلیم کر لیں گے۔مجھے امید ہے کہ دوسرے قبائل بھی اس باب میں ہم سے اتفاق کریں گے۔

دوسری تجویز محمد کی پیغمبری کا ڈھونگ اس لیے ہے کہ ان کی خستہ حالی دور ہو جائے اور وہ بھی دوسرے سرمایہ داروں کی طرح خوش وخرم زندگی بسر کرنے لگ جائیں تو ہمیں ان کی یہ آرزو پوری کرنے میں کوئی دریغ نہیں۔ہم اس نئے دین کے بدلے ان کے لیے اتنا سرمایہ فراہم کر دیں گے کہ جلد ہی ان کا شمار عرب کے بڑے مالداروں میں ہونے لگے گا۔

تیسری تجویز: محمد نے پیغمبری کا ڈرامہ اس لیے رچایا ہے کہ کسی معزز گھرانے میں انہیں شادی مطلوب ہے۔تو ہمیں کچھ عذر نہیں۔وہ نئے دین کی دعوت چھوڑ

دیں ہم ان کے لیے حسینانِ عرب ڈھونڈھ لائیں گےاور وہ اپنی پسند کے مالک ہوں گے۔اس سلسلے میں قبائل عرب کے مزاحمت کا ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

ایک سیاسی بازی گر کی طرف سے سامنے لائی جانے والی یہ حسین شرطیں واقعی کسی بھی مفاد پرست کا دل موہ لینے کے لیے بہت کافی تھیں۔مجلس میں بیٹھے ہوئے کئی سردار یکبارگی اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ابوسفیان کی رائے کو سراہتے ہوئے اس کی پُرزور حمایت کی۔ بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ انہوں نے کوئی بہت بڑا معرکہ اسی وقت سر کر لیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ رائے عامہ ہموار ہو جانے کے بعد ایک وفد عتبہ بن ربیعہ کی قیادت میں کاشانۂ ابوطالب کی طرف روانہ ہوا۔قریش نے اتنی اہم سفارت کی قیادت کسی معمولی شخص کو نہ دی تھی۔عتبہ ایک ماہر سیاست داں تھا۔مدبر اور تجربہ کار تھا۔صاحب زباں اور جہاندیدہ تھا۔لوگوں کو یقین تھا کہ آج ہمارا یہ وفد اپنی دل پذیر تجویزوں کی مدد سے محمد ہاشمی کے اقلیم دل پر فتح کا پرچم گاڑ کر ہی لوٹے گا۔مگر ان کا یہ خیال خواب ہی رہا تعبیر نہ بن سکا ؎

دہر میں کیا کیا ہوئے ہیں انقلابات عظیم

آسماں بدلا زمیں بدلی، نہ بدلی خوئے دوست

ابوطالب سے عتبہ کی گفتگو: اے ہاشمی سردار! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارا بھتیجہ محمد اپنے اجداد کے دین پر کبھی نہیں چلا۔اور اپنی عمر کی چالیسویں منزل میں قدم رکھتے ہی ایک نئے دین کا داعی بن گیا۔اور نہ صرف یہ

کہ اپنے نئے دین کی دعوت میں سرگرم عمل ہے بلکہ ہمارے معبودوں کی مذمت کرتا ہے۔ انہیں مجبور و معذور اور جہنم کا کندہ بتاتا ہے۔ ہم نے محمد کی زبان سے یہ دل خراش الفاظ سنے ہیں۔ اَنْتُمْ وَ مَا تَعبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَھَنَّمَ یعنی تم اور جن چیزوں کو تم پوجتے ہو سب دوزخ کے ایندھن ہیں۔

ہم نے ہمیشہ تمہاری شرافت کا لحاظ رکھا اور تمہاری وجہ کر محمد کے ساتھ درگذر سے کام لیا۔ مگر اب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہے۔ دفاع کی تما کوششیں رائیگاں اور اصلاح کی ہر تدبیر ناکام ہو چکی ہے۔

محمد کو ان کی نازیبا حرکتوں سے تم روک دو اور تمہارے بس کا روگ نہیں تو انہیں ہمارے حوالے کر دو، ہم انہیں کس طرح خاموش کر دیتے ہیں یہ تم دیکھ لینا ــــــــ اگر تم چاہتے ہو کہ محمد کے تعلق سے تم کو کوئی نقصان نہ پہونچے اور ہم تمہارا احترام برقرار رکھیں تو تم قریش کی تین تجویزوں میں کسی ایک ــــ پر محمد کو رضامند کر لو۔ اس سے تمہیں دو فائدے حاصل ہوں گے ایک یہ کہ تمہارے آباء کا دین محفوظ ہو جائے گا اور دوسرے تمہارے بھتیجہ کو پھر کوئی گزند نہ پہونچے گا۔ قریش نے ہمیں یہ اختیار دیکر بھیجا ہے کہ محمد نے نبوت کا دعویٰ اقتدار کے نشہ میں کیا ہے تو ہم اس نئے دین کے عوض اس کی بادشاہت تسلیم کرنے کو تیار ہیں۔ وہ اپنا تبلیغی مشن بند کر دیں ہم ان کی تاج پوشی کا اعلان کر دیں گے۔ اگر محمد نے دولت کی لالچ میں اسلامی تحریک چلائی ہے تو وہ اپنی سرگرمی بند کر دیں ہم ان کے لیے قبائل عرب سے امداد لیکر بہت جلد کثیر سرمایہ فراہم کر دیں گے

ــــــــــــ اور اگر محمد نے کسی حسینہ پر عاشق ہو کر اس کے حصول کے لیے ادعائے نبوت کی راہ تلاش کی ہے تو اپنی کوششوں سے باز آجائیں ہم ان کی چاہت کا احترام کرتے ہوئے کسی بھی طرح ان کا مدعا پورا کر کے رہیں گے۔

ابو طالب! ــــــــــــ خاموش اور بالکل خاموش کسی گہری فکر میں ڈوبے ہوئے تھے، وہ مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، لیکن بھتیجے کا اخلاص ان کی سچی لگن، ان کا بے پایاں دینی اضطراب اور ان کی للّٰہیت سے اچھی طرح واقف تھے اسلام کے دین برحق اور رسول اللہ کے نبی مرسل ہونے کا انہیں اعتراف تھا ــــــــــــ وہ جان رہے تھے کہ محمد کو نہ ان چیزوں کی ضرورت ہے اور نہ وہ قریش کی پیشکش کو خاطر میں لائے گا ـــ لیکن پھر بھی انہوں نے بھتیجے کو آواز دیکر قریب بلایا اور رُک رُک کر کانپتی ہوئی آواز میں صرف اس قدر فرمایا ــــــــــــ جان عم! دیکھو یہ قریش کیا دھمکی دیتے ہیں تمہارا چچا اب ضعیف و ناتواں ہو چکا ہے، بوڑھے چچا کی کبڑی پیٹھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ برداشت نہ کر سکے۔

ماں کی مامتا نہ باپ کا سایہ، دادا کی شفقت نہ نانا کا سہارا ـــ ایک غم خوار چچا کی آس تھی اور بس ــــــــــــ ایسا چچا جو بارعب بھی تھا اور باوقار بھی، ایسا چچا جو قبیلے میں محترم بھی تھا اور خاندان کی آبرو بھی ــــــــــــ روئے زمین پر اسی بوڑھے چچا کی تنہا ایک ذات تھی جو پیارے بھتیجے کے لیے دل کا دروازہ ہر دم کھلا رکھتا تھا۔ محبت کے شانے پر بیٹھاتا۔ شفقت کے دامن میں چھپاتا اور عقیدت

بھری پلکوں کی اوٹ میں جگہ دیتا تھا مگر آج نصرت کا یہ مستحکم حصار بھی ٹوٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

اللہ اللہ کتنا روح فرسا منظر، کتنی دل سوز گھڑی اور کیسی جگر خراش منزل آچکی تھی مگر اسلام کا داعی، امن کا پیغامبر اور انسانیت کا محسن اعظم ایسے نازک موڑ پر بھی ثابت قدم رہا اور استقلال کا دامن ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکا۔

رسول اللہ کی درد بھری تقریر: چچا جان! اگر آپ سے میری حفاظت ممکن نہیں تو آپ مجھے خدا کے حوالے کیجئے۔ یہ قریش سرمایۂ دنیا کی لالچ مجھے کیا دیتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے۔ اگر یہ میرے داہنے ہاتھ پر آفتاب اور بائیں ہاتھ پر ماہتاب لاکر رکھ دیں تو بھی آپ کا بھتیجہ اسلام کی خدمتوں سے باز نہ آئے گا۔ خدا کا منشا پورا کر کے رہوں گا یا اس راہ میں مری جان کام آجائے گی ــــــــ جب تک جسم میں جان باقی ہے محمد کی ساز ''نئے'' سے یہی آواز آئے گی ــــــــ اللہ ایک ہے وحدہٗ لاشریک ہے۔ اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں۔ وہی بندگی کے لائق ہے اور اسی کی عبادت نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ بت ہمارے ہاتھوں کی ساخت ہیں جو نفع اور ضرر پہونچانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ (حم سجدہ) اے محمد کہہ دو کہ تم لوگ اس خدا کا انکار کرتے ہو جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کا شریک قرار دیتے ہو وہی سارے جہاں کا پروردگار ہے۔

عتبہ ـــــــــ جوایک قہر آلود بیان دیکر جواب کا منتظر تھا اور جسے یقین تھا کہ قریش کی یہ دل فریب پیش کش ٹھکرائی نہیں جائے گی۔ تصویر حیرت بنا ہوا ہاشمی تاجور کی یہ پُرجلال تقریر سن رہا تھا ـــــــــ اس کا دل ڈوبتا جا رہا تھا اس کے جذبات سرد پڑتے جا رہے تھے اور اس کے دل کی دنیا لرز رہی تھی ـــــــــ عتبہ کو خود بھی اپنی پیش کش قبول کئے جانے کا پورا یقین تھا۔ لیکن عتبہ اب وہ عتبہ نہ تھا۔ اس کا ضمیر اس کی پیش کش پر اسے ملامت کر رہا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ میں نے وفد کی سربراہی کیوں قبول کی، کوئی حیلہ تلاش کر لیا ہوتا۔ کم از کم محمد کے دو بدو تلخ گفتگو کی نوبت تو نہ آتی۔ اگر وہ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو پھر میرا انجام کیا ہوگا۔

رسول اللہ نے اپنا خطبہ ختم کیا تو آپ کی پلکیں آنسوؤں سے بوجھل ہوگئیں ـــــــــ بوڑھا چچا جو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پیارے بھتیجے کی شعلہ بار تقریر سن رہا تھا۔ حلقۂ چشم میں تیرتے ہوئے آنسو دیکھ کر تڑپ گیا اور جذبات سے مغلوب ہو کر پکار اٹھا ـــــــــ جانِ عم! جب تک تیرے بوڑھے چچا کے کمزور دل میں حرکت، ضعیف پتلیوں میں روشنی اور سوکھی رگوں میں خون جاری ہے اس وقت تک اس کی تمام ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں۔ جاؤ اپنا کام کرو میرے جیتے جی تمہارا کوئی بھی بال بیکا نہ کر سکے گا۔

عتبہ ـــــــــ جواب تک کھڑا نتیجہ کا منتظر تھا۔ ابو طالب کی گفتگو سن کر بھاگ نکلنے میں اُسے عافیت نظر آئی اور وہ نظریں چُرا کر پلٹ پڑا ـــــــــ

مگراس کے قدم بوجھل ہو گئے اس لیے کہ اسے آنے والے خطرات کا احساس تھا تیز رو خیالات سے اس کا ذہنی بوجھ بڑھ رہا تھا اور جوں جوں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا اس کی منزل دور ہوتی جا رہی تھی ــــــــــ عتبہ ہانپتا کانپتا دار الندوہ پہونچا کچھ دیر بعد جب ذہنی تکان دور ہوئی اور بکھرے ہوئے حواس ٹھکانے آئے تو قوم سے مخاطب ہوا۔

قریش سے عتبہ کا خطاب: قریش بھائیو! میں خطیبوں، شاعروں اور جادوگروں کے ساتھ رہا ہوں۔ ان کی مجلسوں میں شریک ہوا ہوں اور ان کے مزاج وطبیعت کو سمجھنے کا مجھے موقع ملا ہے۔ لیکن بخدا محمد ان سبھوں سے الگ ہے نہ وہ خطیب محض ہے اور نہ شاعر و جادوگر ــــــــــ اس کے کلام میں بلا کی کشش ہے، اس کے بیان میں صداقت کی امنگ ہے، اسکی نگاہوں میں کامیابی کی جھلک ہے۔ اس کی پیشانی پر استقلال کی روشن لکیریں ہیں اور اس کی گفتگو سے عزم جوان کے موتی بکھرتے ہیں ــــــــــ وہ جو کلام پیش کرتا ہے وہ فصحائے عرب کے کلاموں سے عجیب تر ہے۔ اے قریش! اس کے خلاف تمہاری صف آرائی فضول ہے۔ اسے اپنے حال پر چھوڑ دو ــــــــــ اگر اس کی دعوت آسمانی اور اس کے ساتھ تائید غیبی ہے تو تم کیا اقوام عالم کی طاقتیں اس کو زیر نہ کر سکیں گی اور ایران و روم کی حکومتوں کا شیرازہ منتشر ہو جائیگا ــــــــــ اور اگر اسلامی تحریک کے پردے میں محمد کی کوئی ذاتی غرض چھپی ہے تو اس کی تحریک حباب بحر کی طرح اپنا وجود خود ہی کھودے گی۔ تقدس کا لبادہ ایک نہ ایک

دن اتر جائے گا۔اور ہماری کوششوں کے بغیر بھی دامن تزویر تار تار ہو کر رہے گا۔اس وقت ہم کوئی پریشانی مول لیے بغیر اپنی مراد کو پا چکے ہوں گے۔

خبردار! خاموش، معلوم ہوتا ہے کہ تجھ پر بھی محمد کا جادو چل گیا، غصہ سے پیچ وتاب کھا کر ابوجہل گرجا ـــــ لیکن عتبہ کے بیان سے ماحول پر جو گہرا سناٹا طاری ہوا تھا اسے کوئی دور نہ کر سکا ـــــ ابوجہل اور دوسرے سرداروں نے چاہا کہ بیک نشست آگے کی کارروائی مرتب کر لی جائے اور اگلے قدم اٹھائے جانے کا اسی وقت اعلان بھی کر دیا جائے مگر لوگوں پر کچھ ایسی سردمہری چھا چکی تھی کہ ان کا راستہ روکنا ممکن نہ رہا۔دو دو چار چار کر کے لوگ کھسکنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے قریش کی اسمبلی خالی ہو گئی۔

کروٹیں دنیا کی اس کا قصر ڈھا سکتی نہیں

آندھیاں اس کے چراغوں کو بجھا سکتی نہیں

کارخانہ قدرت کی کوئی شئے ہمیشہ باقی نہیں رہتی۔درخت زمین سے سر اٹھاتا ہے، برگ وبار کا جامہ پہنتا ہے اور پھر خشک لکڑیاں بن کر چولہے کی نذر ہو جاتا ہے۔دانہ اگتا ہے، شاخ وگل کا لبادہ اوڑھ کر خوشنما پودا بنتا ہے اور پھر خاک بوس ہو جاتا ہے۔کلیاں چٹک چٹک کر مسکراتی ہیں اور پھر گہری نیند سو جاتی ہیں۔ سپیدۂ سحر کو دیکھ کر پھول کھلتا ہے اور سرخی شفق کا سامنا ہوتے ہی مرجھا جاتا ہے۔پتیاں سبز جوڑے پہن کر اٹکھیلیاں کرتی ہیں مگر دامن پر زردی مائل ہوتے ہی گرنے لگتی ہیں ـــــ آندھیاں پیچ وتاب کھاتی ہوئی آتی ہیں اور

دوسرے ہی لمحہ گذر جاتی ہیں، بلبلے جوش لاتے ہیں لیکن سمندر کی لہریں ان کا مدفن بن جاتی ہیں۔ بکری کا بچہ پیٹ سے باہر آتا ہے اور ماں کا تھن تلاش کرتا ہے پھر اس سے بے نیاز ہو کر سبزہ زاروں میں قلانچیں مارتا پھرتا ہے اور آخر میں قصائی کے چھرے کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ مرغ کا بچہ انڈے سے باہر آتا ہے اور دانہ ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ بال و پر کے کرشمے دکھاتا ہے اور ایک دن دام صیاد کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے۔

کچھ یہی حال حضرت انسان کا بھی ہے۔ آغوش مادر میں جنم لیتا ہے۔ گہوارے میں جھولا جھولتا ہے سرحد شباب میں قدم رکھ کر شہرت و ناموری حاصل کرتا ہے اور پھر عہد پری سے ہمکنار ہو کر لڑکھڑاتے قدموں سے عالم برزخ کا سفر کرتا ہے۔ حضرت شادؔ عظیم آبادی کی زبان میں ؎

لائی حیات، آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی چلے

اسی نظام قدرت کے تحت حضرت ابوطالب کا بھی وقت موعود آپہونچا ـــــــ وہ ابوطالب، جس کے بوڑھے ہاتھوں کی گرفت سے قبائل عرب تھراتے تھے ـــــــ وہ ابوطالب جس کے مضبوط حصار کو مشرکین مکہ توڑنے سے عاجز تھے وہ ابوطالب، جو ضعف پیری میں اپنے بھتیجے کی خاطر ہر دکھ سہتا تھا ـــــــ وہ ابوطالب، جو مخالفتوں کے طوفان میں پیارے بھتیجے سے ہمیشہ لپٹا رہا تھا ـــــــ وہ ابوطالب جس کے رعب وجلال کے باعث قریش محمد ہاشمی کو آنکھ نہ دکھا سکتے تھے۔ ایسا غمگسار چچا آج شہر خموشاں کا

مسافر بن کر بھتیجے سے بہت دور ہو چکا تھا۔

شفیق و سرپرست چچا کا سایہ سر سے اٹھتے ہی دشمنوں کے حوصلے پھر سے جاگ اٹھے۔ شاتمانِ رسول کے دلوں میں نئے ولولوں نے جنم لیا اور اسلام کش تحریکیں از سر نو بیدار ہوئیں۔ رسول اللہ کو بے سہارا جاننے والوں نے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے منصوبے باندھے، اس لیے کہ انہیں دار عبدالمطلب سے لیکر شعب ابی طالب تک کی مضبوط حصار ٹوٹ جانے کا علم تو تھا مگر انہیں وَاللّٰہُ یَعۡصِمُکَ مِنَ النَّاسِ کی مستحکم حصار کی سلامتی کا علم نہ تھا۔ یہ حصار باقی تھی اور تکمیل دین تک یہ گارنٹی تھی کہ خداوندی حصار کو توڑ کر کوئی بھی انہیں آزار نہ پہونچا سکے گا۔ یعنی

"دشمن اگر قوی است، نگہباں قوی ترست"

دشمن یہ دیکھ چکے تھے کہ پشت نبوی پر عقبہ بن معیط سرکش نے اونٹ کی اوجھ ڈالی مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ چوراہے پر کھڑے ہو کر ابو جھل نابکار نے بھبتیاں کسیں مگر حاصل کچھ نہ ہوا۔ راستہ روک روک کر امیہ بن خلف نافرجام نے گالیاں تو دیں لیکن اسلامی مشن کا زور نہ ٹوٹا۔ جابرانہ سلوک بلال و عمار کی ایمانی توانائیوں کو نہ مٹا سکا۔ قدم قدم پر تشدد آمیز مخالفتوں کے باوجود اسلام وقت کی رفتار کے ساتھ برابر آگے ہی بڑھ رہا تھا اس لیے مشرکین مکہ کا جوش انتقام انہیں ایک ایسے بھیانک پلان کی طرف لیے جا رہا تھا جس کا ابتک انہوں نے کوئی تصور نہ کیا تھا۔ چنانچہ ایک آخری فیصلے کیلئے دار الندوہ میں دوبارہ میٹنگ

کے انعقاد کا باضابطہ اعلان کر دیا گیا ــــــــــ اس دفعہ میٹنگ کا خیر مقدم نرالی سج دھج سے ہوا، گلی کوچوں میں اسی کا شور بازاروں میں ہر طرف اسی کا چرچا اور ہر شخص کو وقت قریب آنے کا انتظار تھا۔

خطرناک سازش: آج مکہ کی تاریخ ایک نئی چال چلنے کو تھی۔ اس لیے شہر کا نقشہ بدلا بدلا سا تھا۔ لوگ سر شام ہی سے دار الندوہ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ یہ شاید رضا کار تھے جنہیں مجلس کا اہتمام کرنا تھا ــــــــــ ایک پہر رات گذر جانے کے بعد رؤسائے قریش، سرداران قبائل، عمائدین شہر اور سیاسی مندوبین سے قریش کا اسمبلی ہال بھر گیا۔

کچھ ہی دیر بعد ایک سفید ریش بوڑھا اندر داخل ہوا جو دیکھنے میں کسی جماعت کا امیر معلوم ہو رہا تھا۔ لوگوں نے اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا تو بالکل ایسا محسوس ہوا کہ پوری مجلس اسی کی منتظر تھی۔ کرسئ صدارت جو اب تک خالی تھی اسے پیش کی گئی اور اس کے بیٹھتے ہی جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔ ابو جہل جس کے زخم دل میں رسول دشمنی کا مادہ پک کر تیار تھا۔ اندر ہی اندر پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اشارہ پاتے ہی افتتاحی تقریر کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

ابو جہل کی بکواس: غیرت دار ماؤں کے بیٹو! محمد نے ہماری طاقتوں کا بٹوارہ کر دیا۔ ہمارے مذہبی کردار کا مذاق اڑایا۔ بیٹے کو باپ کا اور باپ کو بیٹے کا دشمن بنا دیا اب اس کی جانب سے ایک لمحہ کی بھی غفلت آبا و اجداد کے مذہب کو موت کی دعوت ہے ــــــــــ یاد رکھو! ہماری نرمیوں ہی نے ہمیں

یہاں تک پہونچایا ہے ابوطالب قریش کے بزرگ سہی۔ جب انہوں نے اپنے گمراہ بھتیجے کا آخری دم تک ساتھ نہیں چھوڑا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ہم ان کی رعایت کرتے۔ اگر تم نے اپنے ہی ہاتھوں معاہدے کا کاغذ چاک نہ کر دیا ہوتا تو محمد کی تحریک شعب ابی طالب میں کب کی دفن ہوگئی ہوتی۔

ابوسفیان کی گفتگو: آج قوم کے دانشوروں کو یہ فیصلہ کر کے یہاں سے اٹھنا ہے کہ محمد کی تحریک کا زور کس طرح توڑا جائے اور بڑھتی ہوئی بے دینی سے قوم کو کیونکر نجات دی جائے ——— محمد کو اسلام کی دعوت و تبلیغ کی کھلی آزادی ہے انہیں کہیں بھی آنے جانے پر کوئی روک نہیں۔ اسلام کے نشو و نما کی بنیادی وجہ یہی ہے۔ میرے خیال میں اسلامی تحریک کو دفن کرنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ محمد کو کسی ویرانے میں محصور کر دیا جائے۔

حضرت جی: (کرسئ صدارت سے اچھل کر) ابوسفیان! بوڑھاپے میں بچوں جیسی باتیں کر رہے ہو۔ کیا محمد کے ساتھ بنو ہاشم نہیں ہیں۔ اگر محمد کی حمایت میں پورا خاندان اٹھ کھڑا ہوا تو اپنا ہی جینا دشوار ہو جائے گا۔ تمہیں معلوم نہیں خون کا رشتہ ایسے موقعوں پر اپنا کرتب دکھایا کرتا ہے۔

امیہ بن خلف کا مشورہ: حضرت جی! آپ نے صحیح فرمایا، اس طرح کام بننا ممکن نہیں ہے، ہم محمد کو چند دنوں سے زائد نظر بند نہیں رکھ سکیں گے۔ میری ناقص رائے یہ ہے کہ محمد کو ہمیشہ کے لیے جلاوطن کر دیا جائے۔ اس طرح نہ وہ رہیں گے اور نہ ان کی تحریک، جو لوگ ان کے خیر خواہ ہو چکے ہیں وہ بھی اپنے

آبائی دین کی طرف پلٹ آنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

حضرت جی : (غضب ناک ہو کر) ہوشمند جوان ہو کر طفلانہ گفتگو کرتے ہوئے تمہیں غیرت نہیں آتی۔ جسے قریش جیسا جانباز قبیلہ دوسرے قبائل کی مدد سے بھی زیر نہ کر سکا اسے اور کون سی طاقت زیر کر دے گی۔ پھر وطن سے نکل جانے کے بعد تو انسان کے کردار کا تقدس زور پکڑ جاتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ حبشہ اور مدینہ میں محمد کے عقیدت کیش تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ آج محمد کو شہر بدر تو کیا جا سکتا ہے لیکن کل جب وہ برق و باد کی طرح پلٹیں گے تو کوئی بھی ان کے سامنے نہ ٹھہر سکے گا۔ یاد رکھو! سوراخ بند کرنا بہت آسان ہوتا ہے مگر پانی کا دہانہ کھل جانے پر سمندر کے تیز دھاروں کو روکنا بہت دشوار ہے۔

اگر بار خاطر نہ ہو تو میں بھی اپنی رائے پیش کر دوں۔ اچانک ایک آواز اسمبلی ہال میں گونجی ـــــــــ یہ عقبہ بن معیط کی گرجدار آواز تھی ـــــــــ کبھی اسی خبیث نے پشت نبوی پر اونٹ کی اوجھڑی ڈالی تھی۔

عقبہ بن معیط کی رائے : میرے ہم وطنو! مذہب کے لیے جان کی بازی کوئی بڑی قیمت نہیں رکھتی ہم میں کا کوئی جواں سال بہادر جانی قربانی کے لیے اٹھ کھڑا ہو تو محمد کا کام تمام ہو سکتا ہے۔ اگر وہ اس راہ میں مارا بھی گیا تو کوئی پرواہ نہیں، کتے کی زندگی سے شیر کی موت اچھی ہے ـــــــــ البتہ اس کے بچوں کی پرورش قوم کے ذمہ ہو گی۔

حضرت جی : (سبقت کر کے) جوشیلے فرزند! تمہاری رائے یقینا کارآمد

ہے۔اب تاخیر کی کیا ضرورت بس اٹھو اور تلوار لیکر مہم پر روانہ ہو جاؤ آج ہی سے میں تمہارے بچوں کی کفالت کا ذمہ دار ہوتا ہوں ــــــــــ عقبہ ــــــــــ جیسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا گیا ہو۔زبان سوکھ کر کانٹا، آنکھیں اس ناگہانی بلا سے بچنے کی طلب گار اور پاؤں جیسے بھاگنے کی راہ دیکھ رہا ہو۔لوگوں نے سمجھ لیا کہ جان سب کو عزیز ہے۔کہنا اور ہے کرنا اور ہے۔

راہ تو مجھکو بتادی آپ نے

اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے

عمرو بن ہشام کی تجویز: قریشی بھائیو! محمد کے قتل کا بیڑا اٹھانا آسان نہیں، ان کا قاتل بنو ہاشم کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت سے بچ کر زندہ نہیں نکل سکتا اور جان بوجھ کر موت کے منہ میں چلے جانا کوئی بھی پسند نہیں کرے گا۔اس لیے کسی پر تنہا یہ بوجھ لادنے کی کوشش فضول ہے ــــــــــ میری نظر میں محمد کے قتل کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ تمام قبائل عرب سے ایک ایک جوان ساتھ لیکر ان پر یکبار حملہ کیا جائے۔محمد سے ہماری متحدہ طاقت کا دفاع ممکن نہ ہوگا اور ان کا کام تمام ہو جائے گا۔اس اجتماعی حملہ سے دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ بنو ہاشم اتنے سارے قبائل سے قصاص نہ لے سکیں گے اور انہیں خون بہا لینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔خون بہا کی رقم کی ادائیگی سبھوں کو مل کر کرنی ہوگی۔لہذا اس سلسلے میں بھی کوئی پریشانی درپیش نہ آئے گی۔تحریک اسلامی کے روپ میں وقت کی کوکھ سے جو سب سے بڑے فتنے نے جنم لیا ہے

اس کا سدباب اسی طرح ممکن ہے کیونکہ محمد کے حلقہ بگوش ان کے بعد نئے دین کو زندہ نہ رکھ سکیں گے۔

حضرت جی: شاباش! تب ہی تو کہتا ہوں کہ فرعون کے بعد تم جیسا لائق فرزند پیدا ہی کہاں ہوا۔ کیا خوب تمہیں دور کی سوجھی۔ سانپ مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، اس سے بہتر کوئی دوسری رائے نہیں ہوسکتی۔ کسی بھی تاخیر کے بغیر اس پر عمل درآمد شروع ہونا چاہیے ـــــــــــ ہر اعتبار سے یہ رائے انسب ہے ہم لوگوں کو بھی اس رائے سے کلی اتفاق ہے، حضرت جی کی تائید میں بیک وقت کئی طرف سے آوازیں بلند ہوئیں۔ گویا رائے عامہ ہموار ہوگئی اور ابوجہل کی تجویز ایوان نے پُرجوش نعروں کی گونج میں پاس کردیا۔

حضرت جی کی آخری ہدایت: عزیٰ کے پرستارو! رات زیادہ گذر چکی اور مجھے بہت دور جانا بھی ہے۔ اس لیے کچھ کام کی باتیں ہونی چاہیں دیکھو، ابوبکر بن ابی قحافہ، عمر بن الخطاب اور حمزہ ابن عبدالمطلب وغیرہ شرفاء مکہ محمد کے نئے دین میں شامل ہوجانا ہمارے لیے بڑا گراں ثابت ہوا ہے۔ اگر تم لوگوں نے جلد اس تجویز پر عمل کی سبیل پیدا نہ کی تو ہم مزید پریشانی میں مبتلا ہوسکتے ہیں۔ معاہدہ شعب ابی طالب میں جس طرح ہمارے ہی کچھ لوگ ہماری راہ کے روڑہ بن گئے تھے۔ اس تجویز میں بھی ہمارے ہی کچھ ممبر آڑے آسکتے ہیں یہ بھی یاد رہے کہ عربوں کی نگاہیں روسائے مکہ پر مرکوز ہیں کہ دیکھیں وہ کون سا قدم اٹھاتے ہیں۔ اگر اسی طرح ہماری قوم کے دلاور ہم سے ٹوٹ ٹوٹ کر ہر روز

تحریک اسلامی کے ممبر بنتے رہے تو خطرہ اس بات کا ہے کہ ایک دن سارا عرب محمد کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائے گا۔ میری آخری دو باتیں خوب غور سے سنو اور یاد رکھو (۱) محاذ پر جانے والوں کا انتخاب ابوجہل کرے گا خبردار اس میں کوئی دخل اندازی نہ کرے گا اس سے جماعت انتشار کا شکار ہو سکتی ہے۔ اور بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

(۲) اسلام کے خلاف ہماری یہ کارروائی حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے ہرگز ہماری پلان کا انکشاف نہ ہونے پائے۔ سارا مرحلہ انتہائی رازداری سے طے کرنا ہے اگر اس بار تم چوک گئے تو زندگی پھر چین کی نیند نہ پاسکو گے۔

حارث: (متفکر ہو کر) حضرت جی! محمد بن عبداللہ کے خلاف ہم ایسی جگہ اسکیم بناتے ہیں جہاں جاسوس تو کیا پرندے پر بھی نہ مار سکیں مگر محمد پر اس کا انکشاف ہو کر رہتا ہے جیسے وہاں کے سنگریزے ان کی جاسوسی کے فرائض انجام دیتے ہوں اسلئے کیسے امید کی جائے کہ اس بار ہمارے قاتلانہ اقدام کی انہیں خبر نہ ہوگی۔ آپ ہی اگر اس کی کوئی سبیل پیدا کریں تو البتہ ممکن ہے۔

حضرت جی: (کسی قدر جھنجھلا کر) تم سچ کہتے ہو مگر محمد تمہارے جن معبودوں کو گالیاں دیتا ہے وہ اس بار تمہاری ضرور مدد کریں گے۔ مجھے اعتماد ہے کہ اب کی مرتبہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ہاں تمہیں اپنے فیصلے پر سختی سے قائم رہنا ہے ورنہ عمر بھی رونا پڑے گا۔

سارا کام کرنے کے بعد رات کی پُرہول خاموشی میں نجد کے پیر فرتوت نے اپنا راستہ لیا تو دار الندوہ خالی پڑا تھا۔ کیونکہ اس کے سبھی کارندے اس کے پیچھے پیچھے اپنے گھروں کو روانہ ہو چکے تھے۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی تحریک کے خلاف ہر جتن کیا جا چکا تھا۔ اور ہر محاذ پر مکمل ناکامی کا سامنا کرنے کے بعد آخر حیل السیف کے اصول پر بالکل آخری مرحلے پر قتل کی یہ سازش رچائی گئی تھی۔ اسلام مخالف مہم کا ایک سرگرم لیڈر نصر بن حارث بھی تھا۔ اس نے بالکل ڈرامائی انداز میں اسلامی تحریک کی ہوا اکھاڑنے کی کوشش کی تھی۔ اور چند روز اس کی واہ واہی بھی رہی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ قرآن حکیم میں قوم عاد وثمود کے قصے ذکر ہوئے ہیں۔ حضرت یوسف وسلیمان کی کہانیاں بیان ہوئی ہیں۔ عصائے موسیٰ اور بصیرت ابراہیم کی داستانیں سامنے لائی گئی ہیں اور ارشاد ہوا ہے لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ (سورہ یوسف) چنانچہ جب حارث کا بیٹا نصر فارس تجارتی ضرورت سے گیا تو وہاں سے شاہان عجم کی دلچسپ کہانیاں ڈھونڈ لایا۔ قرآنی لہجہ اور حسن ادا کے جواب کی غرض سے خوش الحان لونڈی بھی خرید لایا اور لوگوں میں اعلان کرتا پھرتا کہ محمد سے عاد وثمود کے پھیکے قصے سننے کے بجائے ادھر آؤ اور مجھ سے رستم واسفندیار کی چٹ پٹی کہانیاں سنو، یعنی مکہ شریف میں قرآن کے انقلابی ادب کے مقابلے پر اس نے عجم کے تفریحی ادب کا ایک مستحکم اڈہ قائم کیا اور ساتھ ہی ساتھ باندی کی

گلوکاری کے ذریعہ قرآن کی اثر انگیزی زائل کرنے کی تدبیر بھی کی۔ظاہر ہے کہ ایک انقلابی مہم، ایک حیات بخش تحریک، ایک جامع اصول زندگی اور ایک مکمل ضابطۂ حیات کے مقابلے پر ان تخریب وتفریح کے اڈوں کی حیثیت تار عنکبوت سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے۔ چندروز ہمہ ہمی رہی اور بس قریشی سفارت کی تفصیل آپ گذشتہ صفحات میں پڑھ چکے ہیں۔جس سفارت کا امیر عتبہ بن ربیعہ بنایا گیا تھا۔عتبہ قریش کا نہایت ہوشمند اور جہاندیدہ شخص تھا۔اس نے ابو طالب کے سامنے قریش کی شرطیں نہایت خوش اسلوبی سے رکھی تھیں۔مگر حضور کی دعوت سے حد درجہ متاثر ہوکر واپس ہوا تھا اور واپسی پر قریش کے سامنے بڑی خیر خواہانہ تقریر کی تھی مگر قریشی سرداروں نے اس کی تقریر کا اثر قبول کرنے کی بجائے نہایت بھونڈے انداز میں اس کا مذاق اڑایا تھا جس کے جواب میں اس نے کہا تھا کہ میری رائے تو بس یہی ہے اب جو تمہارا جی چاہے کرو۔

اس کے بعد قریش کی جانب سے جو مضحکہ خیز تدبیر ہوئی وہ سنئے _______

بعد مغرب حرم کعبہ کے باہر میدان میں شیبہ بن ربیعہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب عمرو بن ہشام، ولید بن مغیرہ، زمعہ بن اسود، عبداللہ بن ابی امیہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل وغیرہم جمع ہوئے اور قاصد بھیج کر حضور کو بلوایا۔جب آپ تشریف لائے تو آپ سے کہا گیا کہ عتبہ کی زبانی آپ کا جواب ہمیں پہونچا ہم سبھوں نے ایک ساتھ اسلام قبول کرلینے کا فیصلہ کرلیا ہے۔البتہ ہماری دو شرطیں آپ پہلے پوری کردیں۔

(۱) یہ کہ ہماری زمین نہایت تنگ ہے اور یہاں پانی کی بہت کمی ہے تم اپنے خدا سے کہہ کر پہاڑوں کو یہاں سے ہٹوا دو اور اس سے کہو کہ وہ شام وعراق کی طرح یہاں دریا جاری فرما دے۔ (۲) یہ کہ ہمارے اجداد میں قصی بن کلاب نہایت سخی، راست باز اور مرد بزرگ گذرا ہے۔ خدا سے کہو کہ اسے قبر سے اٹھا کر ہمارے سامنے کرے تا کہ وہ تمہارے نبی ہونے کی ہمارے سامنے شہادت دے۔ اس کے بعد ہم تمہاری دعوت بلا چوں چرا قبول کرلیں گے۔

قبول اسلام کی یہ کوئی شرط نہ تھی۔ ہٹ دھرمی اور تمسخر (ٹھٹھا) کی بدترین مثال تھی۔ لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصراً جواب دیا مَا بُعِثْتُ لِهٰذَا میں ان کاموں کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں اور جب یہ کہہ کر آپ واپس ہوئے تو آپ کی دعوت کو بے اثر بنانے کے لیے آپ کا پھوپھی زاد بھائی عبداللہ بن ابی امیہ آپ کے پیچھے ہولیا اور پکار پکار کر راستہ میں کہتا جاتا تھا کہ اے محمد! تمہاری قوم نے تمہاری سامنے کچھ معمولی شرطیں رکھیں مگر تم نے ایک بھی پوری نہ کی۔ اب تو خدا کی قسم تمہیں سیڑھیوں کے ذریعہ آسمان پر چڑھتا ہوا بھی دیکھوں گا تو تمہارا دین قبول نہ کروں گا۔ حضور نے اس کی بکواس کا کوئی جواب نہ دیا۔

خدا کا آپ پر یہ لطف عمیم تھا کہ تحریک اسلامی کا مقناطیسی اثر اور دعوت محمدی کا تریاقی کرشمہ کو زائل کرنے کے لیے قریش استہزا کا جو بھی راستہ نکالتے وہ خود دان کے لیے مہلک ثابت ہوتا۔ یعنی اس کا ایسا الٹا اثر ظاہر ہوتا کہ وہ دل ہی دل میں پیچ و

تاب کھاتے اور اپنے کرتب پر ماتم کناں نظر آتے۔ تاریخ کے دریچے سے لی جانے والی اس کی ایک دلچسپ مثال ذیل کی سطروں میں ہدیہ ناظرین کی جا رہی ہے۔ ویسے تاریخ کے آئینے میں تقریباً ہر پروپگنڈہ کا نتیجہ برعکس نظر آتا ہے۔

اراشی نامی ایک نووارد شخص مکہ میں داخل ہوا۔ وہ اپنے ساتھ کچھ اونٹ لایا تھا جس کا ابو جہل نے سودا کر لیا۔ مگر قیمت کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ وہ شخص کئی روز تک گلی گلی پریشان پھرتا رہا مگر کوئی بھی اس کی فریادرسی کو نہ آیا۔ تیسرے دن ایک جگہ سرداران قریش کی مجلس جمی ہوئی تھی۔ نووارد شخص وہاں پہونچا اور لوگوں سے بیچارگی کے عالم میں فریاد کیا کہ میں ایک غریب الوطن مسافر ہوں آپ لوگ ابو جہل سے میری رقم دلوا دیجئے مگر کون تھا جو اس مسافر کی فریاد کو پہونچتا اور ابو جہل سے جا کر اس کے قرض کے لیے تقاضا کرتا۔

اس وقت کچھ لوگوں کو شرارت سوجھی اور انہوں نے ٹھٹھا کے طور پر کہا کہ وہ ابو جہل کا بھتیجہ ہے تمہاری رقم ابو جہل سے وہ ضرور دلوا دے گا۔ اسے بدترین قسم کا استہزاء کہا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ابو جہل کی دشمنی سب کو معلوم تھی۔ وہ جانتے تھے کہ محمد ابو جہل کے پاس نہیں جا سکتے۔ بعد میں یہ ڈھنڈورا پیٹنے کو ہوگا کہ یہ ہیں غریبوں کا حق مارنے سے لوگوں کو منع کرنے والے جو ابو جہل سے ایک غریب الوطن کے حق کے لیے کچھ کہہ بھی نہ سکے۔ اور اگر محمد ابو جہل کے پاس چلے گئے تو وہ ان کی خوب خوب خبر لے گا ــــــــــــ

وہ نووارد بیچارہ کیا جانتا تھا، سیدھے آپ کے پاس پہونچا سارا ماجرہ سنایا اور مدد

کی درخواست کی ــــــــ آپ فوراً اٹھے اور کہا کہ میرے ساتھ آؤ، وہ شخص پیچھے ہولیا۔ یہ دیکھ کر قریش کو حیرت ہوئی اور وہ بھی تماشا دیکھنے کی غرض سے ساتھ ہو گئے۔ آپ نے ابو جہل کے دروازے پر آ کر دستک دی۔ اس نے اندر ہی سے پوچھا کون ہے۔ آپ نے فرمایا میں محمد ہوں۔ وہ باہر آیا۔ آپ نے اس سے تنبیہ کے لہجے میں کہا۔ یہ شخص تمہارے شہر میں مہمان ہے۔ تم نے اس سے سودا کیا اور اس کی رقم روک رکھا ہے۔ یہ رویہ اشراف قریش کے طریقہ کے خلاف ہے تم اس شخص کی رقم فوراً ادا کرو ابو جہل پر جلال نبوت کا ایسا رعب طاری ہوا کہ چپ چاپ اندر گیا اور رقم لا کر بے چوں و چرا اراشی کے حوالہ کر دیا۔ اراشی دل و جان سے آپ کا ارادتمند ہو گیا اور تماشا دیکھنے کی غرض سے پیچھے لگ جانے والے قریشی جوان ششدر رہ گئے ــــــــ بعد میں لوگوں نے ابوجہل سے سبب پوچھا تو اس نے اقرار کیا کہ محمد کی بلند کرداری نے میری زبان و دل پر پہرا بیٹھا دیا تھا ؎

مٹ جائے یہ خودی تو وہ جلوہ کہاں نہیں
دردا میں آپ اپنی نظر کا حجاب ہوں

کاشانۂ نبوت کا گھراؤ: بیہودہ گوئی، ہرزہ سرائی، ایذا رسانی، چاہ کنی، نظر بندی، قطع رحمی، سودا بازی، جب یہ سب کے سب حربے ناکام ہو گئے اور اسلامی تحریک کا زور کسی طرح نہ ٹوٹ سکا تو قریش نے تنگ آ کر سیاسی مدبروں کی وہ خفیہ میٹنگ طلب کی تھی جس کی صدارت کے فرائض نجد والے

حضرت جی نے انجام دئے تھے اور جس میں قتل نبی کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ آج اسی فیصلہ کو عملی جامہ پہنانے کا خوفناک دن تھا قتل کی مہم سر کرنے کے لیے منتخب سواروں کو ابو جہل کی نوٹس مل چکی تھی۔

رات کی بھیانک تاریکی میں کاشانہ نبوت کی طرف کچھ لوگوں کے قدم سائے کی طرح بڑھ رہے تھے، ایک پہر رات گذر چکی تھی ماحول پر گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ خلق خدا نیند کے گہوارے میں جھول رہی تھی۔ پرندوں نے بھی اپنے آشیانوں میں پناہ لے رکھا تھا۔ چوپائے اپنی اپنی مکین گاہوں میں چھپے صبح ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔ صرف درندے خونخواری کے جذبے کے تحت دروں سے باہر آ گئے تھے یا پھر ایک مقدس خون کے چند پیاسے خون آشام تلوریں لیے دندناتے پھر رہے تھے۔

سنتے ہیں کہ قتل کا اقدام بڑا ہی سنگین ہوتا ہے جرم سے پہلے ہی کلیجہ کانپنے اور دم پھولنے لگتا ہے۔ قدم بوجھل اور اعضا ڈھیلے پڑھ جاتے ہیں اور کبھی تو حواس بھی اس لائق نہیں رہتے کہ قاتل کو بچ نکلنے کی راہ بتا سکیں مگر قتل و غارت گری جس قوم کی فطرت بن چکی ہو۔ دن دھاڑے کسی بے گناہ کا خون جہاں مذاق بن چکا ہو، انسانیت سوز مظالم کی پر درد کہانی جس جگہ فخریہ بیان کی جاتی ہو ان ظالموں کے لیے ایک فرزند بے پدر کا خون کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں انجان دہشت سے سبھوں کے دل آج دہل رہے تھے میدان کارزار کے پُرانے کھلاڑیوں کی گرفت آج ڈھیلی پڑ گئی تھی اور وہ اپنی لاشعوری

کمزوریوں پر خود حیراں ہو رہے تھے۔

شاید انہیں معلوم نہ تھا کہ آج اس پاک نفس کے انسان کے خون سے دامن گیتی کو داغ دار کرنے کا نفرت آگیں منصوبہ تھا جو دنیا کے لیے امن وشانتی کا پیغام لیکر آیا تھا۔ زمانے میں عدل ومساوات کی خوشبو پھیلانے آیا تھا۔ خود پرستی اور خدا پرستی کی سرحدیں بانٹنے کو ظاہر ہوا تھا۔ اسی کی خاطر زمینی فرش لگایا گیا ہے اسی کے لیے فلکی شامیانہ نصب کیا گیا ہے۔ چاند اور سورج کے ہنڈے اسی کیلئے ہیں ستاروں کی قندیلیں اسی کی چاہ میں آویزاں کی گئی ہیں۔ گل و بلبل کی رنگینیاں اسی کے رخ پر نور کی زمزمہ خوانی کرتی ہیں اور وہی باعث تخلیق کائنات ہے۔ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کی زبان میں ؎

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

جان ہیں وہ جہان کی جو جان ہے تو جہان ہے

باہر کاشانے کا محاصرہ سخت تھا۔ پارٹی لیڈر اپنے سپاہیوں کی کڑی نگرانی کر رہا تھا اور اندر تسلیم ورضا کا پیکر، سرمگیں آنکھوں والا، عنابی رخسار والا، دعائے ابراہیم، نوید مسیحا، آمنہ کا در یتیم رات کی خاموش فضا میں اپنے مالک بے نیاز سے لو لگائے مصلیٰ پر بیٹھا تھا اور دور دور تک بے فکری کی چھاؤں پھیلی ہوئی تھی حالانکہ اسے پل پل کی سب خبر تھی۔ قسم پروردگار کی اگر وہ اُف کر دیتا تو زمین اپنا دہانہ کھول کر دہشت گردوں کو نگل جاتی۔ آس بھری نظر اوپر اٹھا دیتا تو آسمان ان پُراسرار فوجیوں پر انگارے برسا دیتا۔ مگر انہیں تو نہ کچھ کہنا تھا اور

نہ کسی سے کچھ سنتا تھا، البتہ عطر بیز پیشانی پر بے نیازی کا نور چمک رہا تھا اور تقدیر ساز نگاہوں کا قرار کہہ رہا تھا ؎

"دشمن اگر قوی است، نگہباں قوی تر است"

رات کافی بھیگ چکی تھی۔ گہری خاموشی کے سبب سانسوں کے چلنے کی آوازیں صاف سنی جا رہی تھیں۔ ریت کا مخملی فرش پہرہ داروں کی آنکھوں میں نیند کا خمار پیدا کر رہا تھا اور ان کی پلکیں جھکی جا رہی تھیں۔ البتہ ادھیڑ عمر کا ایک ہیبت ناک شخص جس کی آنکھوں میں دور دور تک نیند کا کوئی اثر نہ تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد چکر لگا کر تمام سپاہیوں کو چوکنا کر دیتا۔ شاید یہی تھا اپنے زمانے کا فرعون ثانی جس کی رسول دشمنی ضرب المثل بن چکی تھی۔

دوسری طرف ـــــــ امت کا نجات دہندہ نسل انسانی کیلئے حیات سرمدی اور سعادت ابدی کے کیمیائی نسخے تیار کرنے میں ہمہ تن مصروف تھا۔ اس کے دل و نگاہ کی روشنی کہہ رہی تھی ؎

چاک تقدیر کا ممکن نہیں کرنا رفو
سوزن تدبیر ساری عمر گو سیتی رہے

لات و عزیٰ کے پرستارو! اب خدا پرستی کی صبح طلوع ہو چکی ہے۔ معبودان باطل پوجے نہ جائیں گے۔ اسلام کا آفتاب اتنا اونچا اٹھے گا کہ اب دوسرے ادیان کا چراغ دکھائی نہ پڑھے گا۔ میری ہلاکت کا یہ سارا سامان یونہی دھرا رہ جائے گا اور تم تقدیر کے پھٹے کو ہاتھوں میں لیے ساری عمر روتے رہو گے۔

نبی اور رسول ـــــــ خدا کا خلیفہ، نائب اور نمائندہ ہوتا ہے۔ خدائی قانون کا نفاذ اس کا ذمہ ہوتا ہے۔ حدود اللہ کی حفاظت اس کے سپرد کر دی جاتی ہے۔ بندوں کو خدا کے پیغام سے آشنا کرنا اور انہیں عمل کے سانچے میں اتارنا اس کا منصبی فرض قرار پاتا ہے۔

انعام خداوندی ـــــــ اطلاع علی الغیب کے ذریعہ دشمن کی ہر سازش سے نبی کو باخبر کر دینا۔ خطروں میں گھر جانے کے بعد۔ غیبی نصرت بھیج کر اس کی حفاظت فرمانا۔ باطل قوتوں کی محاذ آرائی کے وقت معجزات اور غیبی تائید کے ذریعہ ہر باطل قوت پر نبی کو فتح اور غلبہ عطا فرمانا خدا نے خود اپنا ذمہ قبول فرمالیا ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت دشمنوں کے شدید محاصرے میں تھے۔ باری تعالیٰ کا حکم تاکیدی آیا۔ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ، اے رسول! جو پیغام بھی تم پر اترا ہے خطروں سے بے نیاز ہو کر اسے امت تک پہونچا دو۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔ دشمن کی سازشوں کو ناکارہ بنا کر تم کو ان کے ہر آزار سے بچالینا میرا ذمہ ہے۔ راہ ہدایت سے بھٹکے ہوئے ان قریشی جوانوں کو کیا معلوم تھا کہ ہماری سازشی چالوں سے صاف بچ نکلنے کی خدائے قدیر نے اپنے پیارے نبی کو کون سی تدبیر بتا دی ہے۔

ہمیشہ کی طرح آج بھی حضور دشمنوں کی نقل وحرکت سے غافل نہ تھے۔ اور نہ ان کی ناکہ بندیوں کا آپ کو کوئی احساس تھا۔ ہاں حکم الٰہی کے تحت آپ نے

ہجرت کا منصوبہ بنالیا تھا۔حضرت صدیق اکبر کو اطلاع کر دی گئی تھی کہ آج ہی رات کے دھندلکے میں شہر مکہ سے ہم لوگوں کا نکل جانا ضروری ہے۔ چنانچہ وہ سفری انتظامات مکمل کر کے ہمہ تن آپ کے منتظر تھے۔اور حضرت علی مرتضیٰ بھی سر شام ہی سے کاشانہ نبوت پر حاضر تھے۔

حضور اب قریش کی نگاہ میں محبوب نہ تھے۔جوان، بچے اور بوڑھے سبھی آپ سے کشیدہ تھے۔اور آپ مرد وزن ہر ایک سے دکھی دل تھے۔علاوہ ازیں کب اور کس وقت آپ کو کون سا خطرہ درپیش ہو کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا مگر بایں ہمہ اہل مکہ کو آپ کی امانت و دیانت پر اس درجہ اعتماد و یقین تھا کہ اب تک ان کی امانتیں آپ کے پاس محفوظ تھیں اور خود آپ کی شان یہ تھی کہ ان کی چیرہ دستیوں سے تنگ آ کر اپنے محبوب وطن کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ رہے تھے مگر ان کی امانتوں کی فکر دامن گیر تھی ــــــ اللہ اللہ! ہے کوئی جو ایسی صاف، ستھری اور بے داغ زندگی کی کوئی مثال دنیا کے دوسرے مکتب فکر سے ڈھونڈ لائے۔کردار کی یہی وہ بلندی اور اعمال کی یہی وہ پاکیزگی تھی جس نے دنیا کو آپ کے گرد سمٹ آنے پر مجبور کر دیا۔

اے علی! ہجرت کے لیے مجھے خدا کی اجازت کا انتظار تھا۔میرے رب کی طرف سے مکہ چھوڑ دینے کا مجھے حکم مل گیا ہے۔اب میں بلا تاخیر ابوبکر کی معیت میں مدینہ کی جانب کوچ کر رہا ہوں وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے ــــــ میرے پاس قریش کی کچھ امانتیں ہیں وہ میں تمہاری تحویل میں دے رہا ہوں۔

انہیں تم کل صبح لوگوں کو پہونچا دینا اور جلد ہی دوسرے کاموں سے فرصت پا کر مدینہ کی راہ لینا میں قبا پہونچ کر تمہارا انتظار کروں گا ـــــــــــ حضور نے حضرت علی کو اپنا امین بنا کر ہدایت فرمائی۔

محاصرہ نہایت سخت تھا۔ خاص کر سپاہیوں کو کمانڈ کرنے والا بہت چوکس تھا۔ بظاہر چھپ چھپا کر نکل جانے کی کوئی صورت نہ تھی۔ مگر اسلام کے غلبے تک دشمن کی یلغار سے اپنے طیب و طاہر رسول کو محفوظ رکھنا خدا کا وعدہ تھا۔ آپ سورہ یسین کی ابتدائی آیات پڑھتے ہوئے کاشانہ نبوت سے ایک پیکر نور کی طرح ظاہر ہوئے اور پہرے داروں کی طرف مٹھی میں بھری ہوئی خاک پھینک دی۔ وہ مشت غبار آنسو گیس بن گیا۔ دشمنوں کی آنکھوں میں ایسی سوزش پیدا ہوئی کہ ہر شخص ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اپنی حرماں نصیبی پر آنسو بہانے لگا اور سرکار ان کے درمیان سے برق و باد کی طرح گذر گئے۔

صدیق اکبر کی دہلیز پر ہلکی دستک ہوئی۔ دروازہ کھلا، اپنے محبوب کو جلوہ گر دیکھ کر حضرت صدیق اکبر فرط مسرت سے قدم بوس ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! بہت دیر سے دروازے پر کھڑا حضور کی راہ دیکھ رہا ہوں۔ اب رات آخر ہونے کو ہے۔ پو پھٹتے ہی دشمن کی دوڑ دھوپ شروع ہو جائے گی۔ چلو نکل چلیں، وقت کو بھی کسی محفوظ مقام تک ہمارے پہونچ جانے کا انتظار ہے۔ رسول اللہ نے سرگوشی کے انداز میں فرمایا۔

اسماء! یاد رکھو تا وقتیکہ مشرکین کا جذبہ تعاقب سرد نہ پڑ جائے اور ان کی خبر

رساں ایجنسیاں سپر نہ ڈالیں ہم لوگ اپنا سفر ملتوی رکھیں گے۔ تم ہماری خبر گیری سے خبر دار غافل نہ ہونا۔ میرے بوڑھے باپ کا بھی خیال رکھنا انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ______ صدیق اکبر نے سعادتمند بیٹی کو ہدایت فرمائی۔

بابا جان! آپ کچھ فکر نہ کریں، خدا نے توفیق دی تو میں خدمت گذاری کا ایسا حق ادا کروں گی کہ اسلامی تاریخ اسے ہمیشہ یاد رکھے گی ______ حوصلہ مند بیٹی نے پورے اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

بھیانک تاریکی، روح فرسا سناٹا اور رات کا پچھلا پہر ______ ہوا کے جھونکوں کی سرسراہٹ رہ رہ کر کان کے پردوں سے ٹکرا رہی تھی اور ساری خلقت نیند کے گہوارے میں جھول رہی تھی۔ صرف دو پاک روحیں مکہ کی سنسان گلیوں سے دامن کشاں کشاں گذر رہی تھیں۔

اللہ اللہ! کتنا دل خراش منظر تھا روز اوّل جس شہر کی بنیاد خدا پرستی کے لیے ڈالی گئی تھی۔ آج فرش زمین کا وہی خطہ خدائے واحد کے پرستاروں پر کس قدر تنگ ہو چکا تھا۔ اپنوں نے رشتہ توڑا، دوستوں نے ساتھ چھوڑا، قرابت داروں نے گالیاں دیں اور پڑوسیوں نے دکھ پہونچائے۔ آخر کس جرم میں؟

مال ومتاع، اہل وعیال، کنبہ وقبیلہ اور دل نواز وطن کو خیر باد کہہ کر دو انمول جانیں وادی غربت میں آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہی تھیں اور کوئی ان کے حال پر رحم کھانے والا نہ تھا ______ آخر کیوں؟

اس لیے اور صرف اس لیے کہ ان میں کا ایک حق پرستی کا داعی تھا اور دوسرا

اس کی دعوت قبول کرنے والا ایک خیر وفلاح کی جانب بلانے والا تھا اور دوسرا اس کی پکار پر لبیک کہنے والا۔ ایک خدا کی خوشنودی کی راہ بتانے والا تھا اور دوسرا اس راہ پر بے خطر چل پڑنے والا۔

قافلۂ شوق رواں دواں تھا کہ یکا یک نسیم سحر نے آواز دی ________

او تقدس مآب بادیہ نشینو! چرخ گردونی پر تاریکی کا پردہ چاک کر کے صبح کا اجالہ پھیلنا ہی چاہتا ہے۔ مبادا، گھاٹ میں لگے ہوئے دشمن تمہارا پتہ پا جائیں چلتے قدم دفعتاً رک گئے۔

انسانیت کا محسن، اعظم ثور نامی پہاڑ پر بیٹھا تھا اور جان نثار ساتھی غار کی صفائی میں مصروف تھا۔ دوسری مخلوق بھی خدمت گذاری کے جذبے سے سرشار وقت کا انتظار کر رہی تھی، غار کی صفائی کے بعد حضور اندر تشریف لے گئے تو مکڑی نے غار کے دہانہ پر جال بن دیا۔ اور کبوتروں نے جنگلی پودے کی ایک شاخ پر گھونسلہ بنا کر انڈے دے دیئے۔ اب دو پاک جانوں کا غار کے اندر موجود ہونا معلوم ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کیونکہ آدمی کی گذرگاہ پر مکڑی جال نہیں بنا کرتی ہے۔ اور پرندے انسانوں کی دسترس سے بہت دور اپنے آشیانے تعمیر کرتے ہیں۔

نمود سحر کے ساتھ ہی درخت کی جھومتی ڈالیوں سے، بوقبیس کی قریبی پہاڑیوں سے اور آسمان کی کھلی ہوئی فضاؤں سے پرندوں کی چہچہاتی آواز گونجی، محاصرین چونک کر اٹھے تو دیکھا کہ آمنہ کے دریتیم کی سلامتی پر ہر طرف

شادیانے بج رہے ہیں۔ وہ ہڑ بڑا کر گھر میں داخل ہو گئے مگر وہاں بھی مایوسی نے پیچھا نہ چھوڑا، بستر رسول خالی تھا اور علی مرتضی مصلیٰ پر بیٹھے ہوئے مصروف دعاء تھے۔ دشمن حواس باختہ تھے وہ حیرانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے، ان کے خیالات کی رو تیز ہو گئی تھی اور وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے ــــــ محمد تو کہیں بھی نہیں ہیں، آخر وہ کہاں گئے؟ ہم تو یہیں تھے، پھر کیونکر ہماری آنکھیں انہیں نہ پاسکیں؟ اگر وہ ہماری دست رس سے باہر ہو چکے ہیں تو پھر انجام کار کیا ہوگا؟

مشیت دور کھڑی، کہہ رہی تھی ــــــ قدرتی حصار کا توڑ دینا تمہارے بس کا روگ نہیں، اب تمہارے نصیب میں ہمیشہ کے لیے تباہی، ہر طرح کی بربادی، عمر بھر کی مایوسی، ہر محاذ پر ناکامی اور زندگی کی' آخری سانس تک مسلسل محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں۔

خیالات کے کانوں میں جب یہ آواز پہونچی تو وہ مہلک نتائج کے تصور سے کانپ اٹھے۔ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے جب انہیں کچھ ہاتھ نہ آیا تو حضرت علی پر برس پڑے۔ چونکہ ابو طالب کے فرزند ارجمند کا قتل ان کا مقصود نہ تھا اس لیے پارٹی کے سر برآوردہ لیڈروں نے لوگوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر حضرت علی سے الگ کر دیا۔

صبح کا سہانا وقت تھا۔ حضرت اسماء جائے نماز پر بیٹھی تھیں۔ ان کی پیشانی پر بندگی کا نور چمک رہا تھا۔ ان کے دل میں اضطراب کا ایک سمندر موجزن

تھا۔ان کی پلکیں آنسوؤں سے بوجھل تھیں۔وہ آسمان کی طرف نظریں جما کر کہہ رہی تھی ــــــــ خدایا! میرے بابا جان قریش کی نگاہ میں محبوب تھے لیکن جب سے انہوں نے تیرے رسول کا ساتھ دیا، جھوٹے خداؤں سے بیزاری کا اعلان کیا، تیری دہلیز پر عبودیت کے سجدے لٹائے۔قریش ان کے جانی دشمن ہو گئے ہیں۔آج انہوں نے تیرے رسول کی ہمرکابی میں گھر سے قدم نکالا ہے۔ اب تو ہی ان دونوں کو سلامتی کی راہ لگانے والا ہے۔تیرے سوا کوئی ان کا محافظ ونگہبان نہیں۔

بیٹی اسماء! ــــــــ خیالات کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی اچانک ایک آواز ابھری، یہ صدیق اکبر کے والد جناب ابوقحافہ کی ضعف بھری پکار تھی۔سعادتمند پوتی نے قریب پہونچ کرعرض کیادادا جان! میں حاضر ہوں، بیٹی! ابوبکر گھر کے اندر دکھائی نہیں پڑتا۔کیا وہ محمد کے ساتھ گھر چھوڑ گیا۔ بوڑھے ابوقحافہ نے تردد کے انداز میں کہا۔

دادا جان! آپ فکرمند نہ ہوں ان کی سلامتی یہاں سے جلد نکل جانے ہی میں تھی ــــــــ حضرت اسماء نے جواب دیا۔ بیٹی! مگر یہ تو دانشمندی نہیں ہے کہ ایک شخص کے نئے دین کی خاطر سارے خاندان سے دشمنی مول لے لیجائے اور بے سروسامانی کے عالم میں مسافرت کی زندگی گذاری جائے ــــــــ ابو قحافہ نے بلند اقبال بیٹے کی پریشانیوں کا احساس کرتے ہوئے کہا۔

دادا جان! دنیا کی چندروزہ رنج وراحت ایک دن ساتھ چھوڑ دیگی، بابا

جان نے دائمی راحت کی راہ ڈھونڈ لی ہے۔خدا نے چاہا تو پیغمبر اسلام کی نصرت وحمایت کی جزا آپ اس دنیا ہی میں دیکھ لیں گے ـــــــــــ ہوشمند پوتی نے ایمان افروز جواب دیا۔

ابوبکر کے دل میں اب محمد کے سوا کسی اور کے لیے جگہ نہ رہی۔وہ خود تو گیا ہی گھر کا سارا اثاثہ بھی بٹورے گیا ہوگا۔ابوقحافہ نے دکھ بھرے لہجے میں کہا ـــــــــــ دادا جان! آپ ہرگز غم نہ کریں۔خانگی ضرورتوں کے لیے بابا جان بہت سارے درہم ودینار ہمیں دے گئے ہیں ـــــــــــ قناعت شعار پوتی نے بوڑھے دادا کی فکر دور کرنے کے لیے کہا۔

کہاں ہے وہ رقم؟ لاؤ ذرا میں بھی دیکھ لوں ـــــــــــ حضرت ابوقحافہ بے اعتمادی کا اظہار کرتے ہوئے رقم طلب فرمائی۔حضرت اسماء کی پیشانی عرق آلود ہوگئی۔وہ گھبراہٹ کے عالم میں اٹھ کر باہر چلی گئیں اور چند ہی لمحوں بعد واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں سنگریزوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی تھی۔نابینا دادا کی خدمت میں اسے پیش کرتے ہوئے کہا، یہ لیجئے اس قدر درہم و دینار ہمارے لیے بس ہیں ـــــــــــ آنکھوں سے معذور ابوقحافہ اسے ٹٹول کر بھی معلوم نہ کر سکے کہ اس میں درہم ودینار ہیں یا سنگریزے بھرے ہیں ـــــــــــ حضرت ابوقحافہ نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا اب ابوبکر کے چلے جانے کا چنداں غم نہیں، مال چھوڑ گیا اور جان سلامت لے گیا۔

اسلام کی ایک صابرہ خاتون نے اپنے صداقت شعار باپ اور عزت

مآب رسول کی خدمت گذاری کا جو رول ادا کیا ہے دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے ہمیشہ عاجز رہے گی۔ جوانی کا شان توکل آپ نے ملاحظہ فرمایا اب ذرا ضعیفی کے صبر کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے۔

بہادر، زیرک اور جان باز بیٹا اپنی بوڑھی ماں کے قریب زمین پر دوزانو بیٹھ کر نہایت ادب سے کہہ رہا تھا ــــــــ ماں! حجاج بن یوسف کا محاصرہ اتنا سخت ہو گیا ہے کہ خاندان کے قریبی لوگ بھی میرا ساتھ چھوڑ رہے ہیں۔ آپ مجھے حکم دیجئے کہ آپ کا فرزند سپر ڈالدے یا راہ حق میں اپنی جان کی آخری نذر بھی پیش کر دے۔

ممتا کے اثر سے پلکیں تھرتھرائیں اور آنسو کے دو موٹے موٹے قطرے رخسار پر ڈھلک آئے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے بیٹے کی بلائیں لیں اور پیشانی چوم کر فرمایا ــــــــ بیٹا! کتے کی زندگی سے شیر کی موت اچھی ہے، حجاج بن یوسف نے جب بیٹے کی دردناک شہادت پر دکھیاری ماں کو طعنہ دیا تو آپ نے مثالی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا تھا ــــــــ ظالم! مخبر صادق نے مجھے خبر دی تھی کہ اسماء! تو ایک کذاب اور ایک دجال کو دیکھے گی۔ مسیلمہ کذاب کو میری آنکھوں نے دیکھ لیا۔ مجھے یقین ہے کہ جس دجال کو دیکھنے کی مجھے خبر دی گئی ہے وہ تو ہی ہے۔

ضحاک کے بعد حجاج بن یوسف سے بڑھ کر شاید دنیا کی تاریخ میں کوئی ظالم پیدا ہوا ہو۔ اسے سوا لاکھ علماء وفقہا، صوفیا ومحدثین اور صحابہ وتابعین کا قاتل بتایا جاتا ہے ــــــــ سیدنا ابو بکر جیسے صداقت شعار کی بیٹی، حضرت زبیر

ابن العوام جسے مرد آہن کی بیوی اور جناب عبداللہ جیسے شیر دل کی ماں حضرت سیدہ اسماء نے اسی سفاک کو یہ جواب دیا تھا۔

غار کی صفائی کے بعد حضرت صدیق اکبر نے اپنی چادر مبارک پھاڑ پھاڑ کر اندرون غار کے تمام سوراخوں کو بند کر دیا تھا مگر حضرت کے تشریف اندر لانے کے بعد ایک سوراخ کھلا دیکھا۔ یار غار نے یہ سوچ کر کہ مبادا کوئی موذی جانور سرکار کو گزند پہونچا دے اپنے پیر کا انگوٹھا اس پر رکھ دیا اور سرکار ان کی گود میں سر مبارک رکھ کر سو گئے ______ حضرت صدیق کے پائے اقدس میں کسی چیز نے ٹھوکر ماری جیسے سوراخ سے کوئی چیز باہر آنے کی درخواست کر رہی ہو۔ آپ نے سوراخ پر پیر کا انگوٹھا زور سے دبائے رکھا۔ کئی بار کی ٹھوکروں کے بعد سانپ نے ڈس لیا۔ پھر بھی آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ البتہ درد نے پے بہ پے اس قدر کچوکے لگائے کہ آنکھوں کا آبشار پھوٹ پڑا اور گرم گرم آنسوؤں کی چند بوندیں رخسار نبوی پر ٹپک پڑیں۔

آپ بیدار ہو گئے۔ دیکھا تو ابوبکر کے چہرے کا رنگ ڈوبتا جا رہا تھا، آپ نے دریافت فرمایا، ابوبکر! کس چیز نے تمہیں صدمہ پہونچایا ______ عرض کیا، یارسول اللہ! میرے اس پیر کے نیچے ایک سوراخ ہے اسی سے کسی زہریلے سانپ نے کاٹ کھایا ہے۔ آپ فوراً اٹھ بیٹھے اور سوراخ سے پیر ہٹا لینے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا مَا مِنْ شَیْئٍ اِلَّا وَیَعْرِفُ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ روئے زمین پر کوئی شئی ایسی نہیں ہے جو مجھے نہ پہچانتی ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

مار گزیدہ مقام پر لعاب دہن رکھ دیا۔ زخم فوراً مندمل ہو گیا اور چہرہ صدیق پر پہلے کی سی بشاشت لوٹ آئی جو لعاب دہن حضرت صدیق کے لیے زہر کا تریاق ثابت ہوا وہی لعاب دہن علی مرتضیٰ کے آشوب چشم کا مرہم بھی بنا اور حضرت قتادہ کی آنکھ کا ڈھیلہ تیر کی ضرب سے باہر نکل آیا تھا تو یہی لعاب دہن وہاں بھی درد کا درماں بنا تھا ـــــــــ نبی صرف روحانی امراض کا دافع نہیں ہوتا۔ جسمانی آزار میں بھی اس کی شان مسیحائی دنیا کے معالج سے جدا ہوتی ہے، فاضل بریلوی فرماتے ہیں ؎

تنکا بھی ہمارے تو ہلائے نہیں ہلتا
تم چاہو تو ہو جائے ابھی کوہ محن پھول

نبی دونوں جہاں کی خیر و فلاح کا ضامن ہوتا ہے، اسی لیے سیاسی تدبیر میں وہ کسی سے پیچھے نہیں رہتا اور پیغمبرانہ بصیرت مزید برآں ہوتی ہے لہذا دنیا کا بڑا سے بڑا مفکر اس کی گرد کو نہیں پا سکتا۔ سیرت ابن ہشام میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے یہ الفاظ پڑھئے اور آپ کی دعوت کا نقطہ نظر معلوم کیجئے ـــــــــ فَإِنْ تَقَبَّلُوْا مِنِّيْ مَا جِئْتُكُمْ بِهٖ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ۔ اگر تم میری وہ دعوت قبول کر لو جسے میں تمہارے سامنے پیش کر رہا ہوں تو اس میں تمہارے لیے دنیا و آخرت دونوں جگہ کی بھلائی ہے۔

دنیا کی بھلائی اور بہتری کا مطلب یہ ہے کہ سیاست کی نوک و پلک کو ہم سمجھیں، زمانے کی رفتار اور اس کی گردش کو ہم جانیں، دشمن کی چال اور اس کی

نقل وحرکت پر ہم نظر رکھیں، تحفظ کی صورتوں اور کامیابی کی راہوں کو ہم پیشگی معلوم کریں۔ظاہر ہے گوشہ گیری اور عزلت نشینی سے یہ مرحلے طئے نہیں ہو سکتے۔اس کے لیے تو میدان عمل میں اترنا ہوگا۔گردوپیش کے ماحول کا جائزہ لینا پڑے گا اور حالات کے پیچ وخم سے الجھنا ہوگا ـــــــــ تب کہیں غلبہ و اقتدار کی راہیں ہموار ہوں گی اور خدائی قانون کے نفاذ کی سبیل پیدا ہو سکے گی جو اخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

اسے خواجہ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی تدبیر ہی کہئے کہ مکہ کی آبادی سے نکل کر آپ نے مدینہ کی راہ پر قدم نہ ڈالا حالانکہ سفر کا مقصود مدینہ ہی تھا۔ سیاسی نقطۂ نظر سے سرکار دوعالم کے پیش نظر اس کی دو نہایت اہم وجوہ تھیں۔

پہلی وجہ ـــــــــ آپ کو معلوم تھا کہ مدینہ میں اسلام کے روز افزوں بڑھتے ہوئے اثرات کا قریش کو علم ہے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ چند نفوس کو چھوڑ کر باقی تمام کلمہ گویان اسلام مدینہ پہونچکر سکون کی زندگی گذار رہے ہیں اور مدینہ والے محمد کے لیے جان ودل فرش راہ کئے ہوئے ہیں ـــــــــ چنانچہ میری تلاش میں نکلنے والے سب سے پہلے مدینہ ہی کا رخ کریں گے اور مجھے پالینے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوگی۔

دوسری وجہ ـــــــــ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مکہ سے نکل جانے کے بعد مسلسل چلتے رہنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا اس لیے صبح کا اجالا پھیلنے کے ساتھ ہی کسی محفوظ پناہ گاہ کی ضرورت پڑے گی اور مدینہ کی راہ میں ایسی کوئی جگہ نہیں

ہے جہاں دشمن کی نظروں سے بچ کر چند راتیں گذاری جاسکیں ـــــــــــ یہی دو بنیادی وجہیں تھیں جس کی بنا پر آپ نے مکہ شہر سے نکلنے کے بعد یمن کی راہ اختیار فرمائی اور تین میل چل کر غار ثور میں مقیم ہوئے۔

باد صبح گاہی نے یہ خبر بہت جلد پھیلا دی کہ ہاشمی تاجور کے قتل کا منصوبہ ناکام ہو گیا۔ وہ دشمنوں کے بیچ سے ہو کر گذر گئے اور کوئی ان کا پتہ نہ پا سکا۔ ہر طرف لوگ بے تحاشہ دوڑ رہے تھے، مدینہ کی راہ پر بھاگ دوڑ کرنے والے نسبتاً زیادہ تھے ـــــــــــ یہ کسے معلوم تھا کہ آپ مدینہ کو جانے والے شمالی راستے پر نہ جا کر جنوب کو جانے والی یمنی راہ پر چل پڑے ہیں۔

محمد کہیں بھی نظر نہیں آتے، ابھی تو زیادہ وقت بھی نہیں گذرا، آخر اس قدر جلد وہ کہاں چھپ گئے، ہر شخص کی زبان پر یہی پھیکی گفتگو تھی اور ان کے چہروں پر مایوسی کی اوس برس رہی تھی، ایسا لگ رہا تھا جیسے دیواروں پر پھیلی ہوئی سورج کی سنہری کرنیں ان کا منہ چڑھا رہی ہوں۔

سراقہ کو ساتھ کیوں نہیں لے لیتے وہ تو قدموں کے نشانات بھی پہچانتا ہے۔ بوکھلاہٹ میں ابو جہل زور سے چیخا ـــــــــــ قریشی جوانوں کی ایک ٹیم دوڑتی ہوئی سراقہ ابن مالک کے گھر پہونچ گئی۔ وہ گھر ہی میں موجود تھا اگرچہ وہ مشہور شمشیر زن تھا۔ دلاور شہسوار تھا اور نامی قیافہ شناس تھا مگر اسے محاصرے کی مہم میں نظر انداز کر دیا گیا تھا ـــــــــــ شاید اس لیے کہ رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کے کٹر دشمنوں کی فہرست میں اس کا نام نہیں آتا تھا۔

سراقہ ایک ریز رو آدمی تھا، وہ ایک ایسے شخص کے در پے آزار ہونا نہیں چاہتا تھا جس کی نبوت کا غلغلہ دور دور تک پھیل رہا تھا، وہ عتبہ بن ربیعہ کے اس خیال سے ہم آہنگ تھا کہ محمد اگر ایسے ہی ہیں جیسا وہ کہتے ہیں تو ہماری ریشہ دوانی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گی اور ایک دن ان کی کامیابی قریش کی سرخروئی کا باعث بنے گی ـــــــ اور اگر ان کا دعوہ نبوت جھوٹا ہے تو کوئی حربہ ان کے لیے کارگر ثابت نہ ہوگا، ان کی تحریک آپ سے آپ مرجائے گی اور اس طرح قریش کو کسی زیر باری سے دوچار ہونے کی نوبت بھی نہ آئے گی۔

سراقہ اور بعض دوسرے عناصر کی سرد مہری کو ابو جہل بھانپ گیا چنانچہ اس نے محمد کی گرفتای پر سو سرخ اونٹ کے انعام کا فوراً اعلان کر دیا اسی پر بس نہیں کیا بلکہ خود سراقہ کے گھر پہونچ کر محمد کو ڈھونڈ نکالنے کی خوشامدانہ لہجے میں درخواست کی وہ سراقہ سے مخاطب ہو کر کہہ رہا تھا۔

سراقہ! تمہیں معلوم ہے کہ محمد کے نئے دین کا فتنہ روز بروز کتنا زور پکڑتا جارہا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا کہ ہمارا آدمی اپنے آبائی دین سے پھر کر محمد کی تحریک کا ممبر نہ بن جاتا ہو۔ اس طرح ہماری طاقت دن بدن ٹوٹتی جارہی ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم نے انہیں ٹوٹنے سے بزور روکنا چاہا تو وہ وطن چھوڑ کر حبشہ اور مدینہ کوچ کرنے لگے۔ ہم نے ان کی گرفتاری کے لیے آدمی دوڑائے مگر حبش کے بادشاہ نجاشی نے انہیں پناہ دیدی اور ہماری سفارت ناکام واپس آئی۔ مدینہ میں اسلامی رجحان بڑی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔

اب اس کے سوا اور چارہ ہی کیا رہ گیا ہے کہ وہ شاخ ہی کاٹ ڈالی جائے جس پر نئے دین کا آشیانہ تعمیر ہو رہا ہے۔ چنانچہ شوریٰ کے فیصلے کے مطابق مختلف قبائل کے چیدہ جوانوں نے رات محمد کا راستہ روک رکھا تھا۔ معاملہ کسی اور کا ہوتا تو سمجھا جا سکتا تھا کہ کوتاہی ہوئی۔ مگر قیادت کی باگ ڈور خود میرے ہاتھ میں تھی۔ کسی کو کوئی احساس نہیں ہو سکا کہ محمد رات کے کس حصہ میں اور کس طرح نکل گئے۔ صبح جب ہمیں ان کی غیر موجودگی کا علم ہوا تو ہزار جستجو کے باوجود اب تک کوئی سراغ نہیں مل پایا ہے۔

تم قدموں کے نشانات پہچانتے ہو۔ محمد کی تلاش میں میری مدد کرو۔ اہل مدینہ ان کے منتظر ہیں اگر وہ ان میں پہونچ گئے تو پھر ان کی طاقت ناقابل تسخیر ہو جائیگی۔ اور وہ ہمارے آبائی دین کے لیے ایک زبردست دھماکہ ثابت ہوں گے۔

سراقہ ابو جہل کی تقریر سن کر اٹھا اور سیدھا کاشانہ نبوت پر آیا اس کے پیچھے مرد و زن کی بھیڑ اکٹھا تھی۔ وہ قدم کے نشانات دیکھتا ہوا صدیق اکبر کے در دولت تک پہونچا ـــــــ ابو جہل نے دروازے کی کنڈی بجائی۔ دروازہ کھلا اسماء بنت ابی بکر دہلیز پر کھڑی تھیں۔

تیرا باپ ابن ابی قحافہ گھر میں موجود ہے؟ ـــــــ ابو جہل نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ حضرت اسماء نے کہا نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ محمد کے ساتھ ہے۔ جلد بتاو وہ دونوں کب اور کس طرف گئے ہیں ـــــــ ابو جہل تیور بدل کر بولا، مجھے نہیں معلوم حضرت اسماء نے جواب دیا۔

چٹاخ ـــــــ ابوجہل نے نیک سیرت خاتون کے نازک چہرے پر زوردار طمانچہ رسید کیا۔حضرت اسماء کی آنکھوں میں آنسوامنڈ آئے بوڑھے ابو قحافہ کمرشکستہ سانپ کی طرح غصہ سے پیچ وتاب کھارہے تھے مگر اٹھ نہ سکتے تھے۔ضعف پیری نے ان کی کمر بھی توڑ دی تھی۔

سراقہ اب قدموں کے نشانات دیکھتا ہوا جنوب کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے آدمیوں کا ایک سیلاب امنڈ پڑا تھا۔یہ قدم شناسی ہی کی کرامت تھی کہ اس نے ایسی سمت کا انتخاب کیا تھا جدھر لوگوں کا گمان تک نہ گیا تھا۔ قریش حیرت زدہ تھے کہ محمدآخر جنوب میں کہاں جائیں گے۔لیکن سراقہ ایک معتمد قدم شناس تھا اس لیے لوگ پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

سراقہ بن مالک شورنامی پہاڑ کی ایک ہموار چٹان پر کھڑا پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔بہت دیر بعد اس نے کہا ـــــــ اب نہیں معلوم ہوتا کہ محمد کدھر گئے۔مجھے اپنے علم پر اعتماد ہے محمد اپنے رفیق کے ساتھ میرے قدموں کے نیچے کی زمین تک آئے ہیں۔اس کے بعد وہ زمین پر چلے یا بالائے زمین یہ خدا ہی کو معلوم،ڈاکٹر اقبال کی زبان میں ؎

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

دو مقدس جانوں کی تلاش میں پہاڑ کے گرد جنگی ہتھیاروں کے ساتھ ایک فوج اکٹھا ہوگئی تھی۔جس میں جوان بچے اور بوڑھے سبھی شامل تھے۔مذہب

کے دفاع کا جذبہ، انعام پانے کی لالچ اور شہرت حاصل کرنے کی خواہش، یہ وہ عناصر تھے جنہوں نے ہر سپاہی کو مستعد کر رکھا تھا۔عرب کے جوشیلے جوان تو خود فراموشی کے عالم میں پہاڑی کا چکر لگا رہے تھے۔لاٹھیاں ٹیکتے ہوئے بوڑھوں کی ایک جماعت پہاڑ کے دامن تک پہونچ آئی تھی وہ اپنی پختہ کاری کی بنا پر رہبری کے فرائض انجام دے رہی تھی۔اور بچے ادھر سے ادھر قلانچیں مارتے پھر رہے تھے۔

قریشی سردارو! ــــــــ تم اتنی دیر سے کیا ڈھونڈ رہے ہو۔ پہاڑی کے پیچھے سے ایک گنڈیریا کی آواز سنائی دی۔ برسات کی اندھیری رات ہو اور مسافر راہ بھول گیا ہو ایسے وقت میں بجلی کی ایک چمک کس طرح اس کے دل میں مسرت کا چراغ جلا دیتی ہے۔بس اسی طرح گنڈیریا کی پکار پر قریش جوانوں کے دل میں امیدوں کے چراغ جل اٹھے ــــــــ وہ سمجھ رہے تھے کہ سبب معلوم کرنے والا کچھ جان کر ہی دریافت حال کر رہا ہے۔

دو قریشی ہمارے دین سے باغی ہو کر فرار ہو گئے ہیں۔ہم ان کی گرفتاری کے لیے نکلے ہیں ــــــــ کسی جوان نے پکار کر کہا۔اس پہاڑی میں ایک غار بھی ہے ذرا اس میں بھی دیکھ لینا ــــــــ گنڈیرئے نے مقصد سے قریب کر دینے والا راستہ بتا دیا۔مثل مشہور ہے کہ ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ گھٹا ٹوپ اندھیرے میں امید کی ایک کرن چمکی تو سارا غول غار کی طرف دوڑ پڑا۔آگے آگے قریش کا ایک شاطر نوجوان تھا جو غار سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

خدا کا وہ طیب وطاہر رسول جس کی پاکبازی کا شہرہ ثریا کی بلندی کو چھو رہا تھا۔ جس کے ماتھے کا نور بنی نوع انسان کو کونین کی سرفرازی کا مژدہ سنا رہا تھا۔ جس کا نشان قدم تقدیر کے ہیٹوں کو عالمی سربراہی کی روشنی دکھا رہا تھا۔ وہ آج ظلمت کے پجاریوں سے دور ہٹ کر غار کے اندر اپنے مالک بے نیاز سے محو راز و نیاز تھا۔

صدیق یار غار پاس میں بیٹھے تھے اور ان کی نمناک نگاہیں رخ پرنور پر جمی ہوئی تھیں ——— ان کی آنکھوں کا اضطراب کہہ رہا تھا ——— کاش! میں رسول اللہ کو پلکوں کی اوٹ میں چھپا سکتا۔ دل کی دھڑکنیں پکار رہی تھیں، کاش! غمخوار امت کو چھپا لینے کے لیے ہمارے دامن کو وسعت مل جاتی۔ چہرے کا ملال آواز دے رہا تھا ——— حرماں نصیب کافرو! سارے سنسار کے لیے ابدی سعادت کا پیغام لانے والے انسان کامل کے خون ناحق سے باز آجاؤ۔

آپس کی چیخ وپکار، ڈنڈے، لاٹھیوں کی کھٹ کھٹ اور تیر و ترکش کی جھنکار ہر لحہ قریب ہوتی جا رہی تھی۔ پھر قدموں کے چاپ بھی سنی جانے لگی اور اب تو دشمنوں کے پیر بھی دکھائی دے رہے تھے ——— یارسول اللہ! دشمن اگر اپنے پیروں کی طرف بھی دیکھیں تو ہمیں دیکھ لیں گے ——— رحمت بردوش پیغمبر کو آزار پہونچنے کے خوف سے یار غار نے بے تاب ہو کر کہا

ابو بکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا خدا ہے۔

رسول خدا نے تسکین خاطر کے لیے صدیق اکبر کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ـــــــــ یار غار کا قلبی اضطراب دفعتاً دور ہو گیا اور وہ اب اپنے سینے میں سکون کی ٹھنڈک محسوس کر رہے تھے۔

قریشی نوجوان جو تیزی سے غار کی طرف بڑھ رہا تھا ٹھٹھک کر رک گیا۔ اور غار کے دہانے پر کچھ دیر نظر جمائے رکھنے کے بعد لوٹ گیا۔ جاتے ہوئے اس کے اندر بلا کی چستی تھی مگر واپس ہوتے وقت ناکامی کے احساس سے قدم بوجھل ہو گئے تھے۔ اور آنکھوں سے خوشی کی چمک بھی غائب ہو گئی تھی ـــــــــ تم نے تو ابھی غار میں جھانک کر دیکھا بھی نہیں اور پلٹ آئے پیچھے سے آتے ہوئے اس کے ایک ساتھی نے ٹوکا ـــــــــ یار! کیا بتاؤں وہاں تو کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ غار کے منہ پر مکڑی کا جال ہے اور ساتھ ہی ایک درخت بھی ہے جس پر جنگلی کبوتروں نے بسیرا لے رکھا ہے ـــــــــ یہ تھا ظالم امیہ بن خلف حضرت بلال کے ساتھ جس کے مظالم کی داستانیں اب تک مشہور ہیں۔

غار کے قریب و پاس سے گذرنے کا سلسلہ دیر تک جاری رہا مگر سبھوں کی عقل پر مکڑی نے جال بُن دیا تھا۔ وہ گھنٹوں اپنی جان جوکھن میں ڈال کر ادھر سے ادھر پھرتے رہے اور کچھ نہ پا سکے۔ آہستہ آہستہ سرد مہری اپنا بازو پھیلا کر جوانوں کو اپنے گرد سمیٹنے لگی اور بددلی کی ہوا ہر طرف تیز بہنے لگی۔

کیوں یار! سراقہ بن مالک ہم لوگوں کو بے وقوف بنانے کے لیے تو یہاں نہیں لے آیا ہے۔ محمد سے اس کا کوئی ساز باز تو نہیں تھا ـــــــــ

صفوان بن امیہ نے شبہ ظاہر کیا۔ ہو بھی سکتا ہے کون جانتا ہے کہ کس کس کا دل محمد کے آستانۂ عظمت پر سجدہ ریز ہو چکا ہے ـــــــ عکرمہ نے شبہ کو یقین میں بدلنے کی کوشش کی۔ اس نے تو ہم لوگوں کو پھنسا کر محمد کو بھاگ نکلنے کا اچھا موقع دے دیا ہے ـــــــ عقبہ بن معیط نے سراقہ پر ایک نیا الزام تراشا۔

کیوں فضول بکواس کر رہے ہو، اپنا کام جاری رکھو، تمہاری ہی کاہلی نے یہ برا دن دکھایا ہے ـــــــ سامنے سے آتے ہوئے عاص بن وائل نے ان کی گفتگو پر برافروختہ ہو کر ڈانٹ پلائی۔

آفتاب بلند ہو کر سر پر آچکا تھا اور پہاڑی چٹانوں کی چھاتیاں اب گرم ہونے لگی تھیں لگاتار دوڑ و دھوپ سے ان کے چہرے کمھلا گئے تھے ـــــــ بھوک اور پیاس الگ اپنا رنگ دکھا رہی تھی ـــــــ جوانوں کو روک رکھنا اب دشوار تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھسکنے لگے اور دو دو چار چار کی ٹولیوں میں تقسیم ہو کر شہر کی جانب چل پڑے ـــــــ دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑی سے آدمیوں کے سارے سر غائب ہو گئے ـــــــ گنڈیریا بھی اپنے جانوروں کو ہانکتا ہوا پہاڑی سے بہت دور نکل گیا۔

شہر سے نکل کر سیدھے مدینہ کی راہ اختیار نہ کرنا بلکہ ایک غیر مانوس راستہ سے گذر کر پہاڑ کے تاریک غار میں جا بیٹھنا اور وہیں سے مکہ والوں کی نقل و حرکت معلوم کرتے رہنا یقینا دور رس نتیجہ خیز اور بہت کامیاب سیاسی تدبیر تھی۔ پھر دھر پکڑ کرنے والی ساری کمپنیوں کے خاموش بیٹھ جانے کے بعد تجربہ کار راہبر کی نگرانی

میں حسن انتظام کے ساتھ نشیبی راستے سے مدینہ کا سفر کرنا بلاشبہ نہایت دانشورانہ کردار تھا۔ جس کے پیچھے سیاسی سوجھ بوجھ کے علاوہ پیغمبرانہ بصیرت بھی کام کر رہی تھی ــــــــ مگر بایں ہمہ غار سے لیکر قبا کی سرحد میں داخل ہونے تک ہر ہر قدم پر معجزانہ قوت اور تائید غیبی راکب بدوش نہ ہوتی تو دو نفوس قدسیہ کا ساری بلا خیز موجوں کو سلامتی کے ساتھ عبور کر جانا کسی طرح ممکن نہ تھا۔

مکڑی کا جال بُن دینا، غار کے دہانہ پر درخت کا اُگ آنا، جنگلی کبوتروں کا اس پر گھونسلا تعمیر کر ڈالنا، جناب سراقہ بن مالک کے گھوڑے کا پتھریلی زمین میں دھنس جانا ایک ضعیفہ کی لاغر بکری کے تھن میں دودھ اُتر آنا ــــــــ یہ سارے وقوع اسی نوعیت کے تھے۔ اگر سفر ہجرت کا سارا نقشہ بشری تدبیر ہی کے گرد گھومتا تو وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کی عملی تفسیر کا دن اور کون سا آتا۔

صالح نوجوان عبداللہ بن ابی بکر صبح سے شام تک چکر لگا کر شہری حالات کا جائزہ لیتا۔ دارالندوہ کی میٹنگوں میں شریک ہوتا۔ قریشی سرداروں کی نشست میں جا کر بیٹھتا اور گشتی دستوں کی سرگرمی معلوم کرتا ــــــــ رات جب گہری ہو جاتی اور تاریکی کا غلیظ پردہ لوگوں کی نگاہوں کو ڈھک لیتا تو سبک خرامی سے وہ غار ثور کا رخ کرتا۔ اس کی جوان سال بہن اسماء بنت ابی بکر کھانا لے کر ساتھ ہو جاتی۔

دارالندوہ میں کیا کیا منصوبے بنے۔ سرداروں نے کون کون سی سازش رچائی۔ گشتی دستے کہاں کہاں سے گھوم آئے۔ روزانہ کی رپورٹ آپ کو حضرت عبداللہ سے معلوم ہو جاتی۔

عامر بن فہیرہ، صدیق اکبر کا وفادار غلام دودھ دینے والی چند بکریوں کو لیکر وہاں پہنچ جاتا جن کا دودھ رسول اللہ اور یار غار کے لیے دوسرے دن تک کافی ہوتا ــــــــــ حضرت عبداللہ اور جناب اسماء اپنے فرائض کی ادائیگی کے بعد جب گھر واپس ہوتے تو عامر بن فہیرہ اپنی بکریوں کے ساتھ پیچھے ہولیتا۔ تا کہ نبی کے دو مقدس رازداروں کے نشان قدم مٹ جائیں۔ یہ اس لیے کہ ضروری تھا کہ مشرکین کی خبر رساں ایجنسیاں خاموش بیٹھی نہ تھیں ان کے خفیہ محکمے اپنا کام کر رہے تھے۔

وقت کا پن ڈولن برابر حرکت کر رہا تھا۔ صبحیں اُگ رہی تھیں اور شام ڈوب رہی تھی ــــــــــ تین شبانہ روز یونہی گذر گئے اسماء اور عبداللہ کے فدایانہ رول پر کوئی مطلع نہ ہوسکا ــــــــــ حضرت ابو بکر نے ہجرت میں عقیدت کا کوئی پارٹ نہ ادا کیا ہوتا تب بھی ان کی اولاد کا یہ زریں کارنامہ تاریخ ہجرت میں انہیں ہمیشہ سر بلند رکھتا۔

تین دنوں کی بھاگ دوڑ کے بعد بھی جب کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا تو حوصلوں کا پست ہوجانا ایک فطری امر تھا۔ چند کو چھوڑ کر اکثر وہ تھے جنہیں اب کھوج ڈھونڈ سے واسطہ نہیں رہ گیا تھا۔ البتہ کبھی کبھی لاؤ لشکر کے ساتھ ہاشمی شہزادہ کے چڑھ آنے کا اندیشہ ان کے دلوں پر چرکے لگاتا جس کی نامعلوم سی ٹیس سے وہ کراہ اٹھتے اور اپنی کوتاہیوں کو یاد کر کے ایک دوسرے کو کوسنے لگتے۔

عبداللہ! ہم لوگوں کا یہاں ٹھہرے رہنا مناسب نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ

مدینہ کی طرف کوچ کر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔تم میری وہ دو اونٹنیاں جو میں نے اسی دن کے لیے پال رکھی ہیں کل لیتے آنا اور دیکھو عامر بن فہیرہ کو سفری تیاری کے ساتھ آنے کی تاکید کر دینا۔سرکار کی خدمت کے لیے اس کا ساتھ رہنا ضروری ہے ـــــــ ہاں! یہ بھی خیال رہے کہ تمہیں کل عبداللہ بن اریقط کے پاس بھی جانا ہے۔اس نے غیر آباد راستے سے ہم لوگوں کو مدینہ پہونچا دینے کا وعدہ کیا ہے۔وہ اپنی اونٹنی لیکر یہاں وقت پر ضرور پہنچ جائے۔یہ تینوں کام بہت خوش اسلوبی سے تمہیں انجام دینا ہے ـــــــ ہوشمند بیٹے کو حضرت صدیق نے اہم ذمہ داریاں تفویض فرمائیں۔

چاند کنارۂ مشرق سے نمودار ہو کر دھیرے دھیرے بلند ہو رہا تھا۔جوں جوں رات بھیگ رہی تھی خاموشی اپنا دامن دراز کر رہی تھی۔ایک پہر رات گذر جانے کے بعد جب لوگوں کی آمدورفت بند ہو گئی تو ایک نوجوان مکہ کی سنسان گلی میں ظاہر ہوا اور جنوب کی طرف دبے دبے قدموں سے بڑھنے لگا ـــــــ پیچھے چادر میں لپٹی ہوئی ایک جواں سال لڑکی بھی نظر آئی جو اس کے قدم بقدم چل رہی تھی ـــــــ کچھ دیر بعد اسی راستے پر دو اونٹنیاں بھی دکھائی دیں جسے کوئی ہانکتا ہوا لیے جا رہا تھا ـــــــ چند قدموں کے فاصلے پر پھر ایک اونٹنی نظر آئی اس کے پیچھے بھی ایک صحت مند شخص جھومتا جا رہا تھا۔

آگے تھا،صدیق اکبر کا لائق فرزند عبداللہ ـــــــ ساتھ میں تھی اس کی پاکدامن بہن اسماء پشت پر دو اونٹنیاں لیے عامر بن فہیرہ تھا ـــــــ

سب کے پیچھے اپنی اونٹنی لیکر رہنمائی کی غرض سے عبداللہ بن اریقط جارہا تھا۔
بھائی، بہن غار کے پاس کھڑے تھے۔ باپ نے پیار بھری نظروں سے دونوں کو دیکھ کر دریافت کیا عامر بن فہیرہ اور ابن اریقط کہاں ہیں؟ وہ دونوں بھی ہمارے پیچھے ہی آرہے ہیں ـــــــ سعادت مند بیٹے نے جواب دیا حضور بہ نیت سفر نفل ادا کرنے میں مصروف ہیں۔ ابوبکر ابن اریقط کو سفر سے متعلق ضروری ہدایت دے رہے ہیں۔ عبداللہ اور عامر اونٹنی پر سامان باندھنے میں لگے ہیں ـــــــ اور اسماء ان دونوں کی مدد کر رہی ہیں۔

یارسول اللہ! سواری حاضر ہے ـــــــ ابوبکر صدیق نے ایک اونٹنی کی طرف اشارہ کرکے کہا، ابوبکر! وطن کی محبت سب کا دامن تھامتی ہے۔ میں بھی وطن عزیز کو خیرباد کہہ رہا ہوں۔ اہل خاندان سے رشتہ توڑ کر وادی غربت میں قدم رکھ رہا ہوں، دین حق کے سوا اور میرا مقصد ہی کیا ہے، جو سفر اس درجہ خالصاً لوجہ اللہ ہے وہ سفر میں اپنے ذاتی صرفہ سے طے کرنا چاہتا ہوں ـــــــ رسول اللہ نے محبت بھرے بول میں کہا۔ یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، یہ اونٹنی تو آپ ہی کی ہے ـــــــ عاشق صادق نے پھر عرض کیا۔ نہیں ـــــــ تم میری طرف سے اونٹنی کی قیمت قبول کرلو ـــــــ سرکار کے اس ارشاد پر یار غار نے سر خم کردیا۔

سودا طے ہوجانے کے بعد حضور ایک اونٹنی پر سوار ہوگئے ـــــــ دوسری اونٹنی پر صدیق اکبر خود سوار ہوئے اور اپنے پیچھے غلام عامر بن فہیرہ کو بیٹھا

لیا ـــــــ عبداللہ ابن اریقط جو ساحلی راستہ سے خوب واقف تھا۔اور اجرت پر رہنمائی کی خدمت کے لیے آیا تھا۔اپنی اونٹنی پر سوار ہو گیا۔

تین اونٹنیوں پر چار آدمیوں کا مختصر سا قافلہ ـــــــ ۴ر ربیع الاول کو سموار کے دن نسیم سحری کی دستک سے قبل، ابر رحمت کے گھنے سائے میں ـــــــ ساحلی راستوں کو روندتا ہوا چل پڑا ۔

آنکھوں میں اک نمی سی ہے ماضی کی یادگار
گذرا تھا اس مقام سے ایک کارواں کبھی

زندگی خود ایک سفر ہے ـــــــ اور سفر، زندگی کا ایک لازمی حصہ شاید ہی کوئی ایسا شخص مل سکے گا جسے پوری زندگی میں کبھی سفر کی کوئی نوبت نہ آئی ہو ـــــــ لیکن آج کے اس سفر کی لذت کچھ نہ پوچھئے، ایک چند نفری قافلہ تھا مگر اس کے پیچھے نصرت خداوندی کی فصیل ـــــــ دائیں اور بائیں تائید غیبی کی حصار ـــــــ اوپر سے رحمتوں کا نزول اور آگے آگے خیر کثیر چل رہی تھی کیونکہ اللہ والے ـــــــ اللہ ہی کے لیے ـــــــ اللہ کی راہ میں چل رہے تھے۔

وطن ہمیشہ کے لیے چھوٹ رہا تھا ـــــــ خاندان سے دائمی رشتہ ٹوٹ رہا تھا ـــــــ زندگی کی تمام راحتیں چھن رہی تھیں ـــــــ موج طوفان کی طرح دکھوں کا سیل رواں پیچھا کر رہا تھا ـــــــ اور مقصد تجارت تھی اور نہ دنیاوی کوئی منفعت۔

بلکہ ــــــــ حکم الٰہی تھا، ہجرت کرو، ہجرت کے بعد ہی اسلام کا شجر طوبیٰ برگ و بار لائے گا اور عالم امکان میں عشق و عرفان کا اُجالا پھیلے گا۔

دارالندوہ میں ــــــــ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اپنی ناکامی کا شکوہ کر رہے تھے اور ہر شخص ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرانے پر تلا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک نووارد شخص اندر داخل ہوا جو ابھی ابھی کسی سفر سے لوٹ کر آیا تھا۔ وہ آتے ہی گلا بھاڑ کر چلایا ــــــــ قریشی بھائیو! میں نے کچھ ہی فاصلے پر تین اونٹنیوں کا ایک قافلہ ساحلی راستے سے گذرتے دیکھا ہے ــــــــ غالباً وہ محمد اور ان کے ساتھی ہی تھے۔

نورانی قافلہ ــــــــ وقت کی رفتار کے ساتھ قدم بہ قدم آگے بڑھ رہا تھا ــــــــ سبزہ زار صحرا گھنے درختوں کے جھنڈ اور سایہ دار پہاڑیاں پیچھے چھوٹتی جا رہی تھیں ــــــــ قافلہ ایک دن اور ایک رات مسلسل چلتا رہا۔ قافلے کی روانگی کا آج دوسرا دن تھا۔ آفتاب بلند ہو کر سر پر آچکا تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے ہر طرف اتھل پتھل کر رہے تھے۔ راستے پر مسافروں کا دور دور تک کہیں کوئی نام و نشان نہ تھا ــــــــ صرف تین اونٹنیوں والا قافلہ پڑاؤ اور قیام کو بھول کر برابر آگے بڑھ رہا تھا۔

یارسول اللہ! ــــــــ دشمن کے تعاقب کا خطرہ اب ٹل گیا ہے۔ اونٹنیاں بھی تھک چکی ہیں، قیام کے لیے یہ جگہ موزوں ہے ــــــــ قریب کی ایک سایہ دار پہاڑی کی طرف اشارہ کر کے صدیق اکبر نے عرض کیا، حضور

سواری سے اتر پڑے۔ عامر نے چمڑے کا فرش لگایا۔ کھانا تناول فرما کر حضور قیلولہ کے لیے لیٹ گئے اور اونٹنیاں چرنے کے لیے چھوڑ دی گئیں۔

حضور بیدار ہوئے تو ظہر کا وقت آخر ہو رہا تھا۔ سواری تیار رکھنے کا حکم دیکر صدیق اکبر کے ساتھ نماز میں مشغول ہو گئے۔

منزل کی طرف کوچ کر جانے کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نظر مکہ کی سمت اٹھی ـــــــ ٹاپیں مارتا اور گرد اڑاتا صبا رفتار گھوڑا اچلا آرہا تھا ـــــــ سراسیمہ ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! دشمن سے ہمارا سامنا ہو گیا ـــــــ حضور نے شان بے نیازی سے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا ۔ گھبرانے کی کیا بات ہے خدا ہمارے ساتھ ہے۔

نبی و صدیق کی سواری خراماں خراماں بڑھ رہی تھی کہ پیچھے سے ایک گرجدار آواز آئی ''رک جاؤ'' صدیق نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو سوار بہت نزدیک آچکا تھا۔ اس کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ یہ تھا عرب کا نامی شہسوار جعشم کا بیٹا سراقہ ـــــــ جو اسی نووارد کا اعلان سنکر ندوہ سے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر ساحلی راستے پر دوڑ پڑا تھا۔

سراقہ کو اپنی کامیابی بہت قریب نظر آرہی تھی وہ سوچ رہا تھا ـــــــ انعام کے سو اونٹ میرے دروازے پر بندھیں گے قبائل عرب میں میرا شہرہ ہوگا اور قریش زندگی بھر میرے بار احسان تلے دبے رہیں گے۔

رسول اللہ نے سراقہ پر ایک نگاہ ڈالی جو اس سے یہ کہہ رہی تھی ـــــــ

سراقہ تو غلط سوچ رہا ہے آج کے دن پر اس لیے فخر کر کہ یہیں سے تیری زندگی کا رخ بدلے گا اور دنیا تیرے نصیب پر رشک کرے گی۔

سراقہ کا گھوڑا اس نظر کی تاب نہ لا سکا اور ٹھوکر کھا کر دور جا گرا۔ سراقہ کو چوٹ آئی اور اس کا جسم گرد سے اٹ گیا۔ مگر وہ نہ سمجھ سکا کہ اس کی کلاہ افتخار گرد آلود کی جا رہی ہے کہ اپنے ارادۂ بد سے باز آجاؤ ______ وہ اٹھا اور دامن جھاڑ کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اس کا گھوڑا پھر سڑک پر سرپٹ دوڑ رہا تھا ______ اب کی مرتبہ اس کا گھوڑا پچھلی اونٹنی کے برابر آ گیا۔ قریب تھا کہ وہ صدیق اکبر کی اونٹنی کی نکیل تھام لے۔

رسول اللہ نے ______ جو درمیانی اونٹنی پر سوار تھے۔ مڑ کر دیکھا اور زمین کو حکم فرمایا یا ارض خذیہ اے زمین! تو اسے پکڑ لے ______ سراقہ کے گھوڑے کے قدم زمین پر فوراً جم گئے اور وہ کوئی حرکت نہ کر سکا۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگانے کی کوشش کی لیکن پیروں کو جنبش نہ ہوئی۔ کوڑا اٹھانا چاہا تو بازو نہ اٹھے۔ ان دیکھی گرفت سے چھوٹنے کی وہ دیر تک سعی کرتا رہا مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہو سکی ______ بے بسی اس کے اقدام پر ملامت کر رہی تھی اور قدرت دور کھڑی مسکرا رہی تھی۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

سراقہ ایسی زنجیر میں جکڑ لیا گیا تھا جو دیکھی نہیں جا سکتی تھی ______ اس کی آنکھوں میں ندامت کے آنسو تیر رہے تھے ______ اس کے ماتھے

پر پسینہ کی بوندیں عفو گناہ کی بھیک مانگ رہی تھیں ــــــ اس کا دل دردناک انجام کے تصور سے ڈوبتا جارہا تھا۔

اللہ کے رسول ــــــ سراقہ کے کپکپاتے ہونٹوں سے رُک رُک کر یہ الفاظ ادا ہوئے۔حضور نے اونٹنی کی نکیل کھینچ لی آپ جان رہے تھے کہ سراقہ گرفتار کرنے نہیں گرفتار ہونے آیا ہے ــــــ البتہ صدیق اکبر حیران ہوئے وہ نکل بھاگنے میں عافیت سمجھ رہے تھے۔ان کا خیال تھا کہ سراقہ کے پیچھے قریش کی ایک ہتھیار بند فوج آرہی ہوگی۔

سراقہ کہہ رہا تھا ــــــ یارسول اللہ! میں اپنی جارت سے باز آ گیا۔آپ کے دربار حکم میں ایک آخری بار درگذر کی درخواست کرتا ہوں۔وعدہ کررہا ہوں خود بھی واپس جاؤں گا اور اپنے پیچھے آنے والوں کو لوٹا لے جاؤں گا۔

رحمت بردوش پیغمبر نے اسے زمین کی گرفت سے آزاد کردیا ــــــ سراقہ اب خوش تھا بہت خوش،اس کا گھوڑا ابل کھاتا ہوا سرکار کی اونٹنی کے مقابل آیا،اس کی آنکھوں میں اب سرکشی کی جگہ محبت کا خمار تھا۔پیشانی سے اب رعونت نہیں عقیدت کا نور پھوٹ رہا تھا۔سینے میں کدورت کے بجائے ایمانی حرارت کی ہوک اٹھ رہی تھی ــــــ اس نے حضور کی اونٹنی کا رکاب چوم کر کہا،اللہ کے رسول ــــــ آپ میرے لیے امن کی تحریر لکھ دیں اس دن کے لیے جب آپ حدود حرم میں جلالت شان کے ساتھ داخل ہوں گے اور سرداران قریش حطیم کعبہ میں مجرم کی حیثیت سے آپ کے سامنے حاضر لائے جائیں گے۔

سراقہ ـــــــــ ایک دانشور تھا، مشہور قیافہ شناس تھا اور نہایت دور اندیش تھا۔ اس نے اسلامی تحریک کے دوررس نتائج کی گہرائی میں اتر کر یہ عرضی پیش کی تھی ـــــــــ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ کے حکم سے چمڑے کے ٹکڑے پر امن کی تحریر لکھ دی۔

اللہ کے رسول نے وہ ٹکڑا سراقہ کو دیتے ہوئے فرمایا ـــــــــ سراقہ میں تیرے ہاتھوں میں کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ جب تک دنیا چشم سر سے وہ کنگن تیرے ہاتھوں میں نہ دیکھ لے گی اس وقت تک موت بھی تجھے امان دیگی۔

سراقہ ـــــــــ بظاہر اب خالی ہاتھ لوٹ رہا تھا۔ لیکن بخدا انعام کھو کر بھی وہ سب کچھ پا چکا تھا ؎

بتائے جس نے امت کو خدا کے راز سربستہ
اسی امی لقب کو غیب داں کہنا ہی پڑتا ہے

علی ابن ابی طالب: کون؟ ـــــــــ نبی کا پچیس سالہ حوصلہ مند بھائی۔ بارہ برس کی عمر میں نبی کی حمایت کا برملا اعلان کرنے والا مرد شجاع کوندتی تلواروں کے سائے میں بستر رسول پر بے خطر سو جانے والا اللہ کا شیر ـــــــــ اللہ کے رسول کی سپرد کردہ امانتیں لوگوں کو پہونچا دینے کے بعد اب مکہ میں تنہا تھا اور قیدی پرندہ کی طرح شہر مدینہ کی سمت پرواز کر جانے کو بے تاب تھا۔

دشمنوں کے درمیان اکیلا ہونے کے باوجود انہیں نہ کوئی خوف تھا اور نہ لوگوں کی ایذا کا کوئی غم، البتہ رسول اللہ کی جدائی کا سینے پر ایک زخم تھا اور بس

جی میں آتا کہ پیارے رسول سے جاملیں مگر زادِراہ نہ تھا۔سواری نہ تھی، مال واسباب نہ تھے ــــــــ دل کا اضطراب کہتا کہ پاپیادہ چل پڑو لیکن راستہ بھی کیسا تھا؟ ــــــــ خارزار وادیاں تھیں، پُرخطر کہسار تھے، بے آب وگیاہ صحرا تھا اور شب گذاری کے لیے راستے میں کوئی محفوظ پناہ گاہ نہ تھی۔

کون جانتا ہے کہ راستے کی ان رکاوٹوں کے تصور سے مولیٰ کے دل پر کتنی چوٹ لگتی ہوگی۔ ذہن پر کس قدر بوجھ پڑتا ہوگا اور روح میں کتنی چھبن محسوس ہوتی ہوگی ــــــــ مولیٰ کو سب کچھ گوارہ تھا پر رسول اللہ کی مفارقت برداشت نہ تھی وہ راستے کے خطرات سے بے غم اور منزل کی دوری سے بے پرواہو کر دیارِ محبوب کی طرف پاپیادہ ہی چل پڑے۔

اللہ اللہ! ــــــــ کتنے بلند حوصلہ انسان تھے وہ، کتنا صبر آزما عزم تھا ان کا، اللہ اور اپنے رسول سے کیسی والہانہ عقیدت تھی ان کو۔

حضرت علی چل رہے تھے دن کے اجالے میں بھی اور رات کے سناٹے میں بھی نہ بھوک ان کے قدموں میں بیڑی ڈالتی نہ پیاس، جسم کی چستی پر اثر ڈالتی دن میں اوپر سے چلچلاتی دھوپ اور نیچے تپتی ہوئی ریت ہوتی، پیروں میں آبلے پڑ جاتے ــــــــ رات میں درندوں کی خوفناک ڈھاریں سنائی پڑتیں اور ہر طرف بھیانک سناٹا ہوتا۔ راستہ میں کوئی مونس ملتا اور نہ کسی طرف کوئی غمخوار نظر آتا مگر اللہ کا شیر ہر فکر سے آزاد تھا۔

مولیٰ علی آگے بڑھ رہے تھے ــــــــ وصالِ یار کی خواہش میں

لقائے محبوب کی تلاش میں اور پیارے رسول کے شوق دیدار میں ــــــــ یہ ہجرت خالصاً اللہ کے لیے تھی اور اللہ کے رسول کی محبت میں تھی۔

سریر نبوت کے آخری تاجدار کا نورانی قافلہ تپتے ہوئے ریگ زاروں اور کبھی ہنستے ہوئے مرغزاروں سے گذر رہا تھا ــــــــ تاریکی کا دامن چیر کر کتنی بار رنگین صبحیں نمودار ہوئیں اور دامن سمیٹ کر شام کی لہروں میں گم ہو گئیں۔ وقت گذرتا گیا اور منزل قریب آتی گئی۔

رسول اللہ کو اہل مدینہ کے اضطراب کا خیال تھا۔ وہ آپ کے انتظار میں ایک ایک گھڑی انگلیوں پر گن رہے تھے۔ دوسری طرف انتہائی دشوار راستے کو پیدال طے کرتے ہوئے تیز گامی سے مدینہ کی طرف بڑھنے والے صالح نوجوان کی آمد آمد کا آپ کو بے چینی سے انتظار تھا۔

قبا میں نزول: خدائی حصار میں چلنے والا مقدس قافلہ تین سو میلوں کی کٹھن راہ طے کر کے اب مدینہ کی سرحد میں داخل ہو رہا تھا۔ مدینہ کے قریب ایک ٹیلے پر چھوٹا سا گاؤں آباد تھا جو قبا کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سے مدینہ کا فاصلہ صرف تین میل رہ جاتا ہے۔ اس گاؤں کے بھی چند معزز گھرانے اسلامی رشتے میں منسلک ہو چکے تھے۔ قبا کے دامن سے پیغمبر کی سواری گذرنے والی تھی اس لیے قبا کا ہر باشندہ گرد کی اوٹ سے ظاہر ہونے والے سوار پر کڑی نظر رکھتا تھا آج جوں ہی تین اونٹنیوں کا مختصر قافلہ مکہ کے افق سے ظاہر ہوا دیکھنے والے نے شور مچایا وہ دیکھو! مقدس رسول ہمارے درمیان آپہونچے۔ ہر طرف سے بھیڑ اکٹھا ہوئی اور ہر

عقیدت مند خدمت کی زمین چوم کر تشریف ارزانی کا طالب ہوا۔ گویا قبا کے باشندے اپنے نبی کی بارگاہ رحمت میں کاسۂ گدائی لیے کھڑے تھے۔ غالب کی زبان میں ؂

دست گدا نواز کی جنبش کا منتظر

مدت سے ہوں ہاتھ میں کاسہ لیے ہوئے

اہل قبا کا نصیبہ جاگ اٹھا اس لیے کہ باعث تخلیق کائنات سفر ہجرت کی برکتیں اٹھ جانے کے پہلے ان کا مہمان تھا۔ ان کی خوشی کا حال کچھ نہ پوچھئے وہ اپنا سب کچھ بھول کر اپنے محبوب پیغمبر کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ صبح سے شام تک عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا اور پیارے نبی سے دین سیکھنے میں لوگ مصروف نظر آتے۔

پاک و بے ہمتا پروردگار کی عبادت کے لیے برگزیدہ رسول کے مقدس ہاتھوں سے روئے زمین پر جس مسجد کی سب سے پہلے بنیاد پڑی وہ اسی قبا کی مبارک مسجد ہے۔ قبا کے اندر چودہ دنوں کے مختصر قیام میں تعلیم و تربیت کا سلسلہ بھی تھا اور تنظیم و تعمیر کا بھی۔ تعلیمات نبوی کا دائرہ گوشہ اور چلہ تک محدود نہیں ہوتا۔ نبی صالح افراد کے ذریعہ ایک ستھرا معاشرہ برپا کرنا چاہتا ہے۔ لہذا اس کے لیے جن عناصر کی ضرورت ہوتی ہے وہ سارے محاسن اسی کی ذات میں اکٹھا ہوتے ہیں اور وہ قوم کی بگڑی ہوئی گاڑی سے کل پرزوں کا انتخاب کرتا ہے جو تحریک اسلامی کی نئی گاڑی میں فٹ کر دینے کے بعد اس کی بقا اور

استحکام کی ضمانت بن جاتے ہیں یہ فیضان نبوی ہی تو تھا کہ عرب کی جاہل اور بدو قوم عالمی امن کا پیغام لے کر بگولے کی طرح اٹھی اور نصف صدی میں عرب وعجم پر بادل بن کر چھا گئی۔

نبی کے ٹریننگ سنٹر سے پاس ہو کر نکلنے والے ہر مومن کا اصل کمال یہ ہوتا کہ وہ مشکلات کی نازک ترین گھڑی میں بھی اپنا قدم قانون کے دائرہ سے باہر نہیں نکالتا۔ یہی وجہ تھی کہ اگر ایک طرف اس کی شجاعت وبصالت حریفوں سے اپنا لوہا منواتی ہے تو دوسری طرف خداترسی کی پاک و بے ریا زندگی تلوار اٹھنے سے پہلے سرکشوں کی گردن جھکا دیتی ہے ۔

دُر فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
اللہ اللہ کیا نظر تھی جس نے مردہ کو مسیحا کر دیا

مدینہ میں اسلام : سوید بن صامت مدینہ کا پہلا شخص ہے جو اسلام سے متاثر ہوا۔ یہ قادر الکلام شاعر اور نامی شہسوار تھا مکہ پہونچنے پر اسے حضور کی نبوت کا حال معلوم ہوا تو خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس بہت عمدہ کلام ہے اگر اجازت ہو تو آپ کو سناؤں چنانچہ آپ کی اجازت سے اس نے صحیفہ لقمان پڑھ کر سنایا ــــــــــ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں قرآنی آیات تلاوت فرمائیں۔ آپ کی زبان مبارک سے آیات قرآنی سن کر پکار

اٹھا۔ ان ھذا القول حسن ، بے شک یہ کلام خوبتر ہے۔ دوسرا نوجوان ایاس بن معاذ تھا۔ یہ ایک وفد کے شامل مدینہ سے آیا تھا۔ وفد کا مقصود قریش سے کچھ اپنے معاملات طے کرنا تھا۔ جب رسول اللہ نے وفد کے سردار ابوالحسیر کے سامنے اسلامی دعوت پیش کی تو یہی کمسن نوجوان بول اٹھا۔ هٰذَا وَاللهِ خَيْرٌ مِّمَّا جِئْتُمْ بِهٖ تم جس غرض کو لیکر یہاں آئے ہو بخدا یہ اس سے زیادہ بہتر ہے ـــــــــ ابوالحسیر تجربہ کار شخص تھا وہ سمجھ رہا تھا کہ اگر ہم نے اس طرف کوئی توجہ دی تو قریش سے ہمارا معاملہ بگڑ جائے گا۔ لہذا وہ خوبصورتی سے ٹال گیا۔

افسوس یہ دونوں نوجوان مدینہ لوٹ کر اسلام کی کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہ دے سکے چونکہ دونوں ہی بہت تھوڑے دنوں بعد جنگ بعاث کی لپیٹ میں آ کر دنیا سے رخصت ہو گئے۔ البتہ مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دونوں ہی ایمان اپنے گوشۂ دل میں محفوظ لے گئے۔ اور ان دونوں کو اہل مدینہ میں اوّلیت کا شرف حاصل ہوا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

نبوت کے گیارہویں سال حج کے موقع پر جو گروہ مکہ آیا اور جس سے رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلامی کے موضوع پر تفصیلی گفتگو ہوئی اس میں یہ چھ اشخاص خصوصیات کے حامل ہیں جنہوں نے آپس میں یہ تبادلۂ خیال کیا تھا کہ یقینا یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں یہود ہمیں طعنے دیتے ہیں کہ جب نبی آخر الزماں ظاہر ہوگا تو ہم اس کا ساتھ دیکر تم کو زیر کرلیں گے اب تو ہم ان کو ہرگز بڑھنے نہ دیں گے۔

قبیلہ خزرج کے وہ چھ مقبولان بارگاہ یہ ہیں۔(۱) ابو الہشم بن یتہان (۲) اسعد بن زرارہ (۳) عوف بن حارث (۴) رافع بن مالک (۵) قطبہ بن عامر (۶) جابر بن عبداللہ۔ ان کی واپسی کے بعد مدینہ کا رنگ بدل گیا۔ اوس و خزرج کے گھرانوں میں رسول اللہ کا تذکرہ ہونے لگا اور نبی کا تذکرہ سن سن کر لوگوں کے دل اسلام کی طرف جھکنے لگے۔

نبوّت کے بارہویں سال بارہ افراد کا وفد مکہ پہونچا جنمیں مدینہ کے ہوشمند لوگ شامل تھے۔ انہوں نے باضابطہ پیغمبر اسلام کے مبارک ہاتھوں پر بیعت کی اور اہل مدینہ کی تعلیم و ہدایت کے لئے ایک اچھے معلم کی درخواست بھی پیش کی چونکہ حج کے موقع پر منیٰ کے میدان میں عقبہ گھاٹی کے قریب چُھپ کر یہ بیعت کی گئی تھی اس لئے بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو خوش آواز، خوش مزاج اور زیرک و دانا شخص تھے رسول اللہ نے فریضہ دعوت و تبلیغ کی ذمہ داری سونپ کر انہیں ارکان وفد کے ساتھ مدینہ روانہ فرمایا۔ یہ کوئی چلہ یا چلت پھرت کا کوئی ڈرامہ نہیں تھا بلکہ یہ عہد رسالت کا دستور تھا کہ جب کہیں غیر مسلموں میں دینی دعوت یا نومسلموں میں دینی تعلیم کی ضرورت ہوتی تو حفاظ قرآن صحابہ کو یہ خدمت سُپرد کی جاتی تھی۔ واضح رہے کہ یہ حفّاظ قرآن کے مطالب پر گہری نظر اور دین کا بہترین فہم رکھنے والے ہوتے تھے کیونکہ دعوت و تبلیغ جاہلوں کا حصّہ نہیں ہے۔

اس وفد کی واپسی کے بعد مدینہ میں اسلام کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ حضرت

مصعب بن عمیر نے جناب سعد بن زرارہ کے مکان میں قیام کیا اور لوگوں سے گھل مل کر اپنا مشن جاری فرمایا چنانچہ چند ہی مہینوں کے بعد مدینہ کے دو سربراہ ایک سعد بن معاذ اور دوسرے اسید بن حضیر دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔ ان دونوں کے قبول اسلام کے بعد انصار کے ہر گھر میں اسلام کے داخلہ کے لئے دروازہ کُھل گیا۔

نبوّت کے تیرہویں سال حج کے دنوں میں حضرت مصعب بن عمیر کے زیر قیادت ستّر آدمیوں کی جماعت مکہّ پہونچی اور اسی منیٰ کے میدان میں رات کے وقت عقبہ گھاٹی کے قریب اپنے محبوب پیغمبر کی زیارت سے مشرف ہوئی اس مرتبہ ان سبھوں نے تن، من، دھن سے اسلام اور پیغمبر اسلام پر فدا ہو جا نے کا عہدو پیماں باندھا اور کھُلے دل سے نبی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔

بیعت کے لئے لوگوں کا جذبہ مسابقت دیکھ کر حضرت عباس بن عبادہ نے کہا، لوگو! خوب سوچ لو یہ بیعت عرب وعجم سے جنگ کا پیمان ہے۔ لوگوں نے حمایت حق کے جذبہ سے سرشار ہوکر جواب دیا۔ بے شک ہم دین حق کے لئے ہر چیز کی قربانی منظور کرتے ہیں۔ اس بیعت کو بیعتِ عقبہ ثانیہ کے نام سے اہل تاریخ ذکر کرتے ہیں اور آج بھی بطور یادگار اس مقام پر مسجد عقبہ موجود ہے۔

اس موقع پر بیعت کرنے والوں کے دل میں ایک خطرہ یہ گذرا کہ آج ہم ہر قسم کی مشکلات کا سامنا کر کے رسول اللہ کا ساتھ دے رہے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ غلبہ حاصِل ہوجانے کے بعد حضور اپنی قوم میں لوٹ آئیں انہوں نے عرض کیا

ـــــــــــ یارسول اللہ! ہمیں اپنے حلیفوں کو چھوڑنا ہوگا اور جن لوگوں سے ہمارے دوستانہ روابط ہیں ان سے بھی رشتہ توڑنا ہوگا ایسا کر چکنے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ آپ کے اوپر فتح کے دروازے کھول دے اور آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں واپس آجائیں گے تو پھر ہمارا کیا حال ہوگا؟

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سادہ لوحی پر مسکرائے اور ارشاد فرمایا ـــــــــــ لوگو! تمہارا غلط خیال ہے، تمہارا خون ہمارا خون ہے، تمہارا دشمن ہمارا دشمن ہے اور جس سے تمہاری صلح ہے اس سے میری صلح یہ صحیح ہے کہ فتح مکہ کے بعد قیام مکہ میں کوئی رخنہ نہ تھا۔ اگر حضور مع اصحاب مہاجرین مکہ میں رہ جاتے تو پھر مدینہ کی کیا اہمیت باقی رہ جاتی ـــــــــــ مگر حضور تو حضور کسی مہاجر نے بھی یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ مکہ دوبارہ آکر سکونت اختیار کرے ـــــــــــ مدینہ طیبہ کو نہ صرف یہ کہ ایک عرصہ تک اسلامی سلطنت کے مرکز ہونے کا شرف حاصل رہا بلکہ روئے زمین کا افضل ترین روحانی مرکز آج بھی ہے۔

رضواں ترا فردوس مبارک ہو تجھی کو

سرکار جہاں ہیں مری جنت تو وہیں ہے

یوں تو بیعت عقبہ اولیٰ کے بعد ہی سے صحابہ ایک ایک دو دو کر کے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کرنے لگے تھے مگر بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد ہجرت کرنیوالوں کی رفتار تیز ہوگئی۔ چونکہ اسلام کے لئے اہل مدینہ کے دلوں کا دروازہ کھل چکا تھا اور آثار و قرائن بتا رہے تھے کہ تحریک اسلامی کا نیا مرکز مدینہ ہی

بننے والا ہے۔ مدینہ میں جوں جوں مہاجرین کی تعداد بڑھ رہی تھی اسلامی اسپرٹ تیز ہو رہی تھی۔ اب اوس و خزرج ہی نہیں بلکہ بنو نظیر اور بنو قریظہ بھی اسلامی عظمت کے نقوش قبول کرنے پر مجبور تھے وہ بارہ نقباء جو بیعت عقبۂ ثانیہ کے موقع پر ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے پوری تن دہی سے اپنے منصب جلیلہ کی ذمہ داری نبھانے میں مصروف تھے۔ ان کی کوششوں سے مدینہ میں ہر روز اجالا بڑھ رہا تھا۔

حضور قبا میں مقیم تھے اور انہیں ہر لمحہ حضرت علی کی آمد آمد کا انتظار تھا ــــــ کتنا خوش نصیب تھا وہ آنیوالا کونین کا تاجدار جس کے لئے سراپا شوق بن کر راہ دیکھ رہا تھا ــــــ دوسری طرف حضرت علی کا حال کچھ نہ پوچھئے وہ افتاں و خیزاں مدینہ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ وصال یار کی تڑپ دل میں ایسے کچو کے لگا رہی تھی کہ دم لینے کے لئے بھی نہ بیٹھتے۔ تکان دُور کرنے کا خیال تک سامنے نہ آتا۔ کھانے پینے کی خواہش بھی بہت دور پیچھے چھوٹ گئی تھی وہ جلد سے جلد سرکار کے ظل ہمایونی میں پہونچ جانا چاہتے تھے۔

قبا کے باشندے اتنا جانتے تھے کہ سرکار کو مکہ سے کسی آنیوالے کا انتظار ہے اسلئے وہ اپنے گھروں سے نکلتے تو ان کی نگاہیں مکہ کی راہ پر کسی کو ڈھونڈتی تھیں مدت کا تھکا ہارا مسافر جونہی قبا کی سرحد میں داخل ہوا۔ لوگوں نے دوڑ کر حضور کو اطلاع دی کہ مکہ کی سمت سے کوئی آتا دکھائی دیتا ہے۔ حضور باہر تشریف لائے اور چند قدم بڑھے۔ آنیوالا اب قریب آچکا تھا سرکار کے رُخ پُرنور کی چاندنی پر

نظر پڑتے ہی دل کا سارا اضطراب جاتا رہا۔

حضرت علی شیر خدا، وارفتگی، شوق میں بے تحاشا دوڑ کر سرکار کے قدموں میں جا گرے یہ کوئی شرک نہ تھا ـــــــــ محبت کا اظہار تھا، عقیدت کا خراج تھا اور سچّی غلامی کا اقرار تھا، مولیٰ کی عقیدت کا یہ انداز اب صرف خانقاہ کی دہلیز پر نظر آتا ہے۔

قبا سے مدینہ کی طرف : ۸؍ ربیع الاوّل جمعرات کو قبا میں وردو ہوا تھا۔ ۱۴؍ دنوں قیام کرنے کے بعد ۲۳؍ ربیع الاوّل جمعہ کو رحمت بردوش پیغمبر کی سواری قبا سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئی ـــــــــ دائیں جانب صدیق اکبر، بائیں جانب علی مرتضیٰ اور آگے آگے اونٹنی کی نکیل تھامے عامر بن فہیرہ تھا، سامنے آپ کے ننھیالی رشتہ دار ہتھیار سجائے آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے اور پشت پر باشندگان قبا کی قطاریں تھیں۔

آمنہ کا گیسو دراز شہزادہ جوں جوں مدینہ سے قریب ہو رہا تھا۔ اہل مدینہ کا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔ آج کے دن صرف ایک شخص دل گرفتہ تھا اور وہ حضرت عمرو بن عوف تھے جنہیں رسول اللہ اور چند دیگر مہاجرین کی میزبانی کا شرف حاصل رہا تھا۔ وہ گھر جو رسول اللہ کی پہلی ہجرت گاہ بنا تھا آج سُونا پڑا تھا اس لئے مکان کے ساتھ مکین بھی ملول خاطر تھا۔

مدینہ کی ہر صبح انتظار بن کر طلوع ہوتی۔ بوڑھوں کی جماعت گھر سے نکلتی تو مکہ کی راہ دیکھتی، جوانوں کی ٹولی شہر سے باہر تک جا کر انتظار کرتی بچوں کا

گروپ ہمارے نبی آرہے ہیں، ہمارے نبی آرہے ہیں کا شور مچاتا۔ آج بھی انتظار کی گھڑیاں گذار کر لوگ اپنے گھروں کو واپس ہو چکے تھے اچانک قریب کے ٹیلے سے اک آواز آئی ـــــــــ مسلمانو! جس کا تمہیں انتظار تھا وہ آ گیا ـــــــــ یہ ایک یہودی کی آواز تھی جو سامنے کی پہاڑی سے بلند ہو رہی تھی۔

اس پکار پر مدینہ میں ایک کھلبلی مچ گئی۔۔ بوڑھے ڈنڈوں کے سہارے نکلے جوان ہتھیار سج کر باہر آئے۔ بچے قلانچیں مارتے ہوئے دوڑے لڑکیاں دف بجاتی ہوئی گلیوں میں نکل آئیں اور عورتیں جھروکوں پر آ کر کھڑی ہو گیئں ـــــــــ یہود بھی دور دور سے قطاروں میں کھڑے ہو گئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

مدینہ کے دامن میں بنوسالم کا محلہ آباد تھا۔ سرکار کی سواری جب یہاں پہونچی تو دو پہر ڈھل چکی تھی سواری سے اتر کر سرکار کھجوروں کے سائے میں ٹھہر گئے۔ جوان، بوڑھے اور بچے غول کے غول یہاں پہونچ آئے وہ ایک دوسرے پر سبقت کر کے آگے بڑھتے مگر آنکھوں کی تشنگی دور نہ ہوتی کیوں کہ وہ اپنے نبی کو پہچانتے نہ تھے ـــــــــ سادہ عمامہ، عربی دوشالہ اور نیچا کرتا سبھوں کا یکساں تھا وہ کیسے پہچانتے کہ ان میں امّت کا نجات دہندہ کون ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق نے عشاق کے دلوں کی کسک محسوس کر لی۔ ساتھ ہی ساتھ کھجور کے درخت کی پتیوں سے چھن کر آنیوالی سورج کی شعاعیں بھی رخسار عالمتاب کو چھو رہی تھیں اس لئے حضرت صدیق نے سر مبارک کے اوپر یمنی چادر

تان کر سایہ کر دیا ـــــــ مدّت کی پیاسی نگاہیں اب پہچان رہی تھیں کہ کائنات کے لئے ابدی سعادت کا پیغام لے کر آنیوالا رحمت شعار پیغمبر یہی ہے۔

آج جمعہ کا دن تھا۔ دوپہر ڈھل چکی تھی ـــــــ ترک وطن کر کے آنیوالے تمام مہاجرین محلہ بنوسالم میں موجود تھے۔ قبا کے باشندے بھی آج یہاں اکٹھا تھے۔ اہل مدینہ میں اوس وخزرج کے سبھی چھوٹے بڑے پرے باندھے کھڑے تھے۔۔ حضور نے ایک اونچی جگہ کھڑے ہو کر خدا کی حمد وثنا، کتاب و سنت کی پیروی اور سزا وجزا کے موضوع پر نہایت فصیح وبلیغ خطبہ دیا، خطبہ کے چند میٹھے بول یہ تھے۔

ساری تعریف اللہ کے لئے ہے جو لائق حمد وثناء ہے اسی کی نصرت کا میں امیدوار ہوں دلوں کی شرارت اور اعمال کے نقائص دور کرنے والا بھی وہی ہے جسے وہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ محروم کر دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ عبادت وبندگی میں کوئی اس کا شریک وساجھی نہیں۔

لاریب! بہترین بیان، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، جس کسی نے انسانی بیانات پر اس کو ترجیح دی اور اپنے لئے محبوب رکھا اس نے فلاح پائی، تم ان ہی چیزوں سے رغبت رکھو جو اللہ کو پسند ہیں ـــــــ خبردار! کلام اللہ سے

غافل نہ ہو جانا۔ اس کے غضب سے بچو اور ایک دوسرے
کے ساتھ محبت کا رشتہ استوار رکھو تاکہ رحمت خداوندی کے
مستحق بن جاؤ۔ بے شک اللہ عہد توڑنے والوں پر بڑا
غضب فرماتا ہے (سیرت ابن ہشام جلد ۲ ۔)

خطبہ کے یہ الفاظ مختصر مگر کتنے جامع ہیں ـــــــ خدا کی وحدانیت، اس کی شان ربوبیت اسلام کی عظمت، قرآن کی برکت اور عبادت و معاملات سبھی کچھ کی تعلیم موجود ہے۔ حضور کا ہر خطبہ ایک جامع نظام زندگی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور اس کا ایک ایک جملہ خدا ترسی، خیر سگالی اور خلوص باہمی کا درس دیتا ہے۔

خطبہ ختم کر کے حضور مصلیٰ پر تشریف لائے اور انصار و مہاجرین پیچھے صف بصف کھڑے ہو گئے ـــــــ امام امام الانبیاء تھا اور مقتدی خیر الامم، مدنیہ کی دھرتی کو ابتک ایسی مبارک و مسعود پیشانیوں کا سجدہ نصیب نہ ہوا تھا۔ ایسی پیشانی جس پر فروغ اسلام کی تاریخ کندہ تھی۔ وہ پیشانی جس پر فلاح عقبیٰ کا طغرا مرقوم تھا ـــــــ اسلامی تاریخ کی یہ سب سے پہلی نماز جمعہ تھی جو پیغمبر آخر الزماں نے بنوسالم کے محلہ میں ایک کھلی جگہ پر ادا فرمائی ـــــــ آج تک وہاں بطور یادگار مسجد جمعہ قائم ہے۔

مدینہ میں قیام : نماز جمعہ کے بعد حضور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے انصار قطاروں میں بٹ کر دو رویہ کھڑے ہو گئے مہاجرین حلقہ باندھ کر

ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ حضور کی سواری اب وسط شہر سے گذر رہی تھی، دونوں طرف انصار کے مکانات تھے۔گویا مقدس مہمان وفا شعار میزبانوں کے درمیان سے گذر رہا تھا۔

بازاروں کی ہمہ ہمی، میلوں کی بھیڑ بھاڑ، جلوس وجشن کی ہنگامہ آرائی تو اہل مدینہ نے بار ہا دیکھا تھا۔لیکن روحانی اقتدار کا اتنا للکارتا ہوا منظر مدینہ کے بام ودَر نے کبھی نہ دیکھا تھا ــــــــــ خرد سال بچے قلابازیاں کھا رہے تھے۔کمسن بچیاں ترانے گا رہی تھیں۔عورتیں جھروکوں سے سلامی دے رہی تھیں۔جوان مست و بے خود نظر آرہے تھے۔بوڑھے اپنی خوبی قسمت پر ناز کر رہے تھے۔

اللہ اللہ! کتنی سہانی گھڑی تھی وہ جب مدینہ کا نصیبہ جاگا تھا ــــــــــ گلی کے سنگریزے مچل رہے تھے، ذروں میں ولولہ شوق پیدا ہو گیا تھا، بام ودر کے دل دھڑک رہے تھے، شاہ راہ کا سر اونچا ہو گیا تھا ہواؤں کے دوش پر خوشی کے احساسات رقص کررہے تھے اور اہل مدینہ کی آنکھیں رخسار نبوت کی چاندنی سے ٹھنڈی ہو رہی تھیں۔

ہر دل کی تڑپ سرکار کو اپنا مہمان بنانا چاہتی۔ہر آنکھ کی چمک حضور کی خدمت گذاری کے جذبے سے سرشار نظر آتی۔کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کے سامنے سے آقا کی سواری گذرتی اور گھر کا مالک دل میں ارمانوں کی دنیا بسائے ہوئے سواری کے سامنے آکر کھڑا نہ ہو جاتا ــــــــــ یعنی ہر طرف سے

درخواستیں برس رہی تھیں اور دعوتوں کا نہ ٹوٹنے والا ایک سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔

طبیعت حد درجہ حلیم، مزاج نہایت پاکیزہ اور سلیم، زبان بخشش وعطا کا بحر بیکراں، سینہ خلوص ومحبت کا اتھاہ ساگر ــــــــ کس کی عرضی قبول کریں اور کس کی درخواست رد فرمائیں سرکار کے عجیب کشمکش کا عالم تھا۔

بالآخر اشارہ غیبی پا کر آپ نے اعلان کر دیا ــــــــ لوگو! اونٹنی کی نکیل چھوڑ دو وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں وہ ازخود بیٹھ جائے گی وہاں میرا قیام ہوگا ــــــــ اب کسی کی دل شکنی کا اندیشہ نہ رہا اور لوگوں کے لئے عرض و معروض کا کوئی راستہ بھی نہ رہا۔ اونٹنی بدستور آگے بڑھتی رہی اور عشاق کے دلوں میں تمنائیں کروٹ بدلتی رہیں ــــــــ جس عاشق دلگیر کا در دولت پیچھے چھوٹ گیا تھا وہ بھی حسرت بھری نظروں سے اونٹنی کے قدم تک رہا تھا کہ دیکھیں آج کس انصاری کا نصیب ہمدوش ثریا ہے۔ سبحان اللہ! وہ کیا منظر رہا ہوگا جب ایک اونٹنی کی نکیل قدرت کے ہاتھ میں تھی اور امید وشوق بھری ہزاروں نگاہیں اس کے قدم پر جمی ہوئی ہوں گی۔

کون سی طاقت اونٹنی کا نکیل کھینچے لئے جا رہی تھی اسے جاننے کے لئے کتابوں کی ورق گردانی کیجئے اور زمانہ نبوی سے ایک ہزار سال پیچھے کا یہ واقعہ تاریخ کے صفحات پر پڑھئے ــــــــ عہد رسالت سے ایک ہزار سال پہلے یمن کا بادشاہ تبع اوّل حمیری تھا ــــــــ کہتے ہیں کہ یہ بادشاہ رنگین مزاج شوقین طبیعت اور سیاحت پسند تھا۔ ایک بار وہ بارہ ہزار علماء وحکما، ایک لاکھ

تیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ تیرہ ہزار پیادوں کے ساتھ یمن سے روانہ ہوا۔

دنیا کی آبادی کے تناسب سے یہ کوئی معمولی جمعیت نہ تھی، جہاں کہیں سے یہ جم غفیر گذرتا تماشائیوں کی ٹھٹھ لگ جاتی۔ لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کو دور دور تک ہجوم کے ساتھ ہو جاتے ـــــــ مختلف بلاد و امصار کی سیاحت کرتا ہوا جب یہ جم غفیر مکہ پہونچا تو وہاں کوئی ہلچل نہ مچی اور نہ لوگ ـــــ اپنے کاموں کو چھوڑ کر اسے دیکھنے آئے۔

اہل مکہ کی یہ بے اعتنائی بادشاہ کے لئے حیرت کا سبب بنی اور اس نے اپنے مصاحبین سے اس کی وجہ دریافت کی، لوگوں نے عرض کیا ـــــــ جہاں پناہ! اس شہر میں ہزاروں سال پہلے سے حضرت ابراہیم پیغمبر کا بنایا ہوا ایک مبارک گھر ہے جسے بیت اللہ کہتے ہیں۔ اس کے حدود کی بیحد تعظیم کی جاتی ہے۔ دور دراز علاقوں سے سال میں ایک بار لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں جن کی تعداد آپ کے لشکر سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا لشکر ان کی توجہ کا مرکز نہ بن سکا۔ زائرین حرم شہر والوں کے ساتھ عقیدت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ ان کی خدمت میں بیش قیمت تحائف اور نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اس لئے آپ ان سے عقیدت مندانہ سلوک کی امید نہ رکھئے۔

کعبہ کی عظمتوں کی یہ تاریخ معلوم کر کے بادشاہ کے اندر کا عفریت جاگ اٹھا۔ اس نے تہیّا کر لیا کہ بیت اللہ کو مسمار کروں گا مکہ کے باشندوں کو چن چن کر قتل کر ڈالوں گا۔ اور شہر کا نام و نشان مٹا کر قدم آگے بڑھاؤ نگا شاہی حکم سے

لشکر نے لمبے عرصہ کے لئے پڑاوٗ ڈال دیا۔

دوسرے دن خانہ کعبہ اور اہل مکہ کے خلاف کوئی تدبیر بروئے کار نہ لائی جاسکی چونکہ آج بادشاہ کی طبیعت ناساز تھی ــــــــــ تیسرے دن بادشاہ کی علالت زور پکڑ گئی، بیماری کی نوعیت عجیب تھی، ناک، کان اور آنکھوں سے خون کے قطرے برابر آرہے تھے۔ نامور اطبّا، بادشاہ کے ہمرکاب تھے۔ مگر وہ مرض سمجھنے سے قاصر تھے۔ علاج کے ساتھ ساتھ بیماری برابر بڑھ رہی تھی۔

دودنوں کے بعد منہ سے خون کی قے آنے لگی اور بادشاہ کروٹ بدلنے کے لائق نہ رہا تو گردہ علماء کے سب سے بڑے عالم ربانی جو بادشاہ کے ہمرکاب تھے عیادت کو تشریف لائے اور نبض پر ہاتھ رکھکر فرمایا کہ مرض آسمانی ہے اور علاج زمین کا ہورہا ہے ــــــــــ بادشاہ کے مصاحبین انکی گفتگو سے سخت حیران ہوئے۔

عالم ربّانی نے کہا ــــــــــ اے بادشاہ! یہ مرض نہیں، عذاب الٰہی ہے کوئی علاج آپ کے لئے سودمند نہ ہوگا ــــــــــ عذاب آسمانی سے نجات کے لئے خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری کے ساتھ دُعا مانگنی ہوگی، قبولیت دعا کے لئے ضروری ہے کہ اگر آپ نے کوئی برا ارادہ فرمایا ہے تو صدق دل سے توبہ کیجئے اور اس کے بدلے خیر کثیر اور نیکی کا ارادہ فرمائیے۔ ہم سب بھی آپ کے لئے دعا گوئی میں مشغول ہوں گے۔

عالم ربّانی کی ہدایت پر بادشاہ نے عمل کیا ــــــــــ اپنے ارادۂ بد سے توبہ کی کعبہ پر بیش قیمت غلاف چڑھانے کی نذر مانی، اور بارگاہ احدیت میں

صحت کے لئے رو رو کر دُعا مانگی، کل علماء اور سارے لشکری دعاء خوانی میں مشغول رہے ــــــ خون کا سیلان بند ہو گیا۔ جسم میں قوت عود کر آئی۔ چہرے پر شگفتگی دیکھی جانے لگی، چند دنوں میں بادشاہ بھلا چنگا ہو گیا۔

صحت یابی کے بعد بیت اللہ کی عقیدت بادشاہ کے دل میں جگہ پا گئی ــــــ صحت کی خوشی میں بادشاہ نے جشن کا اعلان کیا۔ اس موقع پر پُر تکلف دعوتوں کا اہتمام ہوا۔ کعبہ شریف پر عمدہ ریشمی غلاف چڑھایا گیا۔ قریشیوں میں سات سات اشرفیاں اور سات سات قیمتی جوڑے تقسیم کیے گئے۔ سات دنوں تک جشن بہاراں کی کیف آور صبح و شام سے اہل مکہ لطف اندوز ہوتے رہے، کعبہ کی سج دھج اور بیت اللہ کی آرائش بھی قابل نظارہ تھی۔

یمنی تاجدار تبع حمیری کا کارواں اب مکہ سے کوچ کر رہا تھا ــــــ کوہستانی راستوں کو روندتا ہوا یہ کارواں یثرب کی سرحد میں داخل ہوا، مکہ اور یثرب کے درمیان لمبا قیام نہیں ہوا تھا۔ یہاں کے بعد کارواں کو سیدھے یمن پہونچنا تھا اس لئے یثرب کی آبادی میں قافلے کا باضابطہ قیام ہوا۔

روانگی سے چند روز قبل بڑے عالم ربانی کی قیادت میں چار سو علماء جو بادشاہ کے ہمرکاب تھے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمیں یہاں مستقل قیام کی اجازت دی جائے اور ساتھ یمن چلنے پر مجبور نہ کیا جائے ــــــ بادشاہ کو اس درخواست پر تعجب ہوا اور اس نے اس کا سبب دریافت کیا۔

عالم ربّانی نے جواب دیا ــــــ اوّلین و آخرین کے سردار پیغمبر

آخرالزماں مکہ مکرمہ میں پیدا ہوں گے۔ اور یہ شہران کی جائے ہجرت ہوگا۔ اس زمین کو ان کے قدوم کی برکت حاصل ہوگی اور یہیں سے ان کا پاکیزہ دین پوری دنیا میں پھیلے گا۔ اور اسی مقدس آبادی میں ان کی دائمی آرام گاہ ہوگی۔

ہم ان کے شوق دیدار میں یہیں ٹھہریں گے۔ اگر ہمیں یہ شرف زندگی میں حاصل نہ ہوسکا تو ہماری قبروں کی مٹی کو ان کی گرد راہ بننے کا شرف ضرور حاصل ہوگا ــــــــ عالم ربّانی نے بادشاہ کے آسمانی مرض کی تشخیص کی تھی اس لئے انہیں وہ ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر اپنی مرضی پر اس نے ان کی خواہش کو ترجیح دی اور نہ صرف یہ کہ ان سبھوں کو اجازت مرحمت فرمائی بلکہ اُن کی رہائش کے لئے چارسو مکانات تعمیر کرائے۔ اور گذر اوقات کے لئے ضروری سامان بھی مہیّا کیا۔

دو منزلہ مکان جو زمانہ ہجرت میں حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی تحویل میں تھا، کہتے ہیں کہ تبع حمیری نے اسے ان ہی بڑے عالم ربانی کے لئے تعمیر کرایا تھا۔ اور یہ وصیت کی تھی کہ جب پیغمبر آخرالزماں ہجرت فرمائیں تو اسی مکان میں ان کا قیام ہوگا۔ حضرت ابوایوب انصاری ان ہی عالم ربانی کی اولاد میں تھے دیگر انصار بھی ان ہی علماء کی اولاد بتائے جاتے ہیں ــــــــ اتنی بات پر تو اہل تاریخ متفق ہیں کہ یثرب کے قدیمی باشندے یہود ہیں۔ انصار نسلاً یمنی ہیں ان کے آباء اوس وخزرج بعد کو یہاں آکر آباد ہوئے۔

یمنی تاجدار تبع اول حمیری نے یثرب سے روانگی کے وقت پیغمبر آخرالزماں کے نام ایک مکتوب تیار کیا اور اسے سربمہر کر کے بڑے عالم ربانی

کے حوالہ کیا اور انہیں تاکید کی کہ یہ خط محفوظ رکھا جائے اور جب بھی پیغمبر آخر الزماں ظہور فرمائیں یہ مکتوب بصد ادب و احترام خدمت میں پیش کیا جائے۔ یہ تحریر ان بڑے عالم کی اولاد میں نسلاً بعد نسلٍ حرزِ جاں کی طرح محفوظ رہی اور ایک ہزار سال کے بعد حضرت ابو ایوب انصاری کی تحویل میں آئی تحریر کا مضمون یہ تھا۔

"کمترین مخلوقات تبع اول حمیری کی طرف سے سیّد المرسلین کی بارگاہ عالی وقار میں۔

امّا بعد! اے اللہ کے رسول میں آپ پر صدق دل سے ایمان لاتا ہوں اور کلام الٰہی جو آپ پر نازل ہوگا اس کی تصدیق کرتا ہوں اور میدان حشر میں آپ کی شفاعت کبریٰ کا امیدوار ہوں ــــــــ یا رسول اللہ! روز قیامت مجھ بے نوا کو فراموش نہ فرمائیے گا اس لئے کہ میں آپ کی پہلی امّت میں ہوں اور آپ کی آمد سے پہلے ہی بیعت کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے، پاک اور بے نیاز ہے اور بے شک آپ اللہ کے سچّے رسول ہوں گے،"

(حکایات الصّالحین)

بے نکیل اونٹنی خراماں خراماں چلی جا رہی تھی۔ اسے کسی دل کی دھڑکن کا احساس تھا اور نہ کسی سینے میں مچلتی ہوئی آرزوؤں کا خیال۔ وہ ایسی بے رخی سے

چل رہی تھی جیسے اسے کہیں بیٹھنا ہی نہ ہو۔مشیت کا عجیب تماشا تھا کہ آج سبھی ارباب عقول ایک بے شعور اونٹنی کے تابع تھے۔یہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی سے کم باکرامت اونٹنی نہ تھی۔

اچانک اونٹنی رُک گئی اور پھر اور چند قدم راستے سے ہٹ کر بیٹھ گئی۔ سامنے حضرت ایوب انصاری کا دومنزلہ مکان تھا۔وہ جوش عقیدت میں آگے بڑھے اور مسرّت بھرے انداز میں بولے ـــــــ یارسول اللہ! سامنے یہ غریب خانہ غلام ہی کا ہے۔تشریف لائیں ـــــــ حضور عاشقوں کی بھیڑ میں اندر تشریف لے گئے اور سفر کی سلامتی پر دو رکعت نماز شکرانہ ادا فرمائی۔

حضرت سعد بن عبادہ، حضرت سعد بن زرارہ، حضرت سعد بن معاذ، حضرت برا ابن معرور اور ایسے ہی دوسرے جلیل القدر اصحاب تھے جو شرف و بزرگی میں حضرت ایوب انصاری سے کسی طرح کم نہ تھے ـــــ لیکن آج میزبانی کا سہرا حضرت ابوایوب کے سر رہا۔سچ ہے اخلاص و وفا کا رنگ بھی بڑا پُرکشش ہوتا ہے۔دنیا حضرت ابوایوب کے نصیب پر رشک کرتی ہے لیکن درحقیقت بادشاہ یمن تبع حمیری کی ہزار سال دیرینہ آرزو ہی تھی جو آج اپنا رنگ دکھا رہی تھی ـــــــ اسی نیک دل بادشاہ نے یہ دومنزلہ مکان بنوایا تھا اور یہ وصیّت کی تھی کہ پیغمبر آخرالزماں کا بعد ہجرت یہاں قیام ہوگا۔

تاریک راہ زیست سہی ہم ہیں گام زن
ایک شمع آرزو کا اجالا لئے ہوئے

حضرت ایوب انصاری نے بادشاہ یمن کا خط اپنے خادم خاص ابولیلی کی تحویل میں بطور امانت دے رکھا تھا۔ آج زندگی میں جب پہلی بار رسول اللہ سے ان کا سامنا ہوا تو آپ نے فرمایا ــــــــ تو ہی ابولیلی ہے؟ شاہ یمن تبع اول حمیری کا خط پیش کرو۔ بے شک میں محمد خاتم پیغمبراں ہوں ــــــــ حضور کی زبان مبارک سے اپنا نام سن کر ابولیلی ششدرہ گیا۔ وہ حیران تھا کہ میرا نام حضور کو کیونکر معلوم ہوا۔ اور وہ خط جسے چاند وسورج کی آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ سرکار کو اس کی اطلاع کس طرح ہوئی۔ شاید ابولیلی کو معلوم نہ تھا کہ فلاسفروں کی عقل جہاں دم توڑ دیتی ہے، حکماء کا علم جہاں لنگ کھا جاتا ہے دانشوروں کی فراست جہاں مفلوج ہو جاتی ہے اور نجوم وقیافہ کا فن جہاں پر سوختہ دکھائی دیتا ہے وہاں علم نبوت کا پہلا قدم ہوتا ہے۔

ابولیلیٰ نے خدمت کی زمین چوم کر بادشاہ یمن کا خط پیش کیا۔ حضور مکتوب ہاتھوں میں لیکر اسے دیکھتے جاتے تھے اور نرگسی آنکھوں کی چمک دم بدم تیز ہوتی جاتی تھی ــــــــ یہ ایک ایسا مکتوب تھا جو ایک ہزار سال کے بعد مکتوب الیہ کے مبارک ہاتھوں میں پہونچا تھا اور کاتب مکتوب عشق کی جلوہ سامانیوں کے ساتھ تہہ خاک سویا تھا ــــــــ رسول اللہ نے بڑی محبت سے فرمایا، صالح بھائی تبع حمیری کو آفرین وشاباش ہے۔

مدینہ جو اسلامی دعوت وتبلیغ کا مرکز بنا، جہاں پہلے پہل اسلامی ریاست کی داغ بیل پڑی اور آگے چل کر جسے ہفت اقلیم کی راجدھانی کا اعزاز

بھی حاصل ہوا ـــــــ اسلام کی روشنی وہاں ہجرت کے کئی سال قبل پہونچ چکی تھی اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے۔ حضرت مصعب بن حمیر رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے وہاں اسلام کی جڑ گہری اتر چکی تھی۔

اہل مدینہ کی طرف سے حضور کو مدینہ آنے کی دعوت برابر پہونچ رہی تھی اور دن بدن یہ دباؤ اس لئے بھی بڑھ رہا تھا کہ مدینہ کے قدیمی باشندے یہود تھے۔ جن کے کئی محفوظ جنگی قلعے تھے اور گردونواح میں ان کی متعدد بستیاں تھیں۔ وہ دفاعی قوت میں انصار پر ہر طرح غالب تھے۔

یہود کو اوس وخزرج مشرک قبائل پر اس لئے بھی برتری حاصِل تھی کہ وہ ایک آسمانی دین کے قائل تھے ان کے پاس تورات کے مطابق کچھ اصلاح معاشرت کے قوانین تھے اور خدائے واحد کی عبادت کا تصوّر رکھتے تھے جبکہ اوس وخزرج اس اعتبار سے ناکندہ تراش تھے۔

یہود کی زبانی وہ سنا کرتے تھے کہ پیغمبر آخر الزماں کے ظہور کا زمانہ قریب ہے جب وہ اقصائے عالم پر ظاہر ہوگا تو ساری دنیا اس کے گرد سمٹ آئیگی اور وہ انفس وآفاق پر اپنی فتح کے پرچم لہرادے گا ـــــــ یہی وجہ تھی کہ ظہور نبوی پر مطلع ہوتے ہی انصار نے قبول اسلام میں سبقت کی ـــــــ انصار کے نمائندوں کے سامنے جب حضور نے پہلی بار اسلام کی دعوت پیش کی تھی تو انہوں نے اشاروں ہی اشاروں میں ایک دوسرے سے کہا تھا کہ ـــــــ یہ وہی نبی معلوم ہوتا ہے جس کی خبر یہود ہمیں دیتے ہیں۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ اسلام میں وہ ہم سے سبقت کر جائیں۔

اب جبکہ انصار کے پیہم اصرار پر سرورِ عالم مدینہ پہونچ آئے تھے تو ان کی دیوانگی کا عجیب عَالم تھا۔ دنیا کی تاریخ میں کِسی قائد ورہنما کی ایسی عقیدت نہ دیکھی گئی اور نہ سنی گئی۔ اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ بھی ان کا سلوک اپنی مثال آپ ہے ________ عقد مواخات کے ذریعہ حضور نے اتحاد باہمی کا یہ رشتہ اور بھی استوار فرما دیا۔

اسلامی اساس مضبوط کرنے اور تحریک اسلامی کو فعال بنانے کی پہلی کامیابی تدبیر عقد مواخات تھی اور دوسری کامیاب کوشش قبائل یہود سے سیاسی نوعیت کا معاہدہ تھا۔ جس کے دفعات میں مسلمانوں کی رعایت کا پہلو غالب تھا۔ سرکار کی حیات مبارکہ پر ریسرچ اور تحقیق کرنے والے مستشرقین تک کو آج بھی یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ پیغمبر اسلام کا یہ دونوں کارنامہ آپ کی لازووال فکری بصیرت اور عدیم المثال سیاسی مہارت کا یہ بے عیب نمونہ ہے۔

معاہدے کی پابندی ہی نے شجر اسلام کو برگ و بار لانیکا موقع دیا۔ کیونکہ اس سے ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست کا تصوّر جاگ اٹھا تھا۔ اور سرپھری قوم قانون کے شکنجے میں آ گئی تھی۔ یہود کو اسلام کا پھلنا پھولنا اگرچہ گوارہ نہ تھا مگر خاموشی ہی میں وہ اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ جب قریش مکہ کی جانب سے انہیں شہہ ملا اور حدود مدینہ سے باہر کے قبائل نے انہیں اکسایا تو انہوں نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہی عہد شکنی ان کی بربادی کا سامان آگے چل کر ثابت ہوئی۔

مسجد نبوی کی تعمیر: کسی قسم کی مذہبی تحریک ہو یا کوئی سیاسی تنظیم، اس کے لیے ایک پارٹی آفس، ایک میٹنگ ہال یا کوئی قومی لکچر روم کی ضرورت بہر حال ہوتی ہے کیونکہ اس کے بغیر اجتماعیت کا کوئی تصور نہیں ہو سکتا اور اجتماعیت کے بغیر کسی قسم کا کوئی بھی انقلاب رونما نہیں ہو سکتا۔

اسلام کو چونکہ دنیا کا سب سے عظیم انقلاب بن کر ابھرنا تھا، لہذا ضروری تھا کہ اس کے لئے کوئی ایسی جگہ ہو جہاں خدا کی عبادت و بندگی کا اجتماعی فریضہ ادا کیا جا سکے جو تحریک اسلامی کی اصل روح ہے ـــــــــ کوئی ایسا ٹریننگ سنٹر ہو جہاں تحریک کے ممبران جمع ہو کر اپنے قائد سے تربیت حاصل کر سکیں، جس پر کامیابی کا تمام تر دار و مدار ہے ـــــــــ کوئی ایسا قومی لکچر ہال ہو جہاں شوریٰ کی مجلسیں منعقد کی جا سکیں اور باہمی مشوروں کے ذریعہ دفاعی پالیسی مرتب کی جا سکے۔

ان ہی مقاصد کے پیش نظر قلب شہر میں ایک جامع مسجد کی تعمیر وقت کی اہم ترین ضرورت تھی، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر کی جانب توجہ دی، اس مسجد میں موزائک، ٹائلس اور سنگ مرمر استعمال نہیں کئے گئے تھے۔ لیکن جن ہاتھوں نے گھانس، پھونس، پتھر اور گارے فراہم کیے تھے دوسرے ہاتھ یاقوت و مرجان کی اینٹیں نصب کر کے بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہیں۔

کونین کو سہارا دینے والے ہاتھوں نے پتھر اٹھائے۔ قوم کا مقدر سنوارنے والے ہاتھوں نے گارے جمع کئے اور اسلامی عظمت کی تاریخ مرتب

کرنے والے ہاتھوں نے کھجور کے تنے ڈھوئے۔اسی لئے قبلۂ اوّل کے بعد یہ روئے زمین کی سب سے محترم مسجد قرار پائی یہ مسجد بیک وقت مقدس ترین عبادت گاہ، سرکاری مہمان خانہ، اسلامی میٹنگ ہال، اور ایک عظیم دینی دانش گاہ تھی۔

یہاں فقہی اصول سمجھائے جاتے، کتاب عشق پڑھائی جاتی، باہمی حقوق کا مسئلہ بتایا جاتا، بندگی کے آداب ذہن نشیں کرائے جاتے، جنگی تدبیروں کی تعلیم دی جاتی، زندگی کا ضابطہ سکھایا جاتا ـــــــــ اگر خدا خانہ نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ کسی کے ذاتی مکان پہ سارے کام انجام پاسکتے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و ہدایت کا سب سے بہتر موقع خطبہ جمعہ تھا۔

اسلامی ریاست کی تاسیس: دستوری معاہدہ کے ذریعہ اسلامی قانون کو نفاذ کا حق مل چکا تھا، اپنے اور بیگانے سبھی نے خدا کی حاکمیت تسلیم کرلی تھی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاہدہ کے بعد سیاسی، قانونی اور عدالتی ہر لحاظ سے بالادستی حاصِل ہوگئی تھی۔

معاشرتی گندگی، سماجی گراوٹ اور سوسائٹی کے مضر جراثیم دور کرنے کے اقدامات شروع کردیئے گئے تھے ـــــــــ عدل و مساوات، صداقت وصلہ رحمی اور محاسن اخلاق کی تعلیم پر پوری توجہ دی جارہی تھی ـــــــــ مضافاتی آبادیوں میں انفرادی اور اجتماعی طریق پر اسلامی دعوت وتبلیغ کا سلسلہ بھی شروع کردیا گیا تھا جس کا ایک بنیادی فائدہ یہ دیکھنے میں آیا کہ مسلمانوں کو مدینہ کے اندر سات ماہ میں دفاعی قوت حاصل ہوگئی اور قریش کی حمایت کے تمام

دروازے مقفل ہو گئے یہ آپ کی خداداد حکمت ہی تھی کہ دستوری دھاگے میں دوست اور دشمن سبھوں کو پرو دیا تھا، اس طرح ہجرت کے بعد ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست باضابطہ طور پر قائم ہو گئی تھی جس کا صدر مقام مدینۃ الرسول تھا۔

یہود کا تعطل اور ان کے دینی نقص نے ان کی سیادت چھین لی تھی۔ اپنی جامد مذہبیت اور فاسد دین داری کے سبب وہ بے آبرو ہو چکے تھے۔ ان کے اندر کوئی سیاسی نظام اور مذہبی اصول باقی نہ تھا۔ آسمانی دین کی کشش ان سے بہت پہلے رخصت ہو چکی تھی اور عملی زندگی میں موسوی قانون کے نفاذ سے وہ قطعاً محروم تھے۔

دوسری طرف ـــــــــ پیغمبر اسلام کی قائدانہ صلاحیت دلوں کو مسخر کر رہی تھی فقہی احکام ذہنوں کو متاثر کر رہے تھے، معاشرتی اصلاح زمانے کو تابع بنا رہی تھی۔ اخلاقی ضابطہ دنیا کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا اور سیاسی دفعات لوگوں کی دلچسپی کا سامان بن رہے تھے ـــــــــ خلاصہ یہ کہ اسلام غالب آرہا تھا اور یہودیت مغلوب ہو رہی تھی۔

مدینہ میں اب ہر سمت توحید کے نغمے گونج رہے تھے، ہر کوچہ میں فیضانِ نبوت کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، ہر طرف وحدت کے گیت گائے جا رہے تھے، ہر گھڑی اللہ اکبر کی صدائے دل نواز سنی جا رہی تھی اور ہر جانب حق کا غلغلہ بلند ہو رہا تھا۔

اب یہاں جبیں میں مچلنے والے سجدوں پر کوئی پہرا نہ تھا، بندگی کی راہ طے

کرنیوالے قدموں کے لئے کوئی بیڑی نہ تھی، معبود حقیقی کی بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہاتھوں کو کچھ خدشہ نہ تھا اور مہاجر رسول کی پناہ ڈھونڈنے والوں پر کسی طرح کی پابندی نہ تھی۔

مدینہ میں اب سیاسی نظام بھی تھا اور فقہی اصول بھی، مذہبی شعور بھی تھا اور اخلاقی قدریں بھی، معاشرتی اصلاح کا عنصر بھی تھا اور فکر کی بلندیاں بھی زندگی کا پاکیزہ دستور بھی تھا اور روحانی آسودگی کا سامان بھی ـــــــ اب یہاں کے باشی اقوام عالم کے دلوں پر خدائی عظمت کا نشان نصب کردینے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔

قرون اولیٰ میں آج کی طرح قرآنی احکام اور فقہی اصول کتابوں میں مدفون نہ تھے بلکہ تحریک اسلامی کا ہر ممبر اس کا نفاذ اپنے اوپر از خود لازم جانتا تھا ـــــــ وہ چلتا تو قرانی احکام کے سائے میں چلتا، وہ تجارت میں مشغول ہوتا تو قانونی حصار میں رہتا، وہ کاشت کاری میں لگتا تو پاس شریعت ساتھ ہوتا، وہ پڑوسیوں سے خرید و فروخت کا معاملہ کرتا تو فقہی اصول پہرے دار ہورتے، اور اگر وہ خانگی ضرورت کی طرف متوجہ ہوتا تو اس وقت بھی سنت راکب بدوش ہوتی۔

شجر اسلام میں جو غیر معمولی قوت پیدا ہوئی اور اسے جلد پھلنے، پھولنے کا جو موقع ملا اس کی وجہ مسلمانوں کی عمدہ سیرت اور روشن کردار ہے اگر بالفرض اخلاص کی کھاد اس کی جڑ کو مہیّا نہ ہوتی اور اتحاد کا آب حیات اسے سیراب نہ کرتا تو اسلام مختصر عرصے میں تناور درخت بن کر عرب وعجم پر سایہ فگن نہ ہوسکتا تھا۔ اور ان سارے محاسن کا سرچشمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات تھی۔

اسلام کی ترقی کے اسباب: مدینہ میں اسلام کو جو عروج حاصل ہوا اس کا گہری نظر سے جائزہ لینے کے بعد دو بنیادی وجہ سامنے آتی ہے ______
پہلی وجہ یہ ہے کہ مکہ میں اسلامی تحریک کے ممبروں کی شیرازہ بندی نہ تھی اجتماعیت کا کوئی پلیٹ فارم وہاں نہ تھا، دفاعی قوت فراہم کرنے کے وسائل موجود نہ تھے، اور جنگی خطوط پر قائم کردہ ان کا کوئی ٹریننگ سنٹر نہ تھا اس لئے ستم کا نشانہ افراد بن رہے جماعت نہیں، جس کا حاصل یہ تھا کہ ارکان تحریک کی اذیت دیکھنے والوں کے حوصلے پست ہو جاتے تھے اور کمزور دل کے لوگوں کے لئے اسلام کا حلقہ بگوش ہونا مشکل تھا۔

اسلامی سربراہ کی صداقت کا اعتراف ہونے کے باوجود بہت سے لوگ اسلام سے اپنا رشتہ جوڑتے ہوئے گھبراتے تھے، انھیں اس وقت کا انتظار تھا کہ اسلام کا چڑھتا سورج کفر کے تمام الّوؤں کی آنکھیں چکا چوند کر دے انہیں پورا پورا یقین تھا کہ یہ دعوت آسمانی ہے اسے ایک دن ساری دنیا پر غالب ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ سراقہ بن جعشم کی اماں طلبی اسی دن کے لئے تھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ میں قریش کا ہر حملہ ناگہانی ہوتا اور پرستارانِ حق اس کی زد میں آکر ہمیشہ زک اٹھاتے، قوت دفاع تو تھی نہیں، بچ کر نکلنے کا موقع بھی انہیں نہ ملتا، دو گروہ کا تصادم ہوتا یا دو ٹولیاں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتیں تو نقصان دونوں طرف ہوتا مگر یہاں صورت حال کچھ اور تھی، باپ، بیٹے پر ظلم کرتا، چچا، بھتیجے کو دُکھ پہونچاتا، آقا، غلام پر ستم ڈھاتا، بھائی بہن پر قوت آزمائی کرتا

یعنی مظالم کی نوعیت بالکل خانگی تھی اس میں مزاحمت کا کسی کو حق نہ تھا، اگر حسن اتفاق سے کسی نرم خو آدمی کا ادھر سے گذر ہو جاتا اور وہ ترس کھا کر رحم کی اپیل بھی کرتا تو فوراً اسے ڈانٹ پلادی جاتی۔ اس لئے اسلام سے متاثر ہونے کے باوجود بہت سارے لوگ اپنے خاندان کی مضبوط گرفت سے باہر نہیں جاسکتے تھے۔

لیکن مدینہ منوّرہ کا نقشہ بالکل مختلف تھا ـــــــــ یہاں کفر واسلام کی دو الگ الگ سرحدیں تھیں یہاں خاندانی جبر کا سکّہ کھوٹا قرار دیدیا گیا تھا۔ یہاں قبیلے کو آڑ بنا کر لوٹ نہیں مچائی جاسکتی تھی یہاں جماعتی شیرازہ بندی تھی اس لئے فرد پر حملہ جماعت کے لئے چیلنج تھا۔ یہاں تحریک کے رضا کاروں کا تربیتی مرکز تھا۔ اس لئے وہ دفاعی قوت کے مالک بھی تھے۔

ان کے پاس دستور وقانون تھا لہذا خود اعتمادی ان کے اندر تھی۔ انکے سامنے ایک پائیدار سیاسی نظام تھا اس لئے وہ حلیفانہ تعلقات رکھتے تھے ان کے یہاں سراغ رسانی کا محکمہ تھا جس کے ذریعہ دشمنوں کی نقل وحرکت معلوم ہوتی رہتی تھی ـــــــــ یہ تھے مدینہ میں اسلامی ارتقاء کے بنیادی اسباب اور مسلمانوں کے تابناک مستقبل کے ظاہری وسائل۔

اس پاک ذات نے جو تدبیر کی کڑی کو تقدیر کی زنجیر سے جوڑنے والا ہے اپنے رسول اعظم علیہ التحیۃ والثنا کو مع رفقا واحباب شاید اسی لئے ہجرت کا حکم مرحمت فرمایا تھا۔

ترے سینہ میں ہے پوشیدہ راز زندگی کہہ دے
مسلماں سے حدیث سوز و ساز زندگی کہہ دے

یہود کی شر انگیزیاں ــــــــ یہود۔ جو آسمانی دین اور الہامی کتاب پر اعتقاد رکھتے تھے اور لوگوں کو پیغمبر آخر الزماں کی آمد آمد کی بشارت سنایا کرتے تھے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ آپ کی روشن صداقتوں کو دیکھ کر قبول اسلام میں پہل کرتے مشرکین کی ہرزہ سرائی کا توراۃ کی روشنی میں مسکت جواب دیتے اور آپ کی تکذیب کرنیوالوں کا کھل کر دفاع کرتے۔ لیکن قریش میں آپکی بعثت ان کے لئے گراں خاطر ہوئی اور حسد کا آزار انہیں آپ کے خلاف صف آرا ہونے کے لئے محرک بنا۔ باوجودیکہ وہ پیغمبرانہ علامتوں کے ذریعہ آپ کو اچھی طرح پہچان رہے تھے مگر بغاوت کی راہ میں وہ اپنی ہٹ پر کچھ اس طرح قائم تھے کہ بالکل ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مشرکین مکہ کی روح ان میں حلول کر گئی ہے۔ ذیل کی سطروں میں ایک ایسی تاریخی مثال پیش کی جارہی ہے جس سے یہ اندازہ کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگے گی کہ سربراہ یہود کا ذہن ابوجہلی ذہنیّت سے کس قدر ہم آہنگ تھا۔

حضرت صفیہ ــــــــ جو اگرچہ یہودن کی گود میں پیدا ہوئیں اور یہودی دوش پر پروان چڑھیں مگر قسّام ازل نے ان کی تقدیر ثریا سے بھی روشن پیدا کی تھی۔ انہیں ایک دن حرم نبوّت میں داخل ہو کر ام المومنین بننا تھا۔ اپنے گھر کی یہ کہانی ان ہی کی زبانی سنئے اور یہود کی ذہنی پستی کا اندازہ لگائیے ــــــــ وہ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بزمانہ ہجرت مدینہ شریف آتے ہوئے جب قبا میں پہلی بار نزول ہوا تو اہل مدینہ کے جذبات کی رو بہت تیز ہوگئی تھی ہر شخص بے تحاشا قبا کی سمت بھاگا چلا جارہا تھا ــــــــ یہ کشش میرے

والد حی بن اخطب رئیس یہود اور میرے چچا ابو یاسر بن اخطب کو بھی کھینچ لے گئی۔ وہ دونوں طلوع آفتاب سے قبل قبا پہونچے تھے اور پورا دن گذار کر غروب آفتاب کے بعد مدینہ لوٹے۔ گھر میں داخل ہوئے تو اندھیرا اچھا چکا تھا ــــــــ دونوں ہی کافی اداس اور پریشان حال تھے۔ میں اگرچہ اس وقت ہوشمند اور جون العمر تھی مگر ان کی پریشانی کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہ آئی۔ میں نے آگے بڑھ کر ہمدردی کے لہجے میں حیرانی کا سبب معلوم کرنا چاہا لیکن دونوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ تھا۔

وہ دونوں آپس میں محو گفتگو تھے اور میں اپنے کاموں میں مشغول تھی مگر میری توجہ ان دونوں کی گفتگو کی جانب تھی میرے چچا ابو یاسر خفیہ لہجے میں میرے والد سے کہہ رہے تھے ــــــــ کیا یہ وہی پیغمبر ہے جس کی خبر توراۃ نے دی ہے؟ میرے والد حی بن اخطب نے جواب دیا ــــــــ ہاں خدا کی قسم! یہ وہی نبی آخر ہے اس میں ہرگز دورائے نہیں ــــــــ میرے چچا نے پھر سوال کیا ــــــــ کیا تم نے توراۃ کی بیان کردہ علامات کی روشنی میں اسے پہچانا؟ ــــــــ میرے والد نے کہا بخدا میں نے توراۃ کی بتائی ہوئی نشانیوں سے ہی اسے پہچانا ہے ــــــــ اب اس کے لئے تمہارے دل میں کیا جذبہ ہے۔ میرے چچا ابو یاسر نے فیصلہ کن لہجے میں دریافت کیا۔ کیونکہ میرے والد حی بن اخطب توراۃ کے بڑے عالموں میں تھے اور ان کا فیصلہ قوم یہود کے لئے قابل تسلیم ہوتا تھا ــــــــ نفرت عداوت اور زندگی

کی آخری سانس تک دشمنی ـــــــ زہر میں بجھے ہوئے میرے والد کے یہ وہ بول تھے جو چچا کے جواب میں کہے گئے تھے۔ اور وہ صرف اس لئے کہ رسول اللہ قوم یہود میں نہیں، قبیلہ قریش میں پیدا ہوئے تھے۔

یہ تھے علمائے یہود ـــــــ جن کی حق فراموشی کی لرزہ خیز داستان آپ نے ان کی بیٹی کی زبانی سن لی۔ ان سے کسی قسم کی امید رکھی جاسکتی ہے اور یہ اپنے عوام کو آپ سے متعلق کس طرح کے تاثرات دے سکتے ہیں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ـــــــ جو بھول میں پڑا ہوا ہے تو کسی وقت بھی حق کی روشنی دکھائی جاسکتی ہے۔ لیکن جو دن کے اجالے میں آنکھ بند کر کے سورج کی شعاؤں کا انکار کر رہا ہو اس ظالم سے آفتاب کے وجود کا اقرار نہیں کرایا جاسکتا۔ یہود دیدہ و دانستہ آفتاب رسالت کی صداقتوں کا انکار کر رہے تھے، اور اوس وخزرج کے قبیلے بھول میں پڑے تھے اس لئے انہیں تو آسانی کے ساتھ اسلام کا دامن ہاتھ آ گیا اور وہ بدنصیب آخر وقت تک اسلام کی خوشبو بھی نہ پا سکے۔

قوم یہود نے آتش عناد میں جل بھن کر دین اسلام کے داعی اور انکے سچے پیروؤں کو ایسی ایسی روحی اذیتیں اور تیشۂ زبان سے ایسے ایسے کاری زخم پہونچائے ہیں جس کے تصور ہی سے انسانیت کراہ اٹھتی ہے۔ اور تاریخ کے صفحات پر ان کے یہ سیاہ کارنامے اب تک ان کی قوم کے لئے ماتھے پر کلنک کے داغ ہیں ـــــــ ہم ذیل میں اس کی چند مثالیں ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں۔

(۱) ستھرے الفاظ کو توڑ مروڑ کر گھناؤنے معنی پیدا کرنا اور استہزاء کے

طور پراسے سرکار دوعالم کی ذات پر چسپاں کرنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

(۲) حکم اذان نافذ ہوا تو ان بہروپیوں نے کلمات اذان کا مذاق اڑایا اور گلی کوچوں میں مؤذن کی نقالی کر کے اذان کی افادیت زائل کر دینے کی ناکام کوشش کی۔

(۳) قرض حسنہ سے متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی تو ان بدبختوں نے تضحیک شروع کر دی اور خاک بدہن گستاخ ذات باری کو قلاش و کنگال تک کہہ ڈالا۔

(۴) مدینہ میں سولہ مہینے قیام کے بعد شعبان ۲ھ میں جبکہ آپ بشر بن براء کے گھر میں نماز ظہر باجماعت ادا فرما رہے تھے تیسری رکعت میں تحویل قبلہ کا حکم اترا اور آپ عین حالت نماز میں کعبہ کی سمت گھوم گئے اس پر یہود کے سرخیلوں نے جو طنز کیا اسے سنئے اور ان کی ذہنی بیماری کا اندازہ لگائیے۔ انہوں نے اپنی مجلسوں میں کہا ——— ذرا محمد کا جوش انتقام تو دیکھو اس نے ہماری مخالفت میں قبلہ انبیاء تک کو بدل ڈالا، اگر وہ واقعی نبی ہوتا تو ایسی جسارت ہی کیوں کرتا۔ یہ اور ان جیسی سیکڑوں حرکتیں یہود کی ہیں جن پر آج تک شرافت شرم سے پانی پانی ہے۔ پھر بھی وہ اگر ان ہی حرکات شنیعہ پر بس کرتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ انہوں نے نشتر طعن تو چبھوئے ہیں مگر حضور کو جسمانی آزار پہونچانے کا کبھی کوئی اقدام نہیں کیا تھا ——— اب ذیل کی سطروں میں عداوت و سرکشی کی وہ کہانی بھی پڑھئے جس سے اندازہ ہوگا کہ آپ

کا مقدس وجود ان ظالموں کو کانٹا نظر آرہا تھا جسے وہ اپنی راہ سے ہٹا دینے کے لئے کیسے کیسے ڈرامے رچا رہے تھے مگر نصرت غیبی آپ کے راکب بدوش تھی۔ رب تبارک وتعالیٰ نے ان کی چالوں پر آپ کو مطلع فرما کر ہر بار ان کے جال کے تار و پود بکھیر دیئے اور طوق رسوائی کے سوا انہیں کچھ نہ ہاتھ لگ سکا ـــــــ بے شک پروردگار عالم کو وَ اللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاس کا وعدہ سچ کر دکھانا تھا۔ کیونکہ تکمیل دین تک آپ کا تحفظ ربّ قدیر کی مشیت تھی۔

بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع یہود کے مشہور قبائل تھے۔ مدینہ میں ان کے محفوظ جنگی قلعے بھی رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہونچنے کے بعد جب سیاسی خطوط پر ایک اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی تو آس پاس کے قبائل سے ''جیو اور جینے دو'' کے اصول پر معاہدے کئے جن میں قبائل یہود بھی شامل تھے معاہدے میں کچھ دفعات ایسے بھی تھے جن سے رسول اللہ ﷺ کی بالا دستی ظاہر تھی اس لئے یہود کو یہ معاہدہ دل سے پسند نہ تھا مگر وہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو کھلے عام چیلنج بھی نہیں کر سکتے تھے۔

ایک بار عمرو بن امیہ ضمری نے جس کا تعلق بنو نضیر سے تھا ـــــــ قبیلہ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کر ڈالا، یہ دستوری معاہدہ سے کھلا ہوا انحراف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو خبر ہوئی تو بنو نضیر سے باز پرس کے لئے تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کو قلعہ کی فصیل کے نیچے بیٹھا دیا اور باتوں میں الجھائے رکھنے کی کوشش کی ـــــــ دوسری طرف ایک شاطر نوجوان عمرو بن

کعب اپنے سرداروں کا اشارہ پا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گیا تا کہ ایک وزنی پتھر آپ پر لڑھکا دے۔ اس طرح آپ کا کام تمام ہو جائے گا ــــــــ پھر تو نہ دیت کا سوال ہو گا اور نہ دیت وصول کرنے والے ہوں گے ــــــــ دیکھا آپ نے یہ تھے آسمانی دین کے حاملین اور عہد پیمان کے قدر شناس۔ ان حرماں نصیبوں کو یہ بھی یاد نہ رہ سکا کہ لشکر فرعون کے آزار سے بچ نکلنے کے لئے دریائے نیل میں حضرت موسیٰ کے لئے خشک راستہ پیدا کر دینے والا قادر مطلق اپنے محبوب پیغمبر کو ہمارے سازشی شکنجے سے بچا لے جائے گا ــــــــ چنانچہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اشارہ غیبی پا کر بروقت ان کے درمیان سے اٹھ کھڑے ہوئے اور وہ سکتے کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تکتے رہ گئے ــــــــ بعد میں پیغمبر اسلام نے ان کی سازش کا انکشاف فرمایا تو وہ مدینہ میں سر اٹھا کر چلنے کے قابل نہ رہے۔

کعب بن اشرف ــــــــ مشہور یہودی سردار جس کی پوزیشن یہود و عرب میں قدر مشترک تھی۔ ایک مرتبہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، حاضری کا مقصد بتاتے ہوئے اس نے کہا کہ دو اصحاب کے ساتھ آپ میری دعوت قبول فرمائیں اس دعوت میں کچھ یہودی عالم بھی شریک ہوں گے۔ اور وہ آپ سے تبادلۂ خیال کریں گے، آپ کی باتوں سے وہ اگر مطمئن ہو گئے تو ہم سبھی لوگ آپ کی دعوت قبول کرلیں گے۔

آپ کو ایسے مواقع مطلوب تھے۔ بلا قیل وقال اس کی دعوت آپ نے

قبول فرمالی ـــــــــ آیات بیّنات کے ساتھ ظہور فرمانے والے پیغمبر اعظم کو احقاق حق کے راستے میں بھلا تردد ہی کیا ہوسکتا تھا ـــــــــ مگر واقعہ کی ذرا گھناؤنی تصویر ملاحظہ فرمائیے۔ دعوت مقصود نہیں تھی اور نہ گفت و شنید کے ذریعہ کسی مسئلے کا حل مطلوب تھا، بلکہ قتل پیغمبر کا ناپاک پلان تیار کیا گیا تھا۔ راستے کی کمین گاہ میں شمشیر بکف قاتل بیٹھا دیئے گئے تھے جنہیں ہدایت دیدی گئی تھی کہ محل کی دہلیز پر پہونچنے سے پہلے ہی مدعی نبوت کا کام تمام ہوجانا چاہیئے۔

کعب بن اشرف ـــــــــ آج بہت خوش تھا، وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ محمد میرے دام فریب کے اسیر ہو چکے ہیں، اب انہیں ہلاکت سے کوئی بچا نہ سکے گا اسے معلوم نہ تھا کہ پیغمبر کا نہیں میری ہلاکت کا وقت قریب آچکا ہے، وہ اپنے محل سرا کے جھروکے پر بیٹھ کر فکر کے دریچے سے اپنے پلان کی کامیابی کا حسین خواب دیکھ رہا تھا ـــــــــ دوسری طرف خدا کو اپنے بندوں کی ہدایت مطلوب تھی، اقصائے عالم پر اپنے عرفان کا اجالا پھیلانا مقصود تھا اور اس کار عظیم کی خاطر اپنے پیغمبر کی جان محبوب تھی ـــــــــ خدا کا دین مکمّل ہونے تک بساط زمین پر انسان کامل کا موجود رہنا خدا کی خاص مشیّت تھی۔

ہادی برحق جب دو جاں نثار اصحاب کے ساتھ کاشانۂ نبوّت سے نمودار ہوئے تو ارادہ کعب بن اشرف کے محل کا تھا بڑھتے ہوئے ہر قدم کے پیچھے دین حنیف کی برتری اور اصلاح یہود کا جذبۂ صادق کارفرما تھا خطرے کی

جگہ ابھی دور تھی کہ آپ کے قدم دفعتاً رک گئے ـــــــ پروردگار عالم نے اپنے حبیب کو اطلاع علی الغیب کے ذریعہ دشمن کے ارادۂ بد پر مطلع فرما دیا تھا۔ آپ جب واپس ہوئے تو ہمرکابی میں چلنے والوں کو سمجھ میں آ گیا کہ آگے بڑھنے میں خطرہ ہے وہ چپ سے پیچھے ہولئے بعد میں غیب داں پیغمبر نے کعب بن اشرف کے ناپاک منصوبے کا پردہ فاش فرمایا جس نے صحابہ کے جذبات میں ہیجان برپا کر دیا اور بالآخر حضرت محمد بن مسلمہ اوران کے ساتھیوں کے ہاتھوں یہی پلان اس کی ہلاکت کا باعث بنا۔

ہم بھی بنے تھے رند مگر یہ خبر نہ تھی
پیاسے پھریں گے ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے

منافقین کی دل آزاریاں: شعور کی سرحد میں پہلا قدم رکھنے والا بچہ بھی اتنا تو جانتا ہی ہے کہ خونخوار شیر سے مار آستین زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ شیر کی دھاڑیں بہت دور سے لوگوں کو چوکنا کر دیتی ہیں۔ دفاعی تدبیر کے ذریعہ اس کا مضبوط جبڑا توڑا بھی جاسکتا ہے اور اگر اتنی جرات نہیں ہے تو چھپ کر جان بچانے سے کون روکے گا ـــــــ لیکن آستین کا چھپا ہوا سانپ کب ڈس لے گا یہ اندازہ لگانا کسی کے بس کا روگ نہیں ـــــــ بالکل یہی فرق اشرار مکہ اور مدینہ کے یہود و منافقین کے درمیان تھا۔

قریشی مشرکین ڈنکا کی چوٹ پر اپنی دشمنی کا اعلان کرتے تھے جب کہ یہود و منافقین حلف وفاداری کا چغہ چڑھائے کمین گاہوں کی تلاش میں پھرتے

تھے قریش کوقبول اسلام سے برملاانکار تھااور مسلمانوں کے خلاف وہ اپنی نفرت وبیزاری کا کھلے عام چرچا کرتے تھے مگران میں ایذارسانی کی عیارانہ کوشش تھی اور یہ دوست بن کر چاہ کنی کا دروازہ ڈھونڈتے پھرتے تھے ـــــــ دونوں کی مخاصمت میں ایک نوعی فرق یہ بھی تھا کہ کفار آپ کی بعثت میں اپنی کلاہ افتخار خاک آلود دیکھ رہے تھے اور یہود دوسروں میں آپ کا ظہور اپنے لئے عار تصوّر کر رہے تھے یعنی وہاں ''کبر'' نفرت کا پودا بن کر سر اٹھا رہا تھا اور یہاں ''حسد'' عداوت کا شعلہ بن کر لپک رہا تھا ـــــــ مشرکین فریب نظر کے سبب خشکی کا گمان کر کے گمراہی کے دلدل مین پھنستے جا رہے تھے اور یہود دریا کی گہرائی کا خوب خوب اندازہ کرنے کے باوجود اپنے ہی ہاتھوں دین کی کشتی میں سوراخ کر رہے تھے۔

منافقین نے یہود کے بطن سے جنم لیا ـــــــ یہ تاریخ کی وہ انمول صداقت ہے جسے کسی زمانے میں چیلنج نہیں کیا جا سکے گا، مشہور قبیلہ یہود ''بنی قینقاع'' کے یہ سات نامور افراد ۱۔ سعد بن حنیف، ۲۔ زید بن بصب، ۳۔ رافع بن حریملہ، ۴۔ سلسلہ بن برہام، ۵۔ نعمان بن اوفی، ۶۔ کنان بن صُوریّا اور ۷۔ رفاعہ بن زید وہ ہیں جو اسلام کی بیخ کنی میں خارجی طاقت استعمال کر کے تھک گئے تو درون خانہ آئے اور خلوت وجلوت کے رازداں بن کر تحریک اسلامی کے ممبروں کا شیرازہ منتشر کر دینے کی سازش رچائی۔

یہ بات بالکل جانی بوجھی ہے کہ باہر رہ کر کسی تحریک کو ڈیمیج کرنا اتنا آسان

نہیں جتنا تحریک میں شامل ہوکر، دوسری بات یہ بھی مشاہدہ میں آچکی ہے کہ باہری لوگوں کی تحریک مخالف مہم اتنا زور نہیں پکڑا کرتی جتنا جلد تحریک کے کارندوں کی مخالفت اپنا کرشمہ دکھایا کرتی ہے، چنانچہ ان مسلم نما اسلام دشمنوں کا بہت جلد ایک اچھا خاصا گروپ تیار ہوگیا، یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہیکہ مسلمانوں میں وہ اپنے مقصد کے لائق زیادہ افراد تلاش نہ کرسکے البتہ تخریبی ذہن کے لوگ باہر سے ان کے گرد جلد اکٹھا ہو گئے۔ اس کے بعد انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایسی ایسی مہلک اسکیمیں تیار کیں جو کسی بھی نئی ریاست کا تختہ الٹ دینے کے لئے بہت کافی تھیں مگر چونکہ اس ریاست کی اساس سیاست پر نہیں دین پر قائم تھی اور اس کا والی کوئی لیڈر نہیں پیغمبر تھا جسکی غیبی بصیرت ان کی سازشوں کا بھانڈا پھوڑ دیا کرتی اور ہر گام پر انہیں ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا پھر بھی یہ بد اندیش باز نہ آتے اور ہر روز ایک نیا گل کھلانے کے چکر میں رہتے اہانت آمیز تمسخر، دل آزار استہزا، جھوٹی افواہ، غلط پروپیگنڈہ اور صحابہ کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

ذیل کی سطروں میں ہم ان کی قساوت قلبی پر ایک ایسا تاریخی ثبوت پیش کر رہے ہیں جو آپ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دے گا، پیغمبر اسلام کی عظمت کا نشان بلند اور اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوتا دیکھ کر جب ان منافقین کے دل میں بغض کی آگ پہلے سے زیادہ بھڑک اٹھی تو انہوں نے ایک خفیہ میٹنگ بلائی۔ گروہ منافقین کے یہ بارہ اشخاص جو بدترین خلق تھے، اس سازشی میٹنگ میں شریک ہوئے۔

(۱) جلاسؔ بن سوید (۲) عبداللہ بن ابیؔ (۳) مرّہ بن ربیع (۴) مجمع بن جاریہ (۵) سعد بن ابی شرح (۶) طعیمہ بن اسرق (۷) عبداللہ بن عینیہ (۸) حصن بن نمیر (۹) ابوعامر راہب (۱۰) ابوفاطر اعرابی (۱۱) ملیح تیمی اور (۱۲) عامر اہل علم جانتے ہیں کہ گرہ منافقین کے گرو گھنٹال عبداللہ بن ابیؔ بن سلول کی پوزیشن بالکل ایسی ہی تھی جیسی قریش میں ابو جہل کی ــــــــ اہل مدینہ کی طرف سے اس کی تاجپوشی کی تیاریاں مکمّل ہو چکی تھیں مگر ان ہی دنوں مدینہ میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہو گئی اور ساری آبادی داعی اسلام کی طرف جھک پڑی ــــــــ اس بے چارے کا سارا بنا بنایا کھیل بگڑ گیا، یہی وجہ تھی کہ بانی اسلام علیہ السّلام کا وجود پاک سب سے زیادہ اسی بدنصیب کی نگاہ میں کھٹک رہا تھا۔

آج اسی کی صدارت میں میٹنگ کی کاروائی کا آغاز ہوا ــــــــ سب سے پہلے اس نے اپنی صدارتی تقریر میں اس خدشے کا اظہار کیا کہ ہمیشہ محمد کو ہمارے منصوبے کی پیشگی خبر ہو جاتی ہے، ضرور ہماری انجمن میں کوئی ہلکے پیٹ کا شخص شامل ہے جس کی بے احتیاطی سے ان کے جاسوسوں تک بات پہونچ جاتی ہے آخر میں اس نے اطمینان ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ آج کی نشست میں صرف وہی لوگ بلائے گئے ہیں جن کی پختہ کاری سبھوں کے نزدیک مسلّم ہے لہٰذا اس بار بات پھوٹنے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

اس کے بعد جلاّس بن سوید نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ

_____ مسلمانوں کی بالادستی سے نجات پانے کا واحد حل اسلامی تحریک _____ کے سربراہ کا قتل ہی ہوسکتا ہے۔ہم لوگ بے عقل ہیں اور یہ خانہ بدوش لوگ زیرک ودانا ہیں جو ہم پر حاکم بنے بیٹھے ہیں۔ ہمارا ضمیر ان کی ماتحتی قبول کرنے کو تیار نہیں ہے _____ ہمیں اب بہرحال فیصلہ کن قدم اٹھانا ہوگا۔

مرہ بن ربیع بولا _____ سارے جھمیلوں سے بچ نکلنے کے لئے بس ایک شخص کا قتل کافی ہوگا۔اور یہ کام کسی تصادم کے بغیر بھی ہوسکتا ہے۔صرف ایک رات کی کوشش تمام راتوں کی پرسکون نیند کا سبب بن جائے گی _____ بس ہمیں تھوڑی سی ہمت سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ابو عامر راہب اور دوسرے خبثا نے تائید کی۔

آج سے بہتر موقع پھر کبھی ہاتھ نہیں آئے گا۔عقبہ کی گھاٹی سے گذرتے ہوئے آج رات کی تاریکی میں محمد کو اگر نیچے گرادیا جائے تو پھر کوئی پروبلم ہی باقی نہ رہے۔ پھر اسے ایک اتفاقی حادثہ قرار دے کر تحقیقاتی کمیشن کی زد سے بچ نکلنا بھی آسان ہوگا _____ عبداللہ بن ابی نے اپنی مؤثر تجویز پیش کی

یہ سارا پلان جنگ تبوک سے واپسی کے موقع پر عقبہ کی گھاٹی کے قریب قیام کے دوران تیار ہوا تھا اور یہ سارے پلانر مجاہدین اسلام کا لبادہ اوڑھکر اسلام کے سالار اعظم کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے _____ حضور کی سواری جب عقبہ کی گھاٹی کے دامن میں پہونچی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ بطن وادی سے ہوکر جانا چاہیں وہ جاسکتے ہیں۔ یہ اعلان سن کر صحابہ کی

جمعیت نشیبی راستے پر چل پڑی لیکن حضور نے دو جاں نثار، عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان کو ساتھ لیکر عقبہ ہی کی راہ اختیار فرمائی ـــــــ جب گھاٹی میں داخل ہوئے تو حضرت عمار بن یاسر کو اونٹنی کی مہار تھما کر آگے کر دیا اور حضرت حذیفہ بن الیمان کو پیچھے رکھا۔

رحمت بر دوش پیغمبر ـــــــ گھر کے بھیدیوں کے ارادۂ بد سے واقف تھا، مصنوعی ہمدردی کی آہٹ شام کے دھندلکے میں جب قریب ہوتی ہوئی محسوس ہوئی تو آپ نے حضرت حذیفہ کو مدافعت کا حکم دیا، وہ شمشیر خارا شگاف لیکر آگے بڑھے، اور اپنی خداداد چابک دستی سے دشمنوں کو مار بھگایا ـــــــ حضرت حذیفہ کو پیچھے رکھنے میں یہی مصلحت تھی وہ یگانہ روزگار شمشیر زن تھے۔

حضرت حذیفہ جب واپس لوٹے تو حضور نے ان سے دریافت فرمایا حذیفہ! تم نے انہیں پہچانا بھی؟ انہوں نے عرض کیا ـــــــ یا رسُول اللہ! سواری کو تو پہچانا مگر سوار پہچان میں نہ آسکے ـــــــ آپ نے رازدارانہ لہجے میں انہیں بتایا کہ وہ فلاں ابن فلاں اور فلاں ابن فلاں تھے جو میر حفاظت میں نہیں، ہلاکت کے لئے قریب آنا چاہتے تھے، پھر انہیں تاکید فرمائی کہ خبردار! عام مسلمانوں میں ان کے ناموں کی تشہیر نہ کرنا۔

سبحان اللہ! ایسی اعلیٰ ظرفی اور رحمت نوازی کی کوئی مثال آج تو کیا دنیا کی تاریخ میں کبھی متصور نہیں ہو سکتی ایسوں کی سزا تو کیا تجویز ہوتی ان کی جگ ہنسائی

بھی آپ کو گوارہ نہ ہوئی، یہ تھی ''پاداش بدی بہ نیکوئی کن'' کی عملی تصویر ـــــــ جب ہی تو ایک ایک کا نام جانتے ہوئے مسلمانوں میں نہ ان کا نام گنوایا اور نہ ان کا سیاہ کارنامہ بتلایا۔

دو دنوں بعد اشارۂ غیبی پاکر آپ نے ان بارہ حرماں نصیبوں کو بلا کر ان سے باری باری ان کی قبیح حرکت پر جواب طلب فرمایا ـــــــ سبھوں نے قسمیں کھا کر اپنی برات کا اظہار کیا تو آپ نے انکی کہی ہوئی باتوں کو بیان کر دیا کہ تم نے فلاں مقام پر ایسا اور ایسا کہا تھا اس پر وہ دم بخود رہ گئے۔

حصن بن نمیر نے کہا ـــــــ ہم نے سوچا بھی نہ تھا کہ ہماری خفیہ کاروائی کا آپ کو علم ہو جائے گا۔ اس کے بعد انتہائی ندامت کے ساتھ معافی طلب کی۔ محدثین فرماتے ہیں کہ اس باز پرس کے باوجود صحابہ کی جماعت کو ان کی سازشی چال کی اطلاع نہ ہو سکی اور حضرت حذیفہ کے سوا ان کے ناموں کی تفصیل کوئی نہ جانتا تھا۔

آپ کے اس کریمانہ سلوک کا اثر یہ ہوا کہ ان میں کئی افراد صادق الایمان بن گئے اور پھر دم واپسی تک ان کے اندر نفاق کی کوئی معمولی علامت بھی نہ پائی گئی۔ انہی میں حصن بن نمیر بھی تھے ـــــــ جب کبھی وہ اپنی جسارت دیکھتے اور پھر رسول اللہ کا حلم یاد کرتے تو آنکھیں پُرآب ہو جاتیں اور زبان حال سے یہ کہتے۔

بن گئی میری خطا، باعث الطاف وعطا

ان سے دیکھی نہ گئی شکل پشیمانی کی

قانون الٰہی کے نفاذ میں رسول اللہ کا موقف اس درجہ سخت تھا کہ ایک بار فاطمہ نامی ایک رئیسہ چوری کے جرم میں ماخوذ ہوئی تو آپ نے قطع ید کا حکم فرمایا۔لوگ سخت پریشان ہوئے حضرت اسامہ بن زید کو یہ سوچ کر خدمت اقدس میں بھیجا کہ ان کی سفارش رد نہ ہوگی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ ڈانٹ پلائی کہ ـــــــ اُسامہ! کیا تم اللہ کی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو؟ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔

دوسرا رخ آپ کا یہ ہے کہ ـــــــ جانی دشمن آپ کے روبرو کھڑے ہیں اور دوستوں کی تلواریں اشارہ ابرو کی منتظر مگر حلم آپ کے راکب بدوش ہے آپ ان سے اس طرح درگزر فرماتے ہیں کہ تمام دنیا تماشائی نظر آتی ہے۔ نہ کسی نگاہ نے ایسی بردباری دیکھی، نہ کسی کان نے ایسے حلم کا چرچا سُنا اور نہ کسی نے تاریخ میں ایسے کریم کی کوئی کہانی پڑھی ـــــــ اپنے دشمن اور خدا کے دشمن دونوں کے ساتھ رسول خدا کا رویّہ بالکل جداگانہ تھا۔

اب تک آپ مدینہ میں اسلام مخالف سرگرمیوں کی تفصیل پڑھ رہے تھے اب ذرا باہر سے اسلام دشمن طاقتوں کی یلغار کی روداد بھی ملاحظہ فرمائیے ـــــــ باہری طاقت یہ سوچ کر ہی مدینہ کی سمت بڑھی تھی کہ ہم مسلمانوں کو خس وخاشاک کی طرح بہالے جائیں گے اور ظاہری شکل وصورت کا نقشہ بھی کچھ ایسا ہی تھا ـــــــ مگر مسلمانوں کی شجاعت وبصارت پر دنیا کی تاریخ

آج تک انگشت بدنداں ہے دراصل یہ پیغمبر آخر الزماں کی صالح قیادت کا نتیجہ تھی۔ اور خدا کی غیبی نصرت وحمایت کا کرشمہ بھی۔ کیونکہ یہ مردان غازی غلبہ دین حق کے لئے سر بہ کف میدان میں اترے تھے۔ خدائے واحد کی پرستش ان کا اثاثہ تھی اور رسول برحق کی محبت ان کا ہتھیار ۔

خاک ہو کر عشق میں آرام سے سونا ملا
جان کی اکسیر ہے الفت رسول اللہ کی

تاریخ اسلامی کی پہلی جنگ : رمضان المبارک ۲ھ میں کفرو اسلام کے درمیان جو سب سے پہلا معرکہ پیش آیا وہ جنگ بدر کے نام سے مشہور ہے۔ اس تاریخی جنگ کی کچھ ایسی اہم خصوصیات ہیں جس کی بناء پر بدری مجاہدین کا مرتبہ اقصائے عالم کے سارے مجاہدین سے بلند ہے یہ جنگ کب اور کن حالات میں پیش آئی اور مجاہدین اسلام نے اخلاص ووفا کا کیسا رول ادا کیا یہ جان لینے کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ بدریوں کو انعام خداوندی سے جو حصّہ ملا ہے وہ اسی کے مستحق تھے اور بلاشبہ قیامت کی صبح تک پوری ملّت اسلامیہ ان کی مرہون منت رہے گی۔

پیغمبر اسلام کے سفر ہجرت کی خبر سے اہل مکہ سیمابی کیفیت کے شکار ہو گئے تھے۔ ان کے اضطراب کا تقاضہ تو یہ تھا کہ وہ بغیر کسی توقف کے اہل مدینہ پر ہلّہ بول دیتے اور اگر نفس الامر میں ایسا ہی ہوتا تو مہاجرین کو مدینہ میں سنبھلنے کا موقع نہ ملتا اور اسلامی ریاست کی تشکیل نہ ہو پاتی۔ لیکن رمضان ۲ھ تک

بغض وعداوت کالاوااندرہی اندر پکتار ہااور وہ حملے کی صرف اسکیمیں ہی بناتے رہے اس کا باطنی سبب تو خدا کی مشیت تھی وہ مسلمانوں کو مدینہ میں قدم جمانے کا موقع دے رہی تھی اور ظاہری سبب بنو کنانہ کا طاقتور قبیلہ تھا جس کے علاقے مدینہ اور مکہ کے درمیان حائل تھے۔

بنو کنانہ کی قریش سے آبائی دشمنی چلی آتی تھی اس لئے قریش کو خطرہ تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر اپنی دیرینہ عداوت کا مظاہرہ کریں گے یا کم ازکم مکہ کو خالی پا کر وہاں لوٹ مچائیں گے مدینہ پر چڑھائی میں قریش کے لئے یہ بہت بڑی رکاوٹ تھی ـــــــ جب سردار قبیلہ سراقہ بن مالک کنانی کو قریش کے اندیشوں کا علم ہوا تو اس نے مکہ جا کر قریش کو اطمینان دلایا کہ بنو کنانہ سے مکہ والوں کو کوئی گزند نہ پہونچے گا بلکہ بنو کنانہ قریش کے مددگار ثابت ہوں گے ـــــــ بنو کنانہ کے اس اقدام سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام سے سبھی خائف تھے۔اور مشرکین اپنی ذاتی دشمنی سے بالاتر ہو کر تحریک اسلامی کا زور توڑنے کے لئے محاذ آرائی پر کمر بَستہ ہو چکے تھے۔

چنانچہ بنو کنانہ کی یقین دہانی کے بعد قریش کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں اور وہ اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے لشکر وسپاہ کی فراہمی میں لگ گئے۔مکہ کے جیالے تیر و ترکش اور شمشیر وسنان سے لیس ہو کر قریش کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے،جن میں نواح مکّہ کے قبائل بنونضیر،بنو مالک وغیرہ کے افراد بھی شامل تھے،چودہ سو کی جمعیت جب اکٹھا ہو گئی تو حرب وضرب کے

ارادے سے یہ لشکر مدینہ کی سمت چل پڑا ـــــــــ اس زمانے کے اعتبار سے یہ تعداد تھوڑی نہ تھی۔ سو سے زائد سوار تھے چھ سو زرہ پوش تھے، اسلحے، سامان رسد اور مال بردار اونٹوں کی کوئی کمی نہ تھی ـــــــــ اس طنطنے کے ساتھ نکلنے والی کسی بھی فوج کے بارے میں یہ کہنا غلط ہے کہ قریش کا قافلۂ تجارت جو ابوسفیان کی قیادت میں شام سے مکّہ واپس آرہا تھا۔ اس پر مدینہ کے فوجی دستہ جو دشمن کی نقل وحرکت کا جائزہ لینے کے لئے مکہ کی شامی شاہراہ پر مارچ کر رہا تھا اس کے چھاپہ مارنے کی افواہ سن کر نکل پڑا تھا ـــــــــ ہاں! عدی اور زہرہ کے سردار صرف قافلہ بچاؤ مہم سمجھ کر ساتھ ہو گئے تھے، انہوں نے جب دیکھا کہ تجارتی قافلہ کے بچکر نکل آنے کے بعد بھی جنگی اقدام برابر جاری ہیں تو وہ واک آؤٹ کر کے اپنے آدمیوں کو واپس لے گئے ـــــــــ واضح رہے کہ مکی فوج کی جو تعداد ذکر کی گئی عدی اور زہرہ کے افراد اس کے علاوہ تھے۔ جاسوسی دستہ جسے مقام صفراء سے آگے بھیجا گیا تھا تاکہ یہ سراغ لگائے کہ تجارتی قافلہ اور قریشی فوج میں کتنا فاصلہ ہے۔ واپس آکر اس نے اطلاع دی کہ قافلہ ساحلی راستہ سے بہت دور نکل گیا ہے لیکن قریشی فوج بدر کی سمت پیش قدمی میں برابر مصروف ہے۔

مدینہ میں یہ خبر انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں سنی گئی۔ بعضوں کو تردد بھی لاحق ہوا ـــــــــ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً شوریٰ کی مجلس بلائی۔ صحابہ کرام کے سامنے صورت حال بیان کرنے کے بعد مشورہ طلب فرمایا۔

حضرت مقداد بن اسود قبیلہ اوس کی نمائندگی میں اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔

معاذاللہ، مثیل امّت موسیٰ نہیں ہیں ہم
جہاں میں پیروان دین ختم المرسلین ہیں ہم
ہمارا فخر یہ ہے، ہم غلامان محمد ہیں
ہمیں باطل کا ڈر کیا، زیر دامان محمد ہیں

اس جواب سے حضور کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔ آپ نے نگاہ خزرج کی طرف اٹھائی اس لئے کہ وہ اب تک خاموش تھے۔ کفار کا یہ حملہ انصار کی پوری آبادی پر ہونے والا تھا لہٰذا ان کا بھی ایما معلوم کرنا ضروری تھا۔ سردار انصار حضرت سعد بن عبادہ حضور کا تیور بھانپ کر اضطرابی کیفیت میں پکار اٹھے۔

صداقت دیکھ کر رکھا تھا ان قدموں پہ سر ہم نے
کہ مانا آپ کو روشن دلائل دیکھ کر ہم نے
اگر ارشاد ہو بحر فنا میں کود جائیں ہم
ہلاکت خیز گرداب بلا میں کود جائیں ہم

صحابہ کا یہ عزم وحوصلہ جب حضور نے ملاحظہ کر لیا تو دفاعی جنگ کی تیّاری کا حکم صادر فرمایا۔

دوسرے دن فوج کی بھرتی کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ کیسی بھرتی تھی، اسلام کے لئے سر کٹانے کا عہد و پیمان تھا، جلب منفعت کی کوئی منزل نہ تھی ———
مگر اسلام کے جانثاروں کے ذوق وشوق کا حال کچھ نہ پوچھئے۔ تاریخ کی آنکھوں نے لوح جہاں پہ فدا کاری کا ایسا سماں کبھی نہ دیکھا تھا۔ چودہ سالہ نوخیز

بھی ہے، نوجوانوں کی صف میں پنجوں کے بل کھڑا ہے تاکہ عورتیں اور بچے جو جہاد سے مستثنیٰ رکھے گئے ہیں اس ضمن میں آکر چھٹنے نہ پائے ۔ دوسرا وہ ہے جو پستہ قد ہونے کے سبب اس ترکیب سے بھی مجاہدین کے ہمدوش نہ ہو سکا اور صف سے خارج کر دیا گیا تو اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا جیسے زندگی کی کوئی متاع عزیز اس سے گم ہوگئی ہو۔ آخر رحمت بردوش پیغمبر کو اس کی چاہت پر ترس آ گیا اور اسے بھی پروانہ سرخروئی مل گیا ــــــ ایسے ہی قدسی صفات مجاہدین کی ایک چھوٹی سے ٹکڑی ساتھ لیکر حضور نے بدر کا رُخ کیا اور ٹھکانے پر پہونچ کر موزوں جگہ کا انتخاب فرمالیا۔

اب دو فوجیں بالکل آمنے سامنے خیمہ زن تھیں، جن کا نقشہ یہ تھا کہ ایک طرف تھوڑے، دوسری طرف زیادہ ــــــ ایک جانب نہتے اور فاقہ مست دوسری جانب مسلح اور آسودہ، ایک سمت خدا کے مقبول و محبوب، دوسری سمت اس کے معتوب و مغضوب ــــــ ادھر ہر ایک کی زباں پر تسبیح و درود، ادھر پوری شب محفل رقص و سرود ــــــ یعنی یہاں رب کی رضا مطلوب اور وہاں مولا پر جفا مقصود۔

رمضان المبارک کی سترہویں شب تھی اور رات کا پچھلا پہر تھا ــــــ اقوام عَالم کو امن و شانتی کا پیغام دینے والا خدا کا طیّب و طاہر رسول بدر کی سنسان وادی میں سجدہ ریز تھا اور تیز ہچکیوں کے ساتھ مدھم سی ایک آواز مسلسل سنی جا رہی تھی ــــــ خدایا! یہ مٹھی بھر کلمہ گو تیری ہی ربوبیت کا غلغلہ بلند کرنے

کو یہاں جمع ہوئے ہیں اگر یہ کل میدان کارزار میں دشمنوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئے تو پھر روئے زمین پر صبح قیامت تک کوئی تیرا نام لینے والا پیدا نہ ہوگا۔

اچانک حضرت صدیق اکبر ادھر آنکلے اور حضور کی گریہ وزاری دیکھ کر تڑپ اٹھے۔ ردائے مبارک کا گوشہ تھام کر عرض کیا ـــــــ یا رسول اللہ! ہمارے لئے آپ کی بس اتنی ہی دعا بہت کافی ہے ـــــــ سرکار نے سجدے سے سر اٹھایا تو حضرت جبرئیل روح الامین یہ آیت کریمہ لئے حاضر تھے۔ سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ۔ معذوروں اور نوعمروں کی چھٹائی کے بعد مجاہدین اسلام کی تعداد کل ۳۱۳ رہ گئی تھی اور وہ بھی نہتے اور فاقہ مست ان کے پاس کل دو گھوڑے اور دو زرہیں تھیں۔

بدر کا میدان مدینہ سے اسی میل کی دوری پر واقع تھا مگر انہیں سواریاں بھی میسر نہ تھی۔ ایک ایک سواری پر کئی کئی مجاہد سوار ہو کر یہاں تک ـــــــ پہونچے تھے پھر بھی وہ خطرات سے بے نیاز اور جنگ کی ہولناکی سے مستغنی تھے ـــــــ جبکہ ان کا مقابلہ ایک ایسی فوج سے تھا جو اُن سے کئی گُنا زیادہ تھی تقریباً چودہ سو جنگی جوانوں پر مشتمل اور وہ بھی سامان جنگ سے آراستہ، شکم سیر اور آسودہ رسد کی ان کے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ ظاہری صورت حال کے پیش نظر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ نتیجہ جنگ مسلمانوں کے حق میں جائے گا۔

لیکن غیب داں پیغمبر نے فرمانِ خداوندی عنقریب دشمنوں کو ہزیمت ہوگی اور وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ سن کر رزمگاہ کا رخ فرمایا اور جن

چودہ سردارانِ قریش نے دارالندوہ میں بیٹھ کر پیغمبر اسلام کے قتل کی تجویز پاس کی تھی آج ان میں سے گیارہ بداندیش بدر میں موجود تھے۔مخبر صادق نے ان میں سے ہر ایک کا نام لے لے کر زمین پر اپنے عصاء سے نشان لگایا کہ عتبہ بن ربیع سردار لشکر یہاں مارا جائے گا۔شیبہ اس مقام پر قتل ہوگا اور ابوجہل نافرجام کو اس جگہ اپنے بد انجام کو پہونچنا پڑے گا۔

قریش مسلمانوں کی بے سروسامانی ٹکڑی کو دیکھ کر نتیجۂ جنگ سے بہت مطمئن تھے مگر مسلمان نصرت غیبی اور بشارت نبوی پا کر انجام کار سے قطعاً بے فکر تھے۔یعنی خود اعتمادی اور خدا اعتمادی کے ہتھیاروں سے اس طرح لیس تھے کہ ان کے تیوروں کا جلال کہہ رہا تھا ؎

کافر ہو تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

اس جنگ میں ساٹھ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔دونوں کے سامنے یہ جنگ بھیانک نقشہ لیکر نمودار ہوئی تھی۔مہاجرین جو پہلے ہی سے بے گھر بے در ہو چکے تھے۔خدانخواستہ اس جنگ میں شکست کا سامنا ہوتا تو وہ ایسے پٹے ہوئے مہرے ہوتے جنہیں کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا اور خدا کی وسیع زمین پر ان کے لیے کوئی جگہ نہ ہوتی۔

انصار جنہوں نے رسول اور اصحاب رسول کی رفاقت قبول کر کے پوری دنیا سے دشمنی مول لے لی تھی مبادا اس جنگ میں اگر ناکامی سے دوچار ہوتے تو پھر کہیں ان کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا اور ہمیشہ کے لیے وہ بے خانماں برباد ہو جاتے

ــــــــــــ مگران دونوں کی شوکت گدائی پر قربان ہوجانے کو جی چاہتا ہے۔
فکر فردا سے وہ آزاد تھے۔ دشمنوں کی یلغار سے وہ بے خوف تھے۔ نفع وضرر کے تصور سے وہ بے نیاز تھے اور حالات کے مدوجزر کا کوئی خدشہ انہیں لاحق نہ تھا۔

للّٰہیت کا یہی وہ انمول جذبہ تھا۔ خلوص کی یہی وہ تیز روتھی، خدا پرستی کا یہی وہ بے باک حوصلہ تھا۔ اطاعت رسول کی یہی وہ روح پرور تپش تھی اور غلبہ دین حق کا یہی وہ دائمی سوز دروں تھا جس نے رسول اللہ کی زبان حق ترجمان سے یہ ارشاد ادا کرایا ــــــــــــ کہ آج کے بعد سے اہل بدر کو ان کا کوئی بھی عمل ہرگز انہیں جنت سے باز نہیں رکھ سکتا ــــــــــــ بظاہر اس وقت دنیا کے نقشے پر ان کا وجود کچھ ایسا تھا کہ وہ مٹتے تو اسلام مٹ جاتا۔ وہ پسپا ہوتے تو دین زوال پذیر ہوجاتا، وہ باطل شکن نہ ہوتے تو توحید کا غلغلہ دیکھا نہ جاتا۔

وہ کفن بردوش میدان میں نہ آتے تو شرک کے آزار سے بچنے کا خیال تک کسی دل میں جگہ نہ پاتا ــــــــــــ اس لیے امت مرحومہ ان کے احسان سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی ــــــــــــ

زہرہ اور عدی کے قبیلے جو قافلہ بچاؤ مہم سمجھ کر ساتھ آئے تھے یہ معلوم کر لینے کے بعد کہ ابوسفیان قافلہ کو محفوظ راستہ سے لیکر مکہ پہونچ چکا ہے بدر کی طرف بڑھنے سے انکار کر کے واپس ہوگئے تھے اس وقت قریشی سردار عتبہ بن ربیع کی بھی رائے واپس ہی ہوجانے کی تھی مگر ابوجہل ہٹ دھرم نے شور مچایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا ہم ہمیشہ کا خطرہ آج ہی مٹا کر لوٹیں گے۔ عتبہ ہمارا کمانڈر رہے تو کیا وہ کمزور دل کا آدمی

ہے جنگ سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ناچار عتبہ کو اپنی رائے بدلنی پڑی تھی۔

نماز فجر کے بعد رسول اللہ نے تقدیر ساز ہاتھوں سے نقشہ جنگ ترتیب دیا اور کمان کی ٹھوکروں سے مجاہدین کی صفیں درست فرمائیں ــــــــ قریش مکہ کی طرف سے یہی سالار لشکر عتبہ بن ربیع شیبہ اور ولید بن عتبہ کو ساتھ لیکر سب سے پہلے آگے بڑھا۔عتبہ کا سر اتنا بڑا تھا کہ کوئی خود اس کے سر پر درست نہ بیٹھ سکی تو سر پر کپڑا لپیٹ کر مسلمانوں کے روبرو آیا اور مبارز طلب کیا۔

ان تینوں کے مقابلے کو تین بہادر انصار سامنے آموجود ہوئے تو اس نے زور سے للکارا ــــــــ یہ کیا مقابلہ ہے! انصار ہمارے جوڑ کے نہیں ہمارے مقابلے پر حمزہ علی اور عمر کو بھیجو،حضور کے حکم سے انصار پیچھے ہٹ آئے اور حضرت حمزہ،مولا علی اور جناب عبید بن حارث آگے بڑھے۔حضرت حمزہ شیبہ کے سامنے آئے مولا علی نے ولید بن عتبہ کو اپنا مقابل ٹھہرایا اور عبید بن حارث عتبہ کے دوبدو آئے ــــــــ بہادر نے بہادر کو دعوت دی تھی۔قریش نے قریش کو پکارا تھا۔جانباز کو جنگجو نے ہی للکارا تھا۔البتہ فرق صرف اتنا تھا کہ ایک طرف صرف طاقت تھی،سپہ گری تھی اور نسلی افتخار تھا اور دوسری طرف طاقت تو تھی ہی،جنگی تدبیر بھی گھٹی میں پڑی تھی۔اور خاندانی عظمت کا غازہ بھی چہروں پر چمک رہا تھا مگر سب سے بڑھ کر دین حق کی حمایت اور خدا پرستی کی قوت ہر دم راکب بدوش تھی ــــــــ چنانچہ حضرت حمزہ کے پہلے ہی وار نے شیبہ کے خون سے زمین بدر کو لالہ زار بنا دیا اور حضرت علی نے بھی پہلے ہی

حملہ میں ولید کوزمین پر دے مارا۔ البتہ عبید بن حارث کوان کے حریف نے زخمی کر دیا مگر انہوں نے بھی گرتے گرتے اس کا صفایا کر دیا۔

اس کے بعد گھمسان کی جنگ شروع ہوگئی۔ جن کے پاس تلواریں نہ تھیں وہ رسول اللہ سے کھجور کی شاخیں ہی پا کر صفوں میں گھس گئے۔ خدا کی قدرت کھجور کی شاخوں نے وہ کام کیا کہ زہر آلود تلواریں کند ہوگئیں۔ نہتوں نے مسلح بہادروں کے دانت کھٹے کر دیے۔ فاقہ مستوں نے آسودہ حال لوگوں کا حال تباہ کر دیا۔ شیخی بگھارنے والی اکثریت کو دین دار اقلیت کے ہاتھوں ایسی شرمناک شکست ہوئی کہ آج تک تاریخ نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے ــــــ ستر دلاوران قوم قتل اور اسی قدر گرفتار بھی ہوئے۔

قیدیوں کے ساتھ سلوک: حساس دلوں کو لرزہ براندام کر دینے کے لیے جنگی قیدی کا تصور ہی بہت کافی تھا۔ دنیا کی متمدن ترین قومیں فتح کے زعم میں مفتوح قوم کے ساتھ وہ سب کچھ کر ڈالتی تھیں جسے درندگی کا نام بھی نہیں دیا جا سکتا۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کی تاریخ جس نے پڑھی ہے اس سے پوچھیے کہ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کے زوال کے بعد انگریزی فوجوں نے امراؤ سلاطین اور شاہی خاندان کے فرزندوں کے ساتھ کیا برتاو کیا تھا۔ جنگی جوانوں ہی نہیں بوڑھوں، بچوں اور عورتوں تک کو کیسے انسانیت سوز مظالم کا نشانہ بننا پڑا تھا ــــــ آج صدی گذر جانے کے بعد بھی تاریخ کے صفحات الٹتے وقت شاید ہی کوئی پتھر دل ہوگا جس کی آنکھیں پر آب ہو کر امنڈ نہ آتی ہوں ــــــ

آج دنیا کو مہذب ہونے کا دعویٰ ہے لیکن فلسطینیوں کے ساتھ اسرائیل کے مظالم کی درد انگیز داستانیں سب کو معلوم ہیں۔ بوسینا کے مسلمانوں کے ساتھ سربیائی درندے جو کچھ کر رہے ہیں اسے بساط زمین کا شرق و غرب جان رہا ہے اور کوئی نہیں ہے کہ ان سفاک ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائے اور ظلم کے دروازں پر قفل چڑھائے ہاں! رحمت بردوش پیغمبر نے اپنے جنگی قیدیوں کے ساتھ جو سلوک کیا جس فراخ دلی کے ساتھ انکی ضرورتوں کا انتظام کرایا اور رہائی کے سلسلے میں کیسی کچھ سہولتیں بہم پہونچائیں وہ ڈیڑھ ہزار سال کی طویل مدت میں کوئی دوسرا فاتح نہ کر سکا۔

کسی کو بھوکا نہ مارا گیا، کسی کو گزند نہ پہونچایا گیا، کسی کی گردن میں رسوائی کا طوق نہ ڈالا گیا، کسی کے عزیزوں کو اس سے باز نہ رکھا گیا، کسی کے مجرمانہ حرکتوں کو یاد دلا کر طعنہ نہ دیا گیا، اور کسی خواہش کے اظہار پر ہرگز اسے ملامت نہ کی گئی، بعض کو معمولی جزیہ، بعض کو مختصر سا فدیہ اور بعض کو محض کچھ خدمت کے صلہ میں رہا کر دیا گیا ــــــــ یہی وہ پاکیزہ سلوک تھا کہ عمّ رسول حضرت عباس اور دامادِ رسول حضرت ابو العاص اور کچھ دوسرے اشخاص اسلام کی عظمت اپنے سینوں میں چھپا کر یہاں سے لے گئے اور بہت دنوں تک اپنی عقیدتوں کا بہاؤ نہ روک سکے اور یہ کہتے ہوئے خمخانہ اسلام میں داخل ہوئے۔

بن گئی میری خطا، باعث الطاف وعطا
ان سے دیکھی نہ گئی، شکل پشیمانی کی

ایک خفیہ پلان: بدر کے انجام پر مکہ ماتم کدہ بن گیا قریش کا جینا حرام ہو گیا۔عورتوں کی گریہ وزاری نے مردوں کے عیش کو تلخ کر دیا۔سرداروں کے قتل سے عداوت کی بھٹی بھڑک اٹھی تھی اور ہر کی زبان پر انتقام انتقام کا نعرہ تھا ــــــــ اسی دوران ایک دن حطیم کعبہ میں صفوان بن امیہ اور عمیر بن وہب یکجا بیٹھے تھے اور بدر کے برے دن کا شکوہ زبان پر تھا ــــــــ کاش! مجھ پر قرض اور بال بچوں کی کفالت کا بار گراں نہ ہوتا تو بخدا میں اپنی اس زہر آلود (تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) تلوار سے محمد کا کام تمام کر دیتا، اپنی جان جاتی، جاتی قریش کو چین وسکون کی نیند تو آتی ــــــــ عمیر بن وہب نے غصہ سے پیچ وتاب کھاتے ہوئے کہا۔اس کا جوان بیٹا بدر کے جنگی قیدیوں کے ساتھ اب تک مدینہ میں نظر بند تھا جس کی کسک اسے رہ رہ کر محسوس ہو رہی تھی۔

عمیر! اگر تم کو میری وفاداری پر اعتماد و بھروسہ ہے تو میں حرم کعبہ میں حلف لیتا ہوں کہ اگر تم اس راہ میں مارے گئے تو میں تا حیات تمہارے بچوں کی کفالت کروں گا اور تمہارے سارے قرض چکا دوں گا۔تم بہادر کی طرح اٹھو اور عقاب کی طرح جھپٹو اور مردوں کی طرح وہ کر دکھاؤ جس کا ارادہ کر چکے ہو ــــــــ صفوان پہلوان نے عمیر کو بڑی دور کی کوڑی لا کر جھانسا دیا۔

عمیر احمقوں کی طرح فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کعبہ کی دہلیز پر آپ کے قتل کی قسم کھائی۔گھر پہونچ کر سواری کے لیے گھوڑا لیا اور گھر والوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر الوداع کہا ــــــــ اب اس کا گھوڑا مدینہ کے صحرا کی طرف

سرپٹ دوڑ رہا تھا۔ عمیر کو نبی کا قتل مقصود تھا مگر مشیت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

عمیر مدینہ کی آبادی میں داخل ہو کر اب سبک روی سے چل رہا تھا۔ اس کا اجنبی چہرہ انصار کو چنداں متوجہ نہ کرتا اور وہ ہر کسی سے آپ کا نشان و پتہ اور ملاقات کی جگہ معلوم کرنے میں خوف بھی محسوس کرتا۔ وہ چل ضرور رہا تھا مگر اپنی خطرناک مہم کے تصور سے دل دھڑک رہا تھا۔ جوں جوں وہ مسجد نبوی سے قریب ہو رہا تھا ایک انجان بے چینی اس کا قدم تھام رہی تھی کہ ناگاہ عمر فاروق سامنے آگئے۔ انہوں نے اس کی شاطر آنکھوں میں جھانک کر دیکھا اور ایک ـــــ موہوم خطرے کا اندازہ کرلیا۔ وہ اسے پہلے سے بھی پہچانتے تھے ـــــــــ حضرت فاروق نے لپک کر اس کی گردن دبوچ لی اور دشمن مہمان کو حضور کے روبرو لا کھڑا کیا۔ یارسول اللہ مجھے اس کی نیت میں فطور نظر آتا ہے۔ جناب فاروق نے عرض کیا۔

عمر! تم اپنی خدمت انجام دے چکے اب اسے چھوڑ دو۔ حضور نے بردبار لہجے میں فرمایا ـــــــــ عمر کی گرفت سے جب اس کی گردن آزاد ہو گئی تو حضور نے فرمایا عمیر! بیٹھ جاؤ۔ وہ دم بخود بیٹھ گیا اور جب اس کی سانس ٹھکانے لگی تو فرمایا عمیر! کس ارادے سے چلے تھے؟

اپنے فرزند کی رہائی کی درخواست لیکر ـــــــــ عمیر نے لڑکھراتی زبان سے ہوشمندانہ جواب دیا۔ عمیر تم سچ کہتے ہو؟ یا اور بھی کوئی نیت تمہیں یہاں تک کھینچ لائی ہے۔ رسول اللہ نے افشائے راز کے بغیر ہی سوال کیا۔

ہرگز نہیں بس بیٹے کی رہائی میرے سفر کا مقصود ہے ـــــــــ عمیر نے یقین دلانے کے تیور میں کہا۔ اسے معلوم تھا کہ میں مخالف گروپ سے تعلق رکھتا ہوں اور دشمن کو اپنی سرحد میں پا کر شکوک وشبہات ایک فطری امر ہے۔ اگر میں نے دھونس جمانے کے انداز میں گفتگو نہ کی تو دل کا چور چھپانا مشکل ہو جائے گا۔ ـــــــــ گرفتار بیٹے کے رہائی کا مسئلہ مدینہ آنے کا سبب بنا۔ اس جواب میں معقولیت کا عنصر تھا اور سارے شکوک رفع کر دینے کا باعث بھی۔ اگر غیب داں پیغمبر کی جگہ دنیا کا کوئی بھی انقلابی لیڈر رہوتا تو ضرور عمیر کے جواب کو سچائی کے کھاتے میں جگہ دے دیتا ـــــــــ عمیر! کیا تمہارے اور صفوان بن امیہ کے درمیان حطیم کعبہ میں بیٹھ کر کوئی عہد نہیں ہوا۔ کیا تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ اگر مجھ پر قرض اور بیوی بچوں کے خرچ کا بار نہ ہوتا تو اپنی زہر آلود تلوار سے محمد کا کام تمام کر دیتا۔ کیا تمہارے یہ بول سن کر صفوان نے تمہارے قرض اور بچوں کی کفالت کا حلف نہیں لیا ـــــــــ عمیر سچ بولو کیا تمہارے گلے میں حمائل یہ تلوار اسی ناپاک منصوبے کی تکمیل کے لیے نہیں ہے۔؟ ـــــــــ رسول اللہ نے عمیر کے دل کا چور پکڑ کر سامنے لا کھڑا کیا۔ عمیر اب شرمندہ تھا اور سخت حیران بھی، اپنے ارادے پر ندامت تھی اور صفوان پر سخت غصہ بھی، بھاگ جانے کا خیال بھی آتا اور قدموں پر سر رکھ دینے کی آرزو بھی، معافی مانگنے کی ہوک دل میں اٹھتی اور پھر زبان خاموش بھی، عمیر سر جھکائے دیر تک بیٹھا دل سے ضمیر کا آخری فیصلہ مانگ رہا تھا بالآخر دل نے

کہا، عمیر! حق واضح ہونے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی دن نہیں آئے گا۔

عمیر نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں ندامت کے آنسو تیر رہے تھے ــــــــ بھرائی ہوئی آواز میں بولا اللہ کے رسول آپ نے جو کچھ بھی کہا وہ سچ ہے۔ یہ عہد میرے اور صفوان کے درمیان ہوا کسی تیسرے کو ان کا کوئی علم نہیں۔ میں نے بیوی سے بھی یہ راز پوشیدہ رکھا ہے ــــــــ مگر آپ کو صرف میرا ارادہ ہی معلوم نہیں ہے بلکہ میرے بول کا بھی علم ہے، جو یقیناً آپ کی شان نبوت کا روشن ثبوت ہے۔ آج مجھ پر حق واضح ہو گیا کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ اگر میرا جرم نا قابل معافی بھی ہو تو ہر سزا قبول کرتے ہوئے صدق دل سے اقرار کرتا ہوں اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا ــــــــ ارشاد فرمایا اِنَّ الْاِسْلَامَ یَهْدِمُ مَا کَانَ قَبْلَهٗ عمیر! اسلام وہ نعمت لازوال ہے جسے پالینے کے بعد اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔

مکہ میں شدہ شدہ یہ خبر لوگوں کے کانوں تک پہونچ چکی تھی کہ عمیر مکہ سے کیا ارادہ لیکر نکلا ہے، ہر گھر میں خوشی کی لہر تھی اور ہر کان ایک نئی خبر سننے کا مشتاق ــــــــ ناگاہ مدینہ سے ایک نئی خبر مکہ پہونچی مگر توقع کے بالکل خلاف ــــــــ لوگوں کے کانوں میں ایک جھٹکا سا لگا اور پہلی آواز کو دل قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ کیونکہ عمیر پکے ارادے کا حامل اور اسلام دشمنی میں طاق تھا اس کے متعلق یہ گمان آسان نہ تھا کہ ایک ہی جھٹکے میں وہ اپنے نہاں خانے سے اسلام دشمنی کے

سارے بت نکال پھینکے گا ــــــــــ مگر مختلف ذرائع ابلاغ سے اس خبر غیر مانوس کی تصدیق ہوتی گئی تواب طفل تسلی کے لیے کوئی چارہ نہ رہا اور ہر گھر میں موت کا ساسناٹا چھا گیا۔ شاید عمیر کی موت پر بھی ایسا سناٹا طاری نہ ہوتا۔

اسلامی تاریخ کی دوسری جنگ: شوال المکرم ۳ھ میں جنگ بدر کے انتقام کے نتیجے میں جو خوفناک جنگ پیش آئی وہ جنگ احد کے نام سے تاریخ میں مذکور ہے۔ مدینہ کے شمال میں تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑی کا نام احد ہے۔ چونکہ اسی پہاڑی کے دامن میں یہ جنگ لڑی گئی تھی اسی لیے جنگ احد کے نام سے یاد کی جاتی ہے ــــــــــ قریش کے دلوں میں پورے ایک سال تک انتقام کا لاوا اندر ہی اندر پکتا رہا اور جب جنگی تیاریاں مکمل ہو گئیں تو اچانک آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑا۔ انتقام کی آگ بھڑکانے میں شیطان صفت مردوں کے دوش بدوش ہندہ اور عمرہ جیسی ناگن بھی تھیں جنہوں نے مقتولین بدر کا دردناک مرثیہ پڑھ پڑھ کر پورے مکہ کی فضا کو زہر آلود بنا دیا تھا۔

سال بھر تک جنگی سازوسامان کے لیے چندہ کیا جاتا رہا تھا۔ ہر گھر سے لائق حرب وضرب شخص کی جنگ میں شمولیت لازم قرار دے دی گئی تھی، جن کے اعزہ بدر میں مارے جاچکے تھے ان سے تو کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی وہ پہلے ہی سے شعلۂ جوّالہ کی طرح لہک رہے تھے کرایہ کے افراد بھی ڈھونڈنے سے گریز نہ کیا گیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ پہلی جنگ کے بھیانک نتیجے نے ان کو ہر ممکن تدبیر اپنانے پر مجبور کر دیا تھا۔

مدینہ کی طرف کوچ کرنے سے پہلے تین ہزار فوج ہر چہار سمت سے اکٹھا ہوگئی جن کے پاس سامان جنگ کی بھی کچھ کمی نہ تھی سات سوایسے زرہ پوش تھے جن پر تیز تلواریں اور نوکیلے نیزے بیکار ثابت ہوسکتے تھے ان کا کمانڈر صفوان بن امیہ تھا۔ دوسو گھوڑے تھے جن پر کار آزمودہ جوان سوار تھے۔ اس دستہ کے سالار کا نام خالد بن ولید تھا جو سارے عرب کے چالاک جنگجوؤں میں سے ایک شمار کیا جاتا تھا ـــــ ایک ہتھیار بند دستہ کی قیادت عکرمہ بن ابی جہل کررہا تھا اور پوری فوج کا کمانڈ ابوسفیان کے ہاتھ میں تھا کیونکہ اب قریش کی سرداری کے خانہ میں اسی کا نام آتا تھا، مختصر یہ کہ نہ افراد کی کمی تھی اور نہ آلات حرب کی اور جب انہیں یقین ہوگیا کہ مسلمان ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لاکر سیلاب کے خس وخاشاک کی طرح بہہ جائیں گے تو مدینہ کی طرف فاتحانہ شان سے چل پڑے۔

مدینہ میں ـــــ بالکل ایمرجنسی میں بلائی جانے والی شوریٰ کی کارروائی جاری تھی اور جنگی تدبیر اپنانے کے مسئلہ پر نہ ٹوٹنے والے بحث کا سلسلہ چل رہا تھا دشمن کے دو جاسوس پکڑ لیے گئے تھے جنہوں نے کفار قریش کی جنگی تیاریوں کی تفصیل بتادی تھی لہذا دفاع کی تدبیر میں اہل مدینہ کی آراء مختلف تھیں ـــــ نمائشی مسلمانوں کا لیڈر ابی بن شلول مدینہ میں قلعہ بند ہوکر دفاع کو ترجیح دیتا تھا مگر انصار و مہاجرین کے جیالوں کا مدینہ سے باہر نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرنے پر اصرار تھا۔

رسول اللہ ان مشوروں میں دوموہوم خطرے محسوس کررہے تھے اور ان کے سدباب پر آپ کی خاموش نظر تھی۔ یہ آپ کی اعلیٰ سیاسی بصیرت اور کامل جنگی مہارت کی دلیل ہے ـــــــ

پہلا خطرہ ـــــــ مدینہ میں رہ کر جنگ مول لینے میں خطرہ یہ تھا کہ مسلمانوں کی دفاعی قوت محدود ہو جائے گی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ عبداللہ بن ابی جو قلعہ بند ہو کر جنگ کرنے پر مصر ہے مسلمانوں کو گھیر کر نکمانہ بنادے اور کافروں سے سازباز کرکے ان کو مسلمانوں پر چڑھا نہ لائے اس لیے کہ اس کا اسلام کسی اعتنا کے لائق نہ تھا وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔

دوسرا خطرہ ـــــــ مدینہ سے باہر نکل کر جنگ کرنے میں خطرہ یہ تھا کہ یہود اس دستوری دفعہ کے تحت کہ مدینہ پر حملہ آوروں کا دفاع ہمیشہ متحدہ طاقت سے کیا جائے گا، ہتھیار بند ہو کر مسلمانوں کی پشت پر موجود تھی عین ہنگامِ جنگ میں مسلمانوں سے دغا کرکے کافروں کے ساتھ جاملنا ان سے کچھ بعید نہ تھا''

فوج میں بھرتی بڑی شدومد سے جاری تھی جب ایک ہزار سپاہ تیار ہو گئی تو آپ نے یہود کے سرکردہ لوگوں کو بلا کر بڑی صفائی سے کہہ دیا کہ قریش کا اہل مدینہ سے کوئی مواخذہ نہیں ہے وہ صرف مسلمانوں سے لڑنے آئے ہیں اس لئے یہ خالص مذہبی نوعیت کی جنگ ہے لہٰذا اس میں تمہاری شمولیت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ پیغمبر کا یہ فرمان سن کر یہود دست کش ہو گئے اس طرح ایک خطرہ ٹل گیا۔

حضور اکرم اندرون خانہ تشریف لے گئے اور ہتھیار سے سج کر باہر جلوہ

افروز ہوئے یہ اس بات کا سگنل تھا کہ قلعہ بندی کی حالت میں جنگ نہیں ہوگی بلکہ دلیرانہ شان سے باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کیا جائیگا۔ یہ دوسرے خطرے کا سد باب تھا۔عبداللہ بن ابی نے اس وقت بھی اپنی رائے پر اصرار کیا مگر رسول اللہ نے جواب دیا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اسے اتار دے۔

ایک ہزار سپاہ پر مشتمل اسلامی فوج مدینہ سے روانہ ہوکر کوہِ احد کے دامن میں جا پہونچی پیغمبر نے مشرقی گوشے میں اپنا مورچہ جمایا جبکہ دشمن کا جم غفیر مغرب کی جانب خیمہ زن تھا، دوسرے دن ۱۵ ارشوال کو صبح کے وقت رات بھر کے غور وفکر کے بعد عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اعلان کر دیا کہ محمد نے میری صائب رائے پر جذباتی جوانوں کی غیر دانشمندانہ رائے کو ترجیح دی۔ یہاں آکر جنگ کرنا اپنی ہلاکت کے سوا کچھ بھی نہیں اور اپنے تین سو حمایتیوں کو ساتھ لیکر رزمگاہ سے رفوچکر ہو گیا۔

یہاں ایک نکتہ قابل غور ہے ـــــــــ پیغمبر نے عبداللہ بن ابی کی رائے سے اختلاف مدینہ میں کیا تھا اور قریش کی جمعیت کا علم اسے پہلے سے تھا۔ وہ اپنی بغاوت کا اعلان اسی وقت کرسکتا تھا اور اپنی نفری کمزوری کا عذر کر کے فوج میں بھرتی شدہ اپنے حامیوں کو واپس لے سکتا تھا مگر اس نے ایسا نہیں کیا ـــــــــ آخر کیوں؟

ارباب بصیرت اس کا جو سبب بیان کرتے ہیں اس میں بڑی حد تک ـــــ معقولیت کا عنصر ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس توقف میں عبداللہ بن ابی کے نفاق کا

دوراز مضمر تھا ــــــــ اولاً یہ کہ عین میدان جنگ سے اپنے ہم نواؤں کو نکال لانے پر اس کا گمان تھا کہ اسلامی فوج میں عام بددلی پھیل جائے گی۔ کیونکہ دشمن کے مقابلے میں ان کی تعداد پہلے سے تہائی تھی مزید کمی سے بہت ممکن ہے کہ کچھ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا ارادہ بھی متزلزل ہو جائے اور وہ بھی اپنی زبردست کمزوری سے گھبرا کر ہمارے ساتھ آجائیں ــــــــ ثانیاً یہ کہ دشمن پر ظاہر کر کے اگر ہم محمد کی حمایت سے دست بردار ہو نگے تو قریش ہمارے بہی خواہ ہو جائینگے اور ان کی فوج میں مسلمانوں کو نابود کر دینے کی نئی امنگ پیدا ہو جائیگی۔ مشہور عیسائی محقق کونسٹان ورژیل جارج اپنی کتاب ''پیغمبر اسلام'' میں لکھتا ہے کہ عبداللہ بن ابی کی اس علیٰحدگی نے واضح کر دیا ہے کہ اس کی تجویز پر محمد عربی نے جس خطرے کا اندیشہ کیا تھا وہ سراسر حق بجانب تھا ــــــــ اس نے اپنا پلان کامیاب ہوتا ہوا نہ دیکھ کر ہی یہ دوسرا نہایت مہیب دھما کہ کیا تھا۔

اسلامی فوج اب کل سات سو رہ گئی تھی جن کے پاس صرف دو گھوڑے اور چند زرہیں تھیں اور بس۔ بدر میں نوسو پچاس کے مقابلے پر تین سو تیرہ تھے یعنی بدریوں کو تین گنا زیادہ فوج کا سامنا کرنا پڑا تھا اور یہاں سات سو کو تین ہزار یعنی چار گنا سے بھی زیادہ بڑی تعداد سے مقابلہ کی نوبت آپہونچی تھی مگر غازیانِ اسلام میں کوئی اضطراب و بے چینی نہ تھی۔ عبداللہ بن ابی کا منافق دستہ الگ ہو جانے سے جنگی جوانوں میں کوئی سراسیمگی نہ دیکھی گئی۔ شکست و ریخت کا کوئی تصور ان کے سامنے نہ تھا۔ کوئی سپاہی حوصلہ شکن اور پست ہمتی کی گفتگو نہ کرتا۔ سب کے

سب خدا کی نصرت وحمایت پر کامل یقین رکھنے والے مردان غازی تھے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

نقشۂ جنگ : احد کے دامن میں جو پیالہ نما زمین تھی۔اس کے مشرقی حصہ پر مسلمان قابض تھے اور مغربی کنارے پر دشمن کی فوج فروکش تھی۔مسلمانوں کی پشت پر جانب جنوب عینین ٹیلہ تھا۔جسے عبور کر کے شہر مدینہ میں داخل ہوا جاسکتا تھا۔دشمن کی فوج کو مسلمانوں پر حملہ کے لیے سامنے کے سوا دوسرا کوئی چارہ نہ تھا۔البتہ عینین ہی ایک ایسا راستہ تھا جسے گھوڑوں کے ذریعہ عبور کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کرنا آسان تھا۔

لہٰذا جنگی ہدایات دیتے ہوئے رسول خدا نے فرمایا۔لوگو!تم تھوڑے ہو اور تمہارے دشمن بہت زیادہ ہیں۔اگر آج تم جنگی اصولوں پر پوری طرح کار بند نہ رہے تو ہلاک کر دیئے جاؤ گے۔تم دائرہ کی شکل میں مل کر ایک ساتھ آگے بڑھو۔اور اس کا خاص خیال رکھو کہ صفیں ٹوٹنے نہ پائیں تا کہ دشمن کو تمہاری پشت نہ مل سکے۔اور وہ تمہاری صفوں میں گھس کر انتشار برپا نہ کرسکیں۔

اس کے بعد عینین ٹیلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ـــــــــ دشمن کو پیچھے سے حملہ آور ہونے کا راستہ بس یہی ہے۔مجھے اندیشہ ہے کہ خالد بن ولید سواروں کو ساتھ لے کر ادھر ہی سے یلغار کرے گا۔اور خطرناک صورت یہ ہے کہ پیدل فوج کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو اسے تم روک سکتے ہو مگر دو سو گھوڑوں کی

قطار کو پیچھے ڈھکیلنا ایک دشوار مرحلہ ہے۔ اس لیے ماہر تیراندازوں کا محافظ دستہ یہاں موجود رہنا ضروری ہے۔

آخر میں پچاس نامی تیراندازوں کو عینین گھاٹی کی نگرانی پر مقرر فرمایا اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کو ان پر سالار نامزد کر کے تاکید فرمائی کہ ہم کو فتح و شکست کی جو صورت بھی پیش آئے۔ تم کو اپنی جگہ پر ہر حال میں ثابت قدم رہنا ہے۔ تمہارا یہاں سے ٹلنا ہم کو کسی بھی وقت خطرے سے دوچار کر سکتا ہے۔''

رسول برحق کی یہ وہ روشن ہدایات اور حفظ ما تقدم کی وہ عمدہ تدبیر تھی جو صحابہ کی اولین کامیابی کی ضمانت ثابت ہوئی۔ مستشرقین تک کو یہ اعتراف ہے کہ آپ کی فطرت سلیمہ سیاسی مہارت کی عکاسی تھی اور آپ کے ہر قدم جنگی اصول وضع کرنے والے تھے۔ آپ ہی کے خطوط پر چل کر آپ کے خلفاء نے پوری دنیا سے اپنے غیر معمولی سیاسی تدبر کا لوہا منوالیا تھا۔ طبل جنگ بجتے ہی اسلامی فوج حرکت میں آ گئی ــــــــ اور اپنے پیغمبر کی ہدایات کے مطابق دائرہ بنائے، پرے باندھے اور حلقہ کئے ہوئے دشمن کی طرف بڑھی، دیکھتے ہی دیکھتے جنگ کی آگ تیز ہو گئی تلواروں کی جھنکار چنگاریاں برسانے لگی۔ نیزوں کی چمک سے آنکھیں خیرہ ہونے لگیں۔ تیروں کی سنسناہٹ اور گھوڑوں کی گھن گرج نے کانوں کو ناکارہ بنا دیا۔

مگر مسلمانوں کے اصول جنگ میں کوئی فرق نہ آیا۔ پے در پے حملوں کے باوجود دشمنوں کی فوج غازیان اسلام کی صفیں نہ توڑ سکی اور پشت کی جانب سے حملے کا

موقع انہیں نہ مل سکا۔ مسلمانوں کی طمانیت اور پامردی نے ان کے حوصلے پست کر دیئے بلکہ غلامانِ مصطفیٰ کے منظم حملوں کو دیکھ کر ان کے دلوں پر مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی اور وہ غیر متوقع طریقے پر پیچھے ہٹنے لگے ـــــــ کچھ ہی دیر بعد پوری فوج میں افراتفری مچ گئی اور طاقت کے زعم میں اترانے والے سپاہی بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے ـــــــ یہ فرار بغیر قتل وخون کے نہیں تھی، جنگ کی ہولناکی کا اندازہ لگانے کے لیے مؤرخین کی یہ شہادت بہت کافی ہے کہ اس دن بنی عبدالدار کے یکے بعد دیگرے نو علم بردار مارے گئے تھے۔

پانسہ پلٹ گیا: افسوس ـــــــ اس غیر متوقع فتح نے چند کو چھوڑ کر، عام مسلمانوں کو جادۂ حق سے ہٹا دیا۔ وہ اپنے پیغمبر کی ہدایات کو بھول بیٹھے۔ انہوں نے اپنی صفیں توڑ دیں اور یہ جان کر کہ دشمن نے راہ فرار اختیار کر لی۔ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

علی مرتضیٰ نے بار بار للکارا ـــــــ مسلمانو! خبردار اپنی صفیں نہ توڑو، اپنے نبی کی ہدایت پر قائم رہو، یہ مال غنیمت دوسروں کی طرف نہیں جائے گا۔ مگر ''نقار خانے میں طوطی کی آواز'' سنتا کون ہے۔

دوسری طرف ـــــــ عینین ٹیلے کے پاسبانوں نے جب دیکھا کہ کافروں کو ہزیمت ہو چکی اور مسلمان مال غنیمت کی طرف دوڑ رہے ہیں، انہوں نے بھی اپنا مورچہ چھوڑ دیا۔ ان کے سالار حضرت عبداللہ بن جبیر نے ہر چند روکنا چاہا۔ وہ پیغمبر کا یہ ارشاد بار بار یاد دلا رہے تھے کہ فتح وشکست

دونوں صورت میں رسول اللہ نے ہم کو مورچہ بند رہنے کی تاکید فرمائی ہے ــــــــــ مگران کے ساتھ مورچے پر صرف گیارہ افراد ہی ٹھہر سکے۔ جو بلاشبہ اطاعت شعاروں کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

مجاہدین اسلام کی یہ کوئی باغیانہ روش نہ تھی اور نہ معاذ اللہ سرکشی کا کوئی اقدام تھا ــــــــــ بلکہ ایک غیر متوقع فتح کا سرور تھا جس نے انہیں بھول کے راستے پر ڈال دیا تھا اور وہ غفلت کے اسیر ہو کر رہ گئے تھے۔ ان کا یہ غلط اجتہاد تھا کہ حضور کا فرمان تو جنگ کے لیے تھا اب جنگ کا بادل چھٹ چکا ہے اور میدان خالی پڑا ہے۔

اس غلط اجتہاد کی وجہ ان کی ناتجربہ کاری تھی، وہ ایک جنگ آزمودہ فوجی جرنیل اور مبعوث من اللہ داعی الی الحق کی ہدایات میں فرق نہ کر سکے۔ ایک کمانڈر انچیف اور خدا کے پیغمبر میں علم و مشاہدہ کا جو باریک فرق ہوتا ہے اسے جاننے والے تربیت یافتہ صحابہ میں سے کوئی بھی ہدایت کی ڈگر چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ اس یقین کے باوجود کہ میری قوت دفاع اس سیلاب بلا کو نہ روک سکے گی اپنی جگہ اٹل رہے۔

قریشی فوج ہانپتی کانپتی جب اپنے خیموں کے قریب پہونچی تو عورتوں نے ان کو دھتکارا، گالیاں برسائیں اور ملامتوں کے ڈنڈے دکھائے۔ عمرہ نامی ایک جوان اور بلند قامت عورت غضب ناک ہو کر نیم عریاں ہو گئی میدان جنگ میں پہونچ کر اس نے بنی عبد الدار کے مقتول علم بردار کے پاس سے جھنڈا اٹھالیا اور

اشتعال انگیز اشعار پڑھنے لگی۔ دوسری عورتیں بھی اس کے ہمدوش ہو گئیں۔ ـــــــ یہ ساری کارروائی فوجی جوانوں کو غیرت دلانے کے لیے ہی تھی چنانچہ مشرکین مکہ کی پٹی ہوئی فوج ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر نئے عزم و حوصلے کے ساتھ اچانک پلٹ پڑی ـــــــ عورتوں کی پھٹکار نے ان کے اندر ایسی امنگ پیدا کر دی تھی کہ اس بار کا حملہ پہلے تمام حملوں سے شدید تھا۔

مسلمان اس ناگہانی حملے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان کی صفیں درہم برہم ہو چکی تھیں۔ آناً فاناً صفوں کی ترتیب ممکن نہ تھی اور چونکہ یہ حملہ بالکل بے خبری میں ہوا تھا اس لیے کافروں کے نرغے میں آ کر انفرادی جنگ پر وہ مجبور ہو گئے ایک ایک سپاہی دس دس کافروں سے تنہا نبرد آزما تھا ـــــــ خالد بن ولید جو دور سے جنگ کا نظارہ کر رہا تھا اپنے سواروں کا دستہ لیکر عینین ٹیلے پر چڑھ گیا، صرف بارہ افراد دو سو گھوڑوں کا زبردست ریلا نہ روک سکے مگر اپنے جیتے جی ان کو بڑھنے بھی نہ دیا۔ سب کے سب مورچہ کی حفاظت میں جان دے دی ـــــــ آج بھی ان کی روحوں کا قرار کہہ رہا ہے ؎

جان دی ، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

خالد بن ولید کے سواروں نے جب مسلمانوں پر تاخت کیا تو وہ ایک دم حواس باختہ ہو گئے۔ بالکل بے خبری میں پیچھے کی طرف سے یہ سب سے شدید حملہ تھا۔ یہ وہ بے خودی کا وقت تھا کہ اپنوں کی تلواریں اپنوں ہی کا گلہ کاٹ

رہی تھیں ـــــــ خود رسول خدا بھی دشمنوں کے غول میں تھے سو تلواریں یکبارگی آپ کو نشانہ بنا رہی تھیں اور صرف دس جانبازان کے پے بہ پے حملوں کا نہایت پامردی سے جواب دے رہے تھے۔

حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم، حضرت شیر خدا، حضرت زبیر بن العوام، حضرت سعد بن وقاص، حضرت انس بن نضر، حضرت ابودجانہ اور کچھ دیگر اصحاب اپنے پیغمبر کے سامنے ایسے سد سکندری بن کر کھڑے ہوگئے کہ حملہ آوروں کا حوصلہ پست ہو گیا اور انہیں چار و ناچار پیچھے ہٹ جانا پڑا ـــــــ یہ پہلا موقع تھا جو کافروں کو صحابہ کی حیرت ناک فداکاری کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

عم رسول حضرت امیر حمزہ ـــــــ خالد بن ولید کے سواروں کی طرف متوجہ تھے اور دو دستی تلوار چلا رہے تھے۔ حضرت ابودجانہ کے سوا کوئی بھی شخص شمشیر زنی میں آپ کا ہم پلہ نہ تھا، کرایہ کا ایک سیاہ فام سپاہی آپ کی تاک میں تھا۔ وہ چھوٹا نیزہ پھینکنے کی مہارت رکھتا تھا۔ موقع پا کر اس نے جو نیزہ چلایا تو وہ آپ کی ناف میں لگا اور پار اتر گیا ـــــــ اس حملہ کے بعد حضرت امیر حمزہ نے وحشی کو دیکھا اور چاہا کہ اسے اپنی تلوار کی زد میں لے لیں مگر زخم بہت کاری تھا دور تک پیچھا نہ کر سکے لڑکھڑا کر ایک گڑھے میں جا گرے اور جان، جان آفرین کو سپرد کر دی ـــــــ خانوادۂ نبوت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے لیے بھی یہ سب سے اندوہناک حادثہ تھا۔

مسلمانوں کا حال سب سے زیادہ اس وقت دگرگوں تھا ــــــــ جب ابن قمیہ نے پیغمبر کے لب ورخسار کوزخمی دیکھ کرشور مچادیا تھا کہ محمد ہاشمی توقتل کردیے گئے۔اس افواہ سے مسلمانوں کے اوسان خطا ہوگئے۔جو جہاں تھا، دم بخود رہ گیا۔حرکت کی تاب جاتی رہی، تلوار کی آب رخصت ہوگئی۔حرب وضرب کے سارے جوہروہ فراموش کرگئے۔"نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن" نہ وہ میدان چھوڑنے کے لائق تھے اور نہ ہی تلوار چلانے کے قابل۔

ناگاہ، کسی کی آواز دشت وجبل میں گونجی۔لوگو! پہاڑی کی طرف بڑھو اللہ کے مقدس رسول ہمارے درمیان موجود ہیں۔یہ آواز کیا تھی حیات سرمدی کی صدائے دل نواز تھی جس نے مسلمانوں میں بجلی کی تڑپ پیدا کردی۔سوکھی رگوں میں خون دوڑا دیا اور دل کا اضطراب سکون پا گیا۔جو جدھر تھا، آواز کی سمت دوڑ پڑا۔

افواہ میں بلا کی تاثیر ہوتی ہے۔شدہ شدہ یہ خبر مدینہ میں بھی پہونچ گئی کہ پیغمبر اسلام شہید ہوگئے اس خبر وحشت اثر سے مدینہ کے بام ودر لرز اٹھے۔حضرت عمرو بن جموح کی بیوی حضرت خلاد بدری کی والدہ جناب ہند انصاریہ دیگر چند خواتین کے ساتھ جنوب کی طرف سے اشک بداماں آپہونچیں اور صحابہ کی جھرمٹ میں جب انہوں نے سرکار کو سلامت دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھیں۔**كلّ مصيبة بعدك جلل**، یارسول اللہ! آپ سلامت ہیں تو ساری مصیبت ہیچ ہے۔

یہ وہ پاک طینت خاتون ہیں جنکے شوہر اور بیٹے دونوں اس جنگ میں شہید ہو

چکے تھے۔ پھر بھی صبر ورضا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔اس جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔شاعر نے ان سچے جاں نثاروں کی سچّی ترجمانی اس طرح کی ہے ؎

چھٹ جائے اگر دولت کونین تو کیا غم
چھوٹے نہ مگر ہاتھ سے دامانِ محمد

قریش کی ناکام واپسی : سیکڑوں میل کی مسافت طے کر کے جو فوج مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی غرض سے آئی تھی وہ محض ایک خونی ڈرامہ رچا کر واپس ہو گئی اور اپنا مدعا پورا نہ کر سکی ـــــــ اسلامی مؤرخین کی نگاہ میں اس کے اسباب و وجوہ درج ذیل ہیں۔

(۱) قریش کو گمان تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں ان سے جنگ آزمائی کی ہمت نہ کریں گے۔ بلکہ مدینہ میں محصور ہو کر وہ صرف دفاع کریں گے۔ اس وقت یہود و منافقین کی متحدہ طاقت میرے ساتھ ہو جائے گی اور ہم ان دونوں کی مدد سے مسلمانوں کو بہت جلد زیر کر لیں گے ـــــــ مگر پیغمبر کی حکمت عملی اور غیر معمولی عسکری تدبیر نے ایسا ہونے نہ دیا۔

(۲) قریش کے پاس خبر رساں ایجنسی اور سراغ رسانی کا کوئی محکمہ نہ تھا اس لیے مسلمانوں کے منتشر شیرازہ کی تفصیل ابوسفیان نہ جان سکا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے واپسی میں جلدی کر دی اور روحا کے مقام پر پہونچ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

(۳) عربوں کا مزاج رات میں جنگ کا نہ تھا ـــــــ اس معرکہ

میں چونکہ شام آ گئی تھی اور تیزی کے ساتھ شب کی سیاہی قریب آتی جا رہی تھی اس لیے ابوسفیان کو جنگ بندی کی فکر لاحق ہوئی۔ وہ اختتام جنگ کے اعلان کے لیے ایک فوجی دستہ لے کر اس پہاڑی کے نیچے آیا جس پر پیغمبر اور اصحاب پیغمبر جمع تھے۔ ابوسفیان سردار قریش نے اس طرح سلسلۂ کلام جاری کیا۔

پہاڑی کے اوپر محمد بن عبداللہ موجود ہیں؟ ـــــــ حضور نے ممانعت فرما دی کہ کوئی جواب نہ دے اس نے پھر آواز لگائی ـــــــ ابو بکر بن ابی قحافہ زندہ ہیں؟ ـــــــ جب کوئی جواب نہ ملا تو اس نے پھر پکارا عمر بن خطاب اور علی بن ابی طالب کیا اب تک بچ رہے ہیں؟

اس بار بھی جب کسی طرف سے کوئی جواب نہ پایا تو اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ چلو اچھا ہی ہوا، سب کے سب مارے گئے ـــــــ حضرت فاروق اعظم میں تاب ضبط باقی نہ رہی پکار اٹھے ـــــــ او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں۔

ابوسفیان نے یہ جواب سن کر نعرہ مارا ـــــــ اعل ھبل

پیغمبر اسلام نے حکم فرمایا جواب دو ـــــــ اللہ اجل

ابوسفیان نے یہ جواب پا کر کہا ـــــــ اے محمد! آج کا دن بدر کا بدلہ ہے۔ اس کے بعد اپنے تمام ہمراہیوں سمیت وہاں سے روانہ ہو گیا۔ اس جنگ میں چوسٹھ انصار اور چھ مہاجرین کل ستر اصحاب رسول شہید ہوئے۔ میدان بدر میں اسی قدر کفار قریش قتل ہوئے تھے۔ اسی مناسبت سے ابوسفیان نے آج

کے دن کو بدر کا بدلہ قرار دیا۔

اس معرکہ میں صحابہ اپنے نبی کی خاطر ایسی بے جگری سے لڑے تھے کہ دنیا کی تاریخ دنگ ہے۔عیسائی محقق اپنی کتاب ''پیغمبر اسلام'' میں لکھتا ہے کہ جنگ کے خاتمہ پر دشمن فوج کے کمانڈر ابوسفیان کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ ــــــــ ''میں نے ہرگز ایسے بہادر نہیں دیکھے جنہوں نے کسی کے ساتھ ایسی فداکاری دکھلائی ہو جیسی جنگ اُحد کے آخر میں محمد کے اصحاب نے دکھلائی۔

دس جاں نثاروں نے تو فطرت کا لبادہ ہی اتار پھینکا تھا۔بشری تقاضوں کو بہت دور پیچھے چھوڑ کر جنگ کی آگ میں اس طرح کود پڑے کہ دیکھنے والے مبہوت رہ گئے ــــــــ بالآخر اپنے نبی کو دشمنوں کے نرغے سے باہر نکال کر زمانہ کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔

اس کوشش میں حضرت انس بن نضر شہید ہوئے تو زخم کی کثرت کے سبب انہیں پہچانا نہ جاسکا۔صرف ان کی بہن نے پیر کے انگوٹھے سے پہچانا ــــــــ حضرت ابودجانہ مشہور شمشیر زن تھے۔دو دستی تلوار چلانے میں اپنا مثل نہ رکھتے تھے۔دونوں ہاتھ کی تلواریں جب ٹوٹ گئیں اور بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہ رہی تو حضور کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے اور ان کی پیٹھ خارپشت بن گئی۔جب انہوں نے دیکھ لیا کہ حضور اب محفوظ ہیں تو وہیں گرے اور جان بحق ہوگئے۔

حضرت زبیر بن العوام کو ایسے ایسے کاری زخم لگے تھے کہ مدتوں بعد بھی

بچے زخم کے گڑھوں سے کھیلا کرتے تھے جب ان کی تلوار ٹوٹ گئی اور ڈھال کے پرزے اُڑ گئے تو دشمن کے واروں کو ہاتھ پر روکا۔ جس سے ان کا ہاتھ ناکارہ ہو گیا تھا۔ نامور تیرانداز حضرت سعد بن ابی وقاص حضور کے آگے ہو کر برابر تیر برسا رہے تھے۔ سینہ پر بارہ زخم کھایا مگر قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ نیزہ کے اکیس زخم کھانے کے بعد بھی حضرت عمر فاروق کی للکار میں کچھ فرق نہ آیا۔

جنگ کی آگ فرو ہو جانے کے بعد ابو عبیدہ جراح نے حضرت علی مرتضیٰ کے جسم پر تیروں، تلواروں اور نیزوں کے اسی زخم دیکھے تو ششدر رہ گئے کہ اتنے زخموں کو سہ کر آخر دم تک آپ کی تلوار گردش میں کیوں کر رہی۔ کہتے ہیں کہ اس روز شیر خدا کے ہاتھوں میں نو تلواریں ٹوٹی تھیں ـــــــ کیا، زمین پر کسی بھی قوم کو آج تک ایسے جیالے مل سکے ہیں؟ ـــــــ عالمی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے ہمیشہ عاجز رہے گی۔

دوسرے دن ـــــــ صبح کو رسول اللہ نے میدان کارزار کا معائنہ فرمایا جگہ جگہ صحابہ کی لاشیں پڑی نظر آئیں تو بہت دل گرفتہ ہوئے اور افسوس کے ساتھ فرمایا ـــــــ اگر یہ میری ہدایات پر ثابت قدم رہتے۔ اپنی صفیں نہ توڑی ہوتیں اور عینین ٹیلے کے محافظ اپنے مستقر کو نہ چھوڑتے تو ان کی جانیں اس طرح ہرگز ضائع نہ ہوتیں۔ اس کے بعد ان کی مغفرت کے لیے بری رقّت انگیز دعا مانگی۔

آگے بڑھے ـــــــ تو حضرت امیر حمزہ کی لاش مثلہ کی حالت میں نظر آئی، ابوسفیان کی بیوی ہندہ جگر خوارہ اور سلافہ بنت سعد نے حمزہ بن عبدالمطلب اور

بعض دوسرے شہداء کا مثلہ کر کے اپنا قہر اتارا تھا ـــــــ یہ منظر بڑا ہی دل خراش تھا۔ حضور کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو نکل پڑے۔ آپ نے پُرجلال انداز میں فرمایا۔ اگر خدا نے مجھے قریش پر غلبہ عطا فرمایا تو ان کے تیس بہادروں کا ایسا ہی مثلہ کر ڈالوں گا۔

یہ فیصلہ ـــــــ آپ کی شان کریمی کے لیے حجاب تھا۔ اس لیے رب کی رحیمی آپ کے آڑے آئی۔ ارشاد ہوا ـــــــ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ (سورہ نحل) اگر تم بدلہ ہی لینا چاہتے ہو تو اتنا لو جتنا انہوں نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ اور تم ان سے بدلہ اگر نہ لو اور صبر کرو تو یہ صبر کرنا زیادہ بہتر ہے ـــــــ سورہ نحل کی یہ آیت کریمہ نازل ہونے کے بعد نہ صرف یہ کہ حضور نے بدلے کا ارادہ ترک فرمایا۔ بلکہ مثلہ کی رسم قبیح کو ہمیشہ کے لیے ممنوع قرار دے دیا۔

پیغمبر اسلام نے ان تمام پاک جانوں کو جمع کرایا جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار تھے جنہیں اس کے رسول کا حکم محبوب تھا اور آج انہوں نے اسی کی راہ میں اپنی جانیں قربان کی تھیں غسل دئے بغیر ہی حضور نے ان کے جنازے کی نماز پڑھائی۔ ـــــــ اور مقدس ہاتھوں نے اُحد پہاڑی کے دامن میں ان کو دفن کر دیا۔ ''رضی اللہ عنہم وارضاھم عنا''

مدینہ پہونچنے پر ـــــــ منافقین جن کی رائے مدینہ کی آبادی سے باہر جانے کی تھی ۔طعنہ زنی کر رہے تھے۔ بدقماش یہود ہنسی اڑا رہے

تھے کہ محمدا گر نبی ہوتے تو مسلمانوں کو آج شکست کیوں ہوتی مگر مجاہدین سے ان کی کوتاہیوں پر پیغمبر اسلام نے کوئی مواخذہ نہ فرمایا ـــــــــ ہاں جن سے کچھ بھول ہوئی تھی وہ خود ہی بہت زیادہ ملول خاطر تھے۔ انہیں اپنے نقصان کا غم کم، البتہ خدا کے معتوب ہونے کا خوف زیادہ تھا۔

پروردگار عالم نے اپنے بندوں کی تسکین خاطر کے لیے یہ آیت کریمہ اس وقت نازل فرمائی فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ (آل عمران) بہ سبب رحمت خداوندی جو آپ کے شامل حال تھی، لوگوں کے ساتھ نرمی برتئے۔ اگر آپ سنگ دل اور تندخو ہوتے تو سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے اور کوئی بھی باقی نہ رہتا۔ آپ انہیں معاف فرمادیں اور خدا سے ان کے لیے مغفرت طلب کریں اور معاملات میں ان سے مشورہ لیں۔

یہ تھا ـــــــــ مجاہدین احد کے ساتھ ان کے خدا کا کرم بے نہایت، جس سے ان کے دلوں کو ڈھارس بندھی اور جس کے بعد ان کی روحوں کا اضطراب دور ہوا ـــــــــ اور وہ نئے عزم وحوصلہ کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی طرف پھر سے متوجہ ہوئے ۔

خطر پسند طبیعت کو ساز گار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

مدینہ کی اقتصادی ناکہ بندی

ذی الحجہ ۴ھ ـــــــــ مدینہ کے شمال میں دوسو کیلومیٹر کے فاصلے پر یہود کی آبادی کا شہر، خیبر تھا۔ جہاں کئی محفوظ قلعے بھی تھے ـــــــــ قریش جو مسلمانوں کی بربادی کے دل و جان سے خواہاں تھے۔ اب ان کی تباہی کے لیے نئی نئی اسکیمیں بنانے پر مجبور تھے۔ انہوں نے خیبر کے یہودیوں سے ساز باز کرکے انہیں مسلمانوں کے خلاف ابھارا اور یہ صلاح دی کہ نواح مدینہ کے جنگل میں دو طاقتور قبیلے غطفان و بنی فزارہ آباد ہیں اگر تم انہیں اپنا ہمنوا بنا لو تو کام بہت آسان ہو جائے گا۔

یہود اس کوشش میں کامیاب ہو گئے ـــــــــ سودا یہ طے ہوا کہ خیبر کے باغات میں کھجوروں کی جو پیداوار بھی ہو گی۔ ایک سال کی فصل ان دونوں قبیلوں کو تقسیم کردی جائے گی اور باغات کے مالک اس میں حصہ دار نہ ہوں گے۔

مدینہ کے مشرق میں ـــــــــ کچھ ہی فاصلے پر بنو سلیم ایک جنگجو قبیلہ تھا۔ اسے قریش نے لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا ـــــــــ جنوب کی سمت دو دشمن قبیلے بنو کنانہ اور ثقیف بھی قریش کے ساتھ پہلے ہی متحد ہو چکے تھے ـــــــــ یہ مسلمانوں کے خلاف ایک جنگی اتحاد اور اقتصادی ناکہ بندی تھی۔

صورت حال یہ تھی ـــــــــ کہ مسلمان، شمال کی طرف نکلتے تو غطفان و بنی فزارہ راستہ روک کر کھڑے ہو جاتے ـــــــــ جنوب کا رُخ کرتے تو ثقیف و بنی کنانہ سامنے ہوتے اور قریش پشت پر ـــــــــ پورب کی جانب

قدم بڑھاتے تو بنو سلیم دیو سرکش کی طرح راہ میں حائل نظر آتا ـــــــــ

شام کے قریب، شاہراہ پر ایک شہر "دومتہ الجندل" آباد تھا۔ شام کو جانے والے تمام قبائل عرب وہاں سے ہو کر ہی گذرتے تھے۔ وہاں کچھ عربی قبیلے بھی آباد تھے ـــــــ قریش نے انہیں ایسا ورغلایا کہ حاکم شہر نے اعلان کر دیا کہ مسلمان، اس شہر سے ہو کر گذرنے نہ پائیں۔

اقتصادی ناکہ بندی میں قریش کی یہ چال سب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوئی کیونکہ تجارتی قافلے کو ملک شام جانے کا دوسرا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ مسلمانوں کا معاملہ تجارت بھی ملک شام سے متعلق تھا۔ لہٰذا اس پابندی سے ان کا متأثر ہونا ناگزیر تھا۔

ان اتحادیوں میں سے کسی کی ناکہ بندی توڑنے کی کوشش، ایک اجتماعی جنگ کی طرف پیش قدمی قرار پائی ـــــــ فرداً فرداً کسی سے بھی نمٹنا مسلمانوں کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر سارے اتحادی بہانے کی تلاش میں تھے، ذرا موقع ملتے ہی وہ اٹھ کھڑے ہوتے اور یکبارگی مسلمانوں پر ہلّہ بول دیتے۔ عبداللہ بن ابی بذات جو خاص مدینہ کا باشندہ تھا۔ اپنی جمعیت کے ساتھ ان ہی کے دوش بدوش نظر آتا لہذا مسلمانوں نے صبر وضبط ہی میں مصلحت سمجھا اور عسرت وتنگی پر اپنے نفس کو راضی کر لیا۔

مدینہ کے مغرب میں ـــــــ آٹھ منزل کی دوری پر دریائے قرمز کے کنارے ایک قبیلہ "بنی مصطلق" آباد تھا جس کا رئیس حارث بن ضرار تھا۔

یہ قبیلہ قریش کا تابعدار تھا، قریش نے جب دیکھا کہ مسلمان طرح دے رہے ہیں اور جھگڑا مول لینا نہیں چاہتے تو اس نے باضابطہ اجرت طے کر کے اس قبیلہ کو مسلمانوں پر حملہ کے لیے آمادہ کیا اور یہ اطمنان دلایا کہ تمہارے چڑھائی کرتے ہی اتحادی فوج تمہاری پشت پر آموجود ہوگی اور تمہیں گزند پہونچنے سے پہلے ہی مسلمانوں کا صفایا کر دے گی۔ قبیلہ بنی مصطلق قریش کے جھانسے میں آ کر مسلمانوں پر حملہ کے لیے کمر بستہ ہو گیا۔

حضرت بریدہ بن خضیب اسلمی محکمہ جاسوسی کے افسر تھے۔ ان کی نگرانی میں اسلامی جاسوسی کا شعبہ بڑا چوکس تھا ـــــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لمحہ لمحہ کی رپورٹ پہونچ رہی تھی اور آپ کفار کی ہر نقل و حرکت سے واقف تھے ـــــــــ آپ کی پیغمبرانہ بصیرت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی مصطلق کا مدینہ پر حملہ آور ہونا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ لہٰذا اسے موقع دئے بغیر اس کا قلع قمع کر دینا ضروری ہے۔

لیکن بنی مصطلق کی طرف فوجی دستہ کی روانگی میں ایک پیچیدگی یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی منافق مدینہ میں موجود تھا ـــــــــ اس شاطر کو مدینہ میں چھوڑ کر آپ کا نکلنا قطعاً موزوں نہ تھا۔ وہ موقع کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر قریش و یہود کو مدینہ پر چڑھا لاتا۔

رسول خدا نے اس کے لیے حکمت عملی یہ اختیار فرمائی کہ تیس سواروں پر مشتمل جو فوجی ٹکری بنی مصطلق کی سرکوبی کے لیے منتخب کی اس پر عبداللہ بن ابی

کوسالار مقرر کردیا۔ چنانچہ نہ چاہتے ہوئے بھی مدینہ سے اسے نکلنا پڑا ـــــــــ متدین صحابہ کے درمیان ایسے اعزاز کا مستحق وہ کبھی نہیں گردانا گیا مگر آج مصلحت اسی کی متقاضی تھی۔ بالفرض ایسا نہ کیا جاتا تو کوئی بھی حیلہ وہ تلاش کر لیتا اور اس کا مدینہ میں رہ جانا خطرہ سے خالی نہ ہوتا۔

مدینہ سے جو فوجی دستہ بنی مصطلق کی طرف چلا تھا ـــــــــ اس کی نفری کل بتیس تھی۔ پیغمبر اسلام عبداللہ بن ابی سالار مہاجرین دس اور انصار بیس۔ اگرچہ اس دستہ نے بے خبری میں بنی مصطلق پر تاخت کیا تھا۔ پھر بھی مقابلے پر دو سو شمشیر زن نکل پڑے۔ یعنی ان کی تعداد نسبتاً مسلمانوں سے سات گونہ زیادہ تھی ـــــــــ بایں ہمہ ان کے دس آدمی قتل ہوئے اور باقی سب کے سب گرفتار کر لیے گئے۔

بنی مصطلق کے قیدیوں کے ساتھ کچھ ایسا دلربا سلوک کیا گیا کہ ان کے دل سے اسلام دشمنی کافور ہو گئی اور وہ سبھی ٹوٹ کر اسلام کے پرچم تلے جمع ہو گئے۔ پہل کرنے والوں میں رئیس قبیلہ جناب حارث بن ضرار تھے۔ ـــــــــ ان ہی کی صاحبزادی حضرت جویریہ تھیں جو حضور کے نکاح میں آئیں۔ اسلام کے اس شوکت وسطوت پر مسلمانوں میں مسرت کی تازہ لہر پائی گئی۔

عبداللہ بن ابی ـــــــــ جبر واکراہ کے ساتھ یہاں آیا تھا اور مدینہ میں اس کے موجود نہ رہنے سے سارا کھیل بگڑ گیا تھا۔ بنی مصطلق کے اسلام سے گھبرا گیا اور پیغمبر اسلام پر کسی رکیک حملے کا پلان سوچنے لگا۔

عجب اتفاق ـــــــــ کنواں سے پانی نکالنے کے لیے سنان جہنی انصاراورایک مہاجر جہجاہ غفاری میں تکرار ہوگئی اور تصادم تک نوبت پہونچ گئی۔خبرپاتے ہی دوسرے مہاجرین نے آکر انصار سے معذرت چاہ لی اور بات رفع دفع ہوگئی۔

عبداللہ بن ابی ـــــــــ پہلے ہی سے دل جلا بیٹھا تھا۔یہ خبرسن کر شعلہ جوالہ بن گیااور بول پڑا یہ رفیوجی ہمارا جوٹھا کھا کر ہماری گردنوں پر سوار ہونا چاہتے ہیں۔مدینہ پہونچ کرعزت والے ذلیل لوگوں کوضرورنکال باہر کریں گے۔

اس ناشائستہ جملے سے اس کی مرادمہاجرین کی مقدس جماعت ہی نہ تھی رسول ہاشمی کی پرنور ذات بھی تھی ـــــــــ اسے یقین تھا کہ میرے یہ بول انصار کی حمایت میں ہیں لہذا وہ ضرور میرے شانہ بشانہ ہوں گے۔خبررساں ایجنسی کے ایک معتمد زید بن ارقم صحابی وہاں موجود تھے۔انہوں نے حضورکو ساری اطلاع پہونچائی۔صحابہ کااضطراب آنکھوں کی راہ سے امنڈ پڑا۔مگرحضور نے ان کو درگذر کی تلقین فرمائی۔

انصار کی وفاداری کبھی محل نظر قرارنہیں پاسکتی ـــــــــ ذمہ دار انصار نے اس سے باز پرس کی کہ تم نے ایسے ناروا بول کی جرأت کس بل بوتے پر کی۔انصارتمہاری گندی پالیسی کا ساتھ کبھی نہیں دے سکتے۔تواس بدباطن نے جھوٹی قسم کاسہارالے کرانہیں نرم کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کا پردہ اس طرح فاش کیا ـــــــ

يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورہ منافقون) منافق کہتے ہیں کہ مدینہ لوٹنے کے بعد عزت والے ذلیل لوگوں کو ضرور نکال باہر کریں گے۔ حالانکہ اللہ اس کے رسول اور مومنین ہی عزت والے ہیں۔

ابن ابی کا جواں سال بیٹا جو صادق الایمان تھا ـــــــ باپ کی یہ ساری گل کاریاں دیکھ اور سن کر خاموش رہا۔ جب مدینہ کی سرحد شروع ہوئی تو ننگی تلوار لے کر شہر کی دہلیز پر کھڑا ہو گیا اور باپ کا راستہ روک کر بولا ـــــــ تو ہی کہتا تھا کہ مدینہ لوٹ کر عزت والے ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔ بے شک اللہ، اس کے رسول اور مومنین عزت والے ہیں۔ تو اور تیرے ساتھ والے ذلیل وخوار، اس لیے آج مدینہ میں تیرا داخلہ ممکن نہیں۔

یا اللہ! کہاں تو فوج کا سردار اور کہاں یہ درگت ـــــــ اس ماجرہ نے اس کو سخت رسوا کیا اور حد درجہ پریشان بھی۔ یہ سب کچھ اس کے اپنے کئے کی سزا تھی۔ جس در کو ٹھکرانے کی کوشش کی تھی وہیں آ کر جھکنا پڑا ـــــــ مجبور ہو کر حضور کو پیغام بھیجا کہ میرے ہی بیٹے نے میرا راستہ روک رکھا ہے اور مجھے شہر میں داخل ہونے نہیں دیتا۔ آپ اسے واپس بلا کر میرے حال پر رحم کیجئے۔

حضور ـــــــ اس جوان کی حق بیانی سے بہت متاثر ہوئے مگر دریائے کرم یہ تھا کہ اسے باپ کا راستہ روکنے سے منع فرمایا ـــــــ لڑکے

نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! سارے مدینہ میں کوئی جوان مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا مطیع و فرماں بردار نہیں ہے۔ مگر آپ کی بارگاہ میں مجھے باپ کی جسارت بھی گوارہ نہیں۔

قریش پر بنی مصطلق کی تسخیر بہت گراں گذری۔ انہیں دوہرے غم کے کچوکے لگے ــــــــ ایک تو مسلمانوں کی مشکلات کم ہو جانے کا غم، اور دوسرا غم ماتحت قبیلہ کے ٹوٹ جانے کا تھا۔ انہیں عبداللہ بن ابی کی چالوں پر بھی شبہ ہونے لگا تھا۔ وہ پریشان تھے کہ اس نے مسلمانوں کی پیش قدمی کی اطلاع قریش کو کیوں نہ کی۔ انہیں کیا معلوم کہ وہ بے چارہ خود سرداری کے ایسے شکنجے میں کسا ہوا تھا کہ نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن ــــــــ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ پیغمبر کی نظر انجام پر تھی، جبکہ کچھ لوگ ایک منافق کی سرداری پر بے حد حیران تھے۔

ایک طرف ــــــــ زبردست اقتصادی ناکہ بندی اور دوسری طرف جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے طرح طرح کی ریشہ دوانیاں۔ مسلمانوں کے لیے یہ کس قدر کٹھن گھڑی تھی۔ ایسے نازک وقت میں بنی مصطلق کا مطیع ہو جانا۔ اہل اسلام کے لیے بہت بڑی غیبی تائید تھی ــــــــ اس کا اعتراف اپنے ہی نہیں بیگانوں کو بھی ہے۔

مشہور مورخ ''ورژیل جارج''، مسلمانوں کے غیر معمولی اعتماد و یقین پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''پیغمبر اسلام'' میں لکھتا ہے۔

''ایک ایمان دار مسلمان سخت ترین موقع پر بھی ناامید نہیں ہوتا اور فکر میں رہتا ہے کہ شاید کوئی اعجاز ظاہر ہو اور اسے مصیبتوں سے نجات حاصل ہو جائے۔''

بلاشبہ اسی قسم کا ایک اعجاز یہ بھی تھا جو اس نازک گھڑی میں ظاہر ہوا۔ مسلمان چاروں طرف سے گھرے ہوئے تھے اور ان کا زبردست معاشی محاصرہ تھا۔ قریش و یہود کے ساتھ عرب کے بدوی قبائل بھی اس لالچ میں متحد ہو گئے تھے کہ لوٹ کا مال کافی ہاتھ آئے گا ـــــــ غطفان اور دومۃ الجندل کے قبیلے اسی قماش کے لوگوں کے ساتھ تھے۔

اندرون خانہ بھی ایسے ناکندہ تراش افراد موجود تھے جن سے ہر وقت دغدغہ لگا رہتا تھا کہ وہ کب اور کس وقت کون سی مشکل کھڑی کر دیں۔ یہود پڑوسی کی حیثیت سے تھے اور منافقین گھر کے بھیدی کا مقام رکھتے تھے مگر دونوں ہی مار آستین تھے ـــــــ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ایک طاقتور قبیلے کا اچانک حلقہ بگوش اسلام ہو جانا ـــــــ اعجاز نہ تھا تو اور کیا تھا ؎

عشرتِ قتل گہہ اہل تمنا مت پوچھ
عید نظارہ ہے شمشیر کا عریاں ہونا

عرب میں خندق کی پہلی جنگ: شوال ۵ھ

بنی مصطلق ـــــــ کی تسخیر قریش کے لیے ایک حادثہ تھی جو اسلام دشمنی کے زخم پر نمک کا کام کر گئی اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے وہ ایک آخری کوشش میں اٹھ کھڑے ہوئے ـــــــ انہوں نے اتحادیوں

کوللکارا، یہود سے فوجی امداد طلب کی اور بدوی قبائل کو یہ خوف دلایا کہ جو حال بنی مصطلق کا ہوا، ایک دن تمہارا بھی ہونے والا ہے۔

یہود کا جلاوطن قبیلہ پہلے ہی سے اس کوشش میں تھا کہ مسلمانوں کے خلاف کوئی طوفان اٹھ کھڑا ہو جو ان کی فنا کا سامان بنے ـــــــ قریش کو ہر طرف سے تائید و حمایت حاصل ہوئی اور امید سے زیادہ ان کے معین و مددگار کفری مشین لے کر سامنے آئے۔

اسلام دشمنی کے پرچم تلے جمع ہونے والے قبائل میں ـــــــ بنو فزارہ، غطفان، بنو سلیم، تہامہ، بنو قیس، غیلان، احابش، بنو ثقیف اور کنانہ تھے۔ ان کے علاوہ خیبر کے یہودی قبائل کی بڑی تعداد شامل تھی ـــــــ جنگی جوانوں کی مجموعی تعداد بارہ ہزار تک پہونچ گئی تھی۔ مدینے کا یہودی قبیلہ بنو قریظہ اور منافقین کی جمعیت ان کے علاوہ تھی ـــــــ جنہیں غفلت کی گھڑی میں اندر سے نقب زنی پر آمادہ کرلیا گیا تھا۔ نفری پر بھروسہ کرنے والوں کو یقین تھا کہ اس بار مسلمانوں کو ہلاکت سے کوئی نہ بچا سکے گا۔

عہد نبوی میں ـــــــ تنخواہ اور ملازمت کا کوئی تصور نہ تھا۔ سب کے سب خدائی دین کے سچے علم بردار اور محمدی شریعت کے مخلص رضا کار تھے۔ اسی لیے کوئی اپنے فرائض میں کوتاہی نہ کرتا اور ہر شخص اپنی بساط سے بڑھ کر خدمات بجالاتا۔

اسلامی جاسوسی کا محکمہ بھی بڑا پائدار تھا ـــــــ دور دور تک کارندے متعین تھے اور وہ پل پل کی خبروں کا احتساب کر رہے تھے ـــــــ اچانک

تین نووارد سوار مدینہ میں داخل ہوئے اور پیغمبر کا پتہ دریافت کیا۔ یہ تینوں بنی خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے اور شبانہ روز کا سفر طے کر کے مکہ سے بڑی تشویش ناک خبر لائے تھے ـــــــ پیغمبر کے حضور حاضر ہو کر ان جاسوسوں نے بتایا کہ اتحادیوں کی فوج، جن کی تعداد بارہ ہزار سے بھی متجاوز ہے۔ قریش کی قیادت میں مکہ سے چل چکی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ صحرائی سفر کے تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ گیارہ دن بعد یہ فوج مدینہ کے حدود میں داخل ہو جائے گی۔

رسول اللہ ـــــــ کے لیے یہ خبر حیران کن نہ تھی، قریش کی جنگی تیاریوں کی خبریں آپ کو پے بہ پے مل رہی تھیں اور خطرات کے منڈلاتے ہوئے بادل آپ دیکھ رہے تھے۔ البتہ اتحادی فوج اتنا جلد دھاوا بول دے گی یہ اندازہ نہ تھا۔

پیغمبر اسلام نے ـــــــ جاسوسوں کی اطلاع کے بعد ایمرجنسی میں شوریٰ کی میٹنگ طلب کی، تمام ارباب حل وعقد جب جمع ہو گئے تو انہیں اتحادیوں کی پیش قدمی کی سنسنی خیز خبر سنائی اور دفاعی اقدام پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ گذشتہ تمام موقعوں سے دشمن کی فوج اس بار زیادہ ہے۔ لہذا ان کے دفاع کے لیے بھی ہمیں کوئی نیا قدم اٹھانا ہوگا۔

مجلس میں کھڑے ہو کر ـــــــ ایک بلند قامت، گورے چٹے شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! حملہ آوروں کی تعداد جب زیادہ ہوتی ہے تو ہمارے دیار میں خندق کھود لیتے ہیں اور اس طریقہ جنگ سے تھوڑی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی دشمن کا مقابلہ آسان ہوتا ہے ـــــــ یہ تھے حضرت

سلمان فارسی جو ایرانی طریقہ جنگ بیان کر رہے تھے۔

خندق کی تفصیل: حضرت سلمان کی تجویز ـــــــ مجلس کے سارے عمائدین بشمول پیغمبر اسلام سبھوں کو پسند آئی اور خندق کے نقشے پر غور کیا جانے لگا۔ بحث و تمحیص کے بعد جو نقشہ پاس کیا گیا وہ شمال و مغرب اور جنوب و مغرب پر مشتمل تھا۔ شمالی مشرق اور جنوبی مشرق میں تنگ گلیاں اور گھنے باغات تھے ـــــــ جہاں سے دشمن کی سوار فوج کا گذرنا ممکن نہ تھا۔ پیدل فوج کو بھی مسلم جوان درختوں پر بیٹھ کر تیروں کی بوچھار سے روک سکتے تھے۔

اُحد کے بیان میں بتایا جا چکا ہے کہ مدینہ کے جنوب میں پہاڑیاں تھیں ـــــــ جسے عبور کر کے دشمن کی فوج کا مدینہ میں داخل ہونا دشوار تھا۔ لہذا شامی رُخ پر مدینہ کا کھلا ہوا جو حصہ تھا اسی پر خندق کی کھدائی کا کام شروع ہوا۔

آج کے حساب سے ـــــــ خندق کی لمبائی چھ کلو میٹر تھی اور چوڑائی تین میٹر تھی، گہرائی ڈھائی میٹر سے کچھ زیادہ بتائی جاتی ہے۔ دیواریں خندق کی بالکل عمودی تھیں۔ یعنی یہ لحاظ رکھا گیا تھا کہ میدان جنگ کا کوئی بھی کھلاڑی گھوڑا اس میں اتار سکے اور نہ تڑپا سکے۔

یہ خندق ـــــــ مدینہ کے شمال میں قلعہ شیخین سے شروع ہو کر جنوب میں حومۂ قبا پر جا کر ختم ہوتی تھی ـــــــ اتنی طویل خندق کھودنے کے لیے مسلمانوں کے پاس صرف دس دنوں کا وقت تھا۔ اس لیے ہر دس آدمی پر چالیس ہاتھ خندق کی کھدائی تقسیم کی گئی۔ اس خندق کی کھدائی میں مسلمانوں نے کیسی

محنت شاقہ برداشت کی، اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے ایک عیسائی مؤرخ ورژیل جارج لکھتا ہے:

''جب ایک جماعت اپنا کام ختم کر لیتی تھی تو بجائے اس کے کہ آرام کرے، نہایت خوشی کے ساتھ دوسری جماعت کی مدد کرتی، ایسی ہمت اور ایثار کی مثال قدیم دنیا میں نہیں پائی جاتی اور جدید دور میں بھی ہمارے پاس اس کے لیے کوئی نمونہ موجود نہیں ہے''۔

رجزیہ اشعار ـــــــ ولولہ پیدا کرتے ہیں اور اگر وہ خوش الحانی سے پڑھے جائیں تو بے خودی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، مجاہدین میں شوق و ولولہ پیدا کرنے کے لیے اس کی اجازت حضور نے دے رکھی تھی ـــــــ عمارہ بن حزم ایک بارہ سالہ لڑکا تھا۔ جو نہایت خوش آواز تھا۔ یہ مست ہو کر رجزیہ اشعار پڑھتا اور کام میں منہمک رہتا، لوگوں کو بھی مشغول رکھتا۔

ایک دن ـــــــ اس فرزند جواں سال کے پاس سے اس وقت سرکارِ دوعالم کا گذر ہوا جب وجد آفریں لہجے میں رجزیہ کلام پڑھ رہا تھا ـــــــ حضور بڑی دلچسپی سے دیر تک سنتے رہے اور پھر اسے ساتھ لے کر خندق کھودنے والوں کے درمیان گھومے اور سبھوں کو اس کا کیف آور پڑھنا سنایا۔ ہر سننے والا ایسا وارفتہ ہوا کہ اپنی طاقت سے زیادہ کام کر گیا۔ سبحان اللہ! کتنا خوش طالع تھا وہ صالح قوال ـــــــ جس کا گانا سرکار نے خود سنا اور صحابہ کی مقدس جماعت کو سنوایا۔ سرکار خود بھی مکیف ہوئے اور اصحاب بھی

مست دیکھے گئے۔ پھر بھی کچھ لوگوں کو بزرگان چشت اہل بہشت کا مشرب محل نظر ہی دکھائی پڑتا ہے ـــــــ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ وجد وکیف کی لذتوں سے تو جانور بھی آشنا ہیں ؎

شتر راچوں شور طرب در سراست

اگر آدمی را نباشد خر است

تاریخ نگاروں کا ناطقہ سر بہ گریباں ہے کہ اتنی طویل وعمیق خندق صرف دس دنوں کے اندر کس طرح تیار کرلی گئی اور حیرت ہونی بھی چاہیے کہ ـــــــ نہ روز روشن کا دامن پھیلایا گیا اور نہ شب دیجور کی زلف گرہ گیر لمبی کی گئی، باوجود اس کے اتنا مشکل کام وقت کی تنگ دامانی کے بعد بھی کس طرح ٹھکانے لگا۔

لیکن ـــــــ اس صداقت پر نگاہ رکھنے سے عقدہ کھل جاتا ہے کہ جن ہاتھوں میں پھاوڑے اور کدال تھے وہ وقت کی رفتار پر نظر رکھنے والے مزدور نہ تھے۔ زمین پر خدائی دین کا پرچم لہرانے کا عزم لے کر اٹھنے والے مردان غازی تھے ـــــــ فقر وفاقہ ان کا ہتھیار تھا۔ صبر ورضا ان کی پونجی تھی اور ان کے عشق وسوز کے سازنے سے یہ آواز آرہی تھی ـــــــ اقبال کی زبان میں ؎

عزم صمیم ہو تو نظر آئے کوہ، کاہ

راسخ نہیں عقیدہ، تو تنکا پہاڑ ہے

اتحادیوں کی ٹڈی دل فوج ـــــــ مدینہ کی سرحد میں داخل ہوئی تو خندق مکمل ہو چکی تھی اور فرزندان اسلام اس کی حصار میں جنگ کے لیے تیار

بیٹھے تھے۔دشمن کی فوج نے اپنے مقابلے کے درمیان جب خندق کو حائل پایا تو سخت پریشان ہوئی۔عرب قلعہ بند ہو کر لڑنا تو جانتے تھے مگر خندق کی تدبیر سے واقف نہ تھے۔ان کا سالار ایک تاجر تھا جسے جنگی مہارت بالکل نہ تھی۔محاصرہ کے سوا اس کو کوئی تدبیر نہ سوجھی اور مجبوراً بارہ ہزار فوج خندق کے باہر خیمہ زن ہو گئی ـــــــــ دونوں فوجوں میں دوری بس اتنی ہی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور ان کی آوازیں سنتے تھے۔

موسم کسی قدر سرد تھا ـــــــــ رات کو خنک ہوائیں تیز چلتی تھیں۔دشمن کی فوج شامیانوں میں ٹھنڈک محسوس کرتی تھی۔مسلمان سپاہی جو چوکیوں میں بیٹھکر خندق کی نگرانی کرتے انہیں بھی سردی برداشت کرنی پڑتی تھی ہاں، جن کی ڈیوٹی نہ ہوتی ان کو گھر آرام کرنے کی اجازت تھی ـــــــــ مگر میں صدقے جاؤں، اس ذات گرامی کے جس کے قبضہ میں کل خدائی ہے۔محاصرے کے دوران خود گھر جا کر کبھی آرام نہ فرمایا۔

کوئی ایرانی یا رومی ـــــــــ سپہ سالار ہوتا تو خندق پار کرنے کی صورت پیدا کر سکتا تھا مگر یہاں تو سب کے سب کھلے میدان میں خون ریز جنگوں کے خوگر لڑاکو تھے۔تدبیروں کی جنگ کوئی جانتا ہی نہ تھا۔خندق پار کرنے کی صورت پیدا نہ ہوئی اور محاصرہ طول پکڑتا چلا گیا۔

بارہ ہزار فوج کے لیے روزانہ کھانے کا نظم کرنا ان کے بے شمار جانوروں کو خوراک مہیا کرنا خانگی ضرورتوں کو چھوڑ کر ویرانے میں پڑے رہنا پھر بھی

کامیابی کے آثار دور دور تک نظر نہ آنا۔ ایسے وجوہات تھے جو فوج وسپاہ میں بددلی کا باعث بن گئے۔

ابوسفیان ـــــــ جو احزاب کا اصل محرک اور لیڈر تھا۔ اپنی کامیاب واپسی کے لیے جنگی تدبیروں پر مسلسل غور کر رہا تھا۔ کیونکہ محاصرہ کی طوالت سے اس کی مشکلات بڑھتی جارہی تھیں اور فوج کی بددلی سے بھی وہ بے خبر نہ تھا۔

بنو قریظہ ـــــــ ایک یہودی قبیلہ جو اب تک مدینہ میں آباد تھا۔ مسلمانوں کا اگرچہ دل سے بہی خواہ نہ تھا۔ مگر امن معاہدہ کے باعث الگ تھلگ ہو کر خاموش بیٹھا تھا ـــــــ ابوسفیان کو نقب زنی کا ایک راستہ نظر آیا اور اس کی نگاہ اسی قبیلے پر جا کر ٹھہری ـــــــ اس نے قاصد بھیج کر رئیس قبیلہ کو لالچ دی کہ ہم تو مسلمانوں کا صفایا کر کے لوٹ جائیں گے۔ ان کی املاک واراضی کے مالک تو تم ہو گے۔ تم عقب سے ان پر حملہ کر دو، وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں گے تو ہم خندق پار کر لیں گے ـــــــ پھر ان کو تباہی سے کون بچائے گا۔

انٹلی جنس کے چابک کارندوں نے رسول اللہ کو اس نئی چال کی فوراً اطلاع پہونچائی۔ یہ بہت ہی خطرناک چال تھی۔ حضور نے حضرت سعد بن عبادہ کو اسی وقت بنو قریظہ کے پاس بھیجا، تاکہ وہ انہیں مدینہ کا اساسی قانون یاد دلا کر عہد و پیمان پر قائم رکھیں۔ ـــــــ مگر دباغی کا پیشہ کرنے والا قبیلہ دغابازی پر قائم رہا۔

یہ خبر ـــــــ پوشیدہ رکھنے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر شدہ شدہ لوگوں کے کانوں تک پہونچ گئی۔ جس سے عام لوگوں میں سراسیمگی پھیل گئی۔ کچھ لوگوں

نے عالم پناہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ! ـــــــ اگر بنو قریظہ ہم پر واقعی حملہ آور ہوئے تو اس وقت ہم دو تلواروں کے درمیان ہوں گے۔ رحمت بردوش پیغمبر نے کامل استقلال کے ساتھ فرمایا ـــــــ مسلمانو! تم کافروں کے اتحاد سے خوف کھاتے ہو۔ ابوسفیان بنو قریظہ سے مدد کا طالب ہے اور ہم خدا کی مدد کے امیدوار ہیں ـــــــ بہ ظاہر یہ میٹھے اور سنجیدہ دو بول تھے اور بس۔ مگر لوگوں کے دل کی دھک دھکی غائب ہوگئی اور وہ مطمئن بیٹھ کر خدا کی مدد کا انتظار کرنے لگے۔

خدا کی پہلی مدد: رسول خدا ـــــــ کے خیمے میں آج کچھ چہل پہل زیادہ تھی۔ مجلس شوریٰ کی کاروائی چل رہی تھی اور شاید دفاع کا مسئلہ زیر غور تھا ـــــــ ناگاہ، دشمن کے کیمپ کا ایک معروف شخص خیمے میں داخل ہوا۔ رسول خدا نے اک نظر سے دیکھا اور خاموش رہے۔ مہاجرین اسے پہچان کر سخت حیران ہوئے آنے والا نہایت ادب سے سلام کر کے بیٹھ گیا۔

نعیم بن مسعود! کیسے آنا ہوا؟ ـــــــ رسول اکرم نے دریافت فرمایا۔ یارسول اللہ! میں قریش اور بنو قریظہ کے درمیان وکیل مقرر ہوا ہوں۔ مگر اب میرا دل اسلام کی طرف مائل ہے اور حضور کی محبت سینے میں جگہ پا چکی ہے۔ قبول اسلام کے لیے حاضر ہوا ہوں ـــــــ نعیم بن مسعود نے جواب دیا۔ فرطِ مسرت سے حضور کی آنکھیں چمک اٹھیں ـــــــ اہل مجلس بے حد مسرور ہوئے کہ حضور نے جس خدائی مدد کی امید ظاہر کی تھی وہ آپہونچی۔

کلمہ پڑھنے کے بعد ـــــــــ نعیم بن مسعود نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنا اسلام قریش سے اگر پوشیدہ رکھوں تو ان کا منصوبہ آسانی سے ناکام بنا سکتا ہوں۔ آپ مجھے اجازت دیں کہ قریش اور بنو قریظہ کا اتحاد توڑنے کے لیے میں جو تدبیر مناسب سمجھوں اسے اختیار کروں ـــــــــ الحرب خدعة کے تحت حضور نے اجازت مرحمت فرمادی۔

حضرت نعیم بن مسعود نے ـــــــــ خدمت اسلام کے جذبے سے سرشار ہو کر جو رول ادا کیا، وہ کچھ اس طرح ہے ـــــــــ بنو قریظہ کی مجلس میں قریش کے ایلچی کی حیثیت سے وہ اعزاز کی جگہ پر بیٹھے تھے اور رئیس قبیلہ کو مخاطب کر کے ہمدردانہ لب و لہجہ میں کہہ رہے تھے۔

او بنو قریظہ ـــــــــ تم سے معاہدہ کے لیے میں قریش کی طرف سے وکیل مقرر ہوا ہوں اور اس وقت میں اسی حیثیت سے تمہارے روبرو حاضر ہوں مگر چونکہ میں تمہارا بھی دوست اور خیر خواہ ہوں اس لیے معاہدے کی شرط میں تم کو نقصان سے بچانا میری اخلاقی ذمہ داری ہے۔

اتحادی فوج کی قوت پر بھروسہ کر کے، مسلمانوں سے عہد شکنی تم کو کسی وقت بھی خطرے میں ڈال سکتی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ قریش کی ناکام واپسی کے بعد تم مسلمانوں کی عتاب کا شکار نہ ہو جاؤ ـــــــــ اس خطرے کے تدارک کی ایک بہتر تجویز یہ ہے کہ تم مسلمانوں کا عہد توڑنے سے پیشتر قریش کے سامنے یہ شرط رکھو کہ وہ اپنے دس سردار تمہارے پاس بطور رہن رکھ دیں اور تم

ان کی نگرانی رکھو۔ مسلمانوں کی شکست وریخت کے بعد قریش کی واپسی کے وقت یہ سرداران کے حوالہ کردئے جائیں گے۔

اس شرط سے تمہیں دو فائدے حاصل ہوں گے ـــــــ اولاً یہ کہ قریش اپنے سردار رہن رکھ دینے کے بعد تمہارے ساتھ ہوکر آخر دم تک لڑنے پر مجبور ہوجائیں گے اور تم ان کے دھوکا سے ایک دم محفوظ ہوجاؤ گے۔ ثانیاً یہ کہ مسلمان جو ہر وقت تمہارے لیے خطرے کا الارم بنے ہوئے ہیں۔ قریش کے ذریعہ ان کی سرکوبی کے بعد مدینہ میں تم ہر خطرہ سے آزاد ہوجاؤ گے۔

بنو قریظہ کو ـــــــ نعیم بن مسعود کی گفتگو میں بڑی معقولیت نظر آئی، وہ بخوشی راضی ہوگئے کہ ہم کو قریش سے اسی شرط پر معاملہ کرنا چاہیے اگر انہیں ہماری شرط منظور نہیں تو ہم مسلمانوں سے جھگڑا مول لے کر اپنی قوم کو بلا وجہ دلدل میں کیوں پھنسائیں گے ـــــــ نعیم بن مسعود نے جب دیکھ لیا کہ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا ہے تو پھر دوسرے کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے۔

ابوسفیان ـــــــ سرداران قبائل کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ پریشانی کے سبب ان کی پیشانی عرق آلود تھی۔ سرداروں کی مایوسانہ گفتگو سے مجلس پر سرد مہری چھائی ہوئی تھی ـــــــ اسی دوران نعیم بن مسعود وہاں آموجود ہوئے۔ ابوسفیان نے ان سے بے چینی کے ساتھ بنو قریظہ کا ایما معلوم کیا۔

نعیم بن مسعود نے کہا ـــــــ مجھے بنو قریظہ کا رویہ مشکوک نظر آتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے درپردہ مل گئے ہیں۔ وہ تمہارے

دس سردار بطور رہن اپنے پاس رکھنا چاہتے ہیں شاید ان کو قتل کر کے مسلمانوں کا اعتماد بحال کرنا مقصود ہے ـــــــ جنگ میں غیر معمولی تاخیر کے باعث فوج کی جنگ سے طبیعت چھوٹتی جا رہی ہے اگر فوج ہی قابو سے باہر نکل گئی تو سارا کیا دھرا اکارت ہو جائے گا۔ لہذا میری رائے ہے کہ اپنے دس سرداران کے حوالہ کرنے کی بجائے مسلمانوں پر سنیچر کے دن حملہ کر دینے کا ان سے مطالبہ کرو۔ اگر وہ کوئی عذر کریں تو سمجھ لو کہ ان حیلہ تراشیوں کے پیچھے کوئی چال ضرور ہے۔

کہتے ہیں جس کو زخم محبت، کچھ اور ہے

کہنے کو یوں توگل کا بھی سینہ فگار ہے

ابھی غصے سے قریش کے نتھنے پھولے ہی ہوئے تھے کہ بنو قریظہ کا نمائندہ آپہونچا ـــــــ آتے ہی اس نے صاف گوئی سے کہہ دیا کہ ہم مسلمانوں سے عہد توڑ کر آپ کی جنگی مصاحبت کے لیے تیار تو ہیں مگر پہلے آپ اپنے دس سردار ہمارے پاس رہن رکھ دیجئے تا کہ ہم مطمئن ہو جائیں کہ آپ مسلمانوں کو تباہ کئے بغیر نہیں لوٹیں گے۔ آپ کو تو یہاں رہنا نہیں ہے۔ آپ اگر جنگ سے دل چھوڑ بیٹھے اور اپنا راستہ لیا تو پھر ہمارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا اور ہم مسلمانوں کے رحم و کرم پہ رہ جائیں گے۔

ابوسفیان نے زبانی جمع خرچ کیا۔ طرح طرح کی پینترے بازی کی۔ سنیچر کے دن حملہ کرنے پر اصرار کیا اور ان کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا ـــــــ

مگر اپنے دس آدمی ان کے حوالہ کرنے پر کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ جب دیکھا کہ ٹال مٹول کے سوا یہاں معاملہ کچھ بھی نہیں ہے توسنیچر کے دن حملہ کرنے سے انکار کر کے بنو قریظہ کا نمائندہ واپس ہو گیا ــــــــ اس کی واپسی سے اہل مجلس پر اوس پڑ گئی۔

یہود ــــــــ سنیچر کے دن کو محترم مانتے ہیں اور اس دن قتال کو حرام گردانتے ہیں۔ بے چارے ابوسفیان کو اس کا علم نہ تھا۔ اس لیے حضرت نعیم بن مسعود کی بات اس کے دل میں جڑ پکڑ گئی اور وہ یہود سے سخت بیزار ہو گیا۔

غصہ سے پیچ وتاب کھا کر ابوسفیان بولا ــــــــ ذرا اِن ناکندہ تراشوں کو تو دیکھو، کیسا دغا کرنے آئے تھے اور ہماری کمزوریوں کا کیسا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے جب مدینہ کے یہود کی بزدلی کا یہ حال ہے تو ان دبو منافقین سے کیا امید کی جائے جو مسلمانوں کے خلاف سانس لینے کی ہمت بھی نہیں رکھتے ــــــــ اب تو ہمارا سارا منصوبہ غارت ہوا چاہتا ہے۔

ابوسفیان کی کربناک گفتگو سن کر تین جیالے باہیں چڑھا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور شیخی بگھارتے ہوئے بولے ــــــــ ہم خندق کے پیچھے پناہ لینے والوں کا جینا دوبھر کر کے رہیں گے۔ یہ کسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں خود ان کا عرصہ حیات تنگ ہو جائے گا۔

یہ تینوں نامور بہادر اور بہترین شہسوار تھے ــــــــ بڑی ترنگ سے اٹھے تھے اور شجاعت کے غرے میں گھوڑا کودا دیا۔ دو تو خندق پار جا پہونچے مگر

تیسرے کا گھوڑا اچوتڑ کے بل خندق میں جا گرا۔

پہلا جو شخص مبارز طلب ہوا ــــــــ وہ عمرو بن عبد ود تھا۔ اسے ایک ہزار جنگ جوؤں پر بھاری گمان کیا جاتا تھا۔ مشہور ہے کہ وہ ایسا قوی ہیکل تھا کہ اونٹ کے کچے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا اور دس دس جوان مل کر اسے کھینچتے تو چمڑا ٹکرے ٹکرے ہو جاتا مگر اس کے قدموں کو جنبش نہ ہوتی تھی۔

کوئی جاں باز ہے جو میرے مدمقابل آئے۔ عمرو بن عبدود کی للکار میدان میں گونجی۔ مسلمانوں کے کیمپ میں دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ایک کم عمر مجاہد کی آواز سنی گئی ــــــــ یارسول اللہ میں حاضر ہوں، پیار بھری نظروں سے حضور نے انہیں دیکھا اور خاموش رہے۔

تھوڑی دیر بعد اس نے پھر پکارا ــــــــ تم میں کوئی نہیں جو اپنی جان کو داؤ پر لگا کر میرے سامنے آئے۔ وہی مانوس آواز کان کے پردوں سے پھر ٹکرائی ــــــــ یارسول اللہ! میں اس کے مقابلے کو تیار ہوں۔ دوبارہ رسول اللہ نے انہیں ایک نظر دیکھا اور کچھ نہ فرمایا۔

دو مرتبہ ــــــــ اسلامی کیمپ میں خاموشی دیکھ کر اس کا سینہ پھول گیا۔ وہ زور سے چیخا ــــــــ کوئی تو تلواروں کے سایہ میں پلنے والا جوان خیمہ سے باہر آئے اور میری شمشیر خارا شگاف سے موت کا مزہ چکھے۔

اسی جوان ــــــــ کی پرشور آواز نے سکوت کا پردہ چاک کیا۔ یارسول اللہ اب بلا تاخیر آپ مجھے اجازت مرحمت فرمائیے۔ رسول خدا نے مد بھری

آواز میں فرمایا۔علی !وہ عمرو بن عبدود ہے شیر خدا نے عرض کیا ـــــــــ کچھ پرواہ نہیں میں بھی تو علی ابن ابی طالب ہوں۔

اس جواب پر رسول خدا نے کھڑے ہو کر شیر خدا کی پیشانی چوم لی ـــــــــ اپنے دست اقدس سے عمامہ ان کے سر پر لپیٹا۔ذوالفقار حیدری ہاتھ میں دی اور بارگاہ رب بے نیاز میں نہایت عجز وانکسار کے ساتھ فتح کی دعاء مانگی۔

یہ دعا ـــــــــ صرف مولیٰ علی کی کامیابی کے لیے نہ تھی۔اسلام کی آبرو کے لیے تھی،دین حق کی سربلندی کے لیے تھی اور مسلمانوں کے مستقبل کی سلامتی کے لیے تھی ـــــــــ اور نبی کی دعا کو باب اجابت تک پہونچنے میں بھلا کون سی چیز مانع ہوسکتی تھی۔

ہاشمی نوجوان ـــــــــ اپنے حریف کے روبرو آیا تو دشمن نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے۔اور تو کس کا فرزند ہے ـــــــــ آپ نے جواب دیا میں علی بن ابی طالب ہوں۔بوڑھے عمرو نے کہا!ابوطالب میرا دوست تھا یہ مروت کے خلاف ہے کہ میں اس کے لخت جگر کو قتل کردوں ـــــــــ مولیٰ نے کہا لیکن میں تو تیرے قتل کی آرزو رکھتا ہوں۔

عمرو بن عبدود ـــــــــ یہ جواب سن کر بھڑک اٹھا اور گھوڑے سے کود کر نیچے آ گیا،خدا کا شیر پیادہ تھا۔اس نے سوار ہو کر وار کرنا اپنی بہادری کے خلاف سمجھا ـــــــــ مولیٰ نے اسے وار کا موقع دیا کہ یہ تمنا بھی اس کے دل میں باقی کیوں رہ جائے عمرو بن عبدود نے پے بہ پے دو بھرپور وار کئے جو

مولیٰ کی حکمت عملی سے خالی گئے۔تیسرا حملہ زیادہ سخت تھا،تلوار سیدھی سر پر آئی حضرت علی نے اسے بھی ڈھال پر روک لیا۔ضرب اتنی شدید تھی کہ ڈھال کے ٹکڑے اڑ گئے اور تلوار خود کاٹ کر پیشانی تک پہونچ گئی مگر سر پر معمولی زخم آیا۔

شیر خدا ـــــــ نے آواز لگائی۔اوخرانٹ بڈھے! تیرے توارمان پورے ہو گئے۔اب ذرا میرے وار کا تماشہ دیکھ ـــــــ ایک طرف نوے سالہ کارآزمودہ اور خونخوار تھا۔دوسری جانب ایک تیس سالہ ہاشمی نوجوان حیدر کرار تھا۔

دونوں طرف کی فوجیں ـــــــ دور سے جنگ کا نظارہ کر رہی تھیں۔ قریش کو اپنے معمر بہادر کے فن سپہ گری پہ بڑا ناز تھا۔اور مسلمانوں کو کارساز مطلق کی غیبی نصرت پر پورا پورا اعتماد تھا۔

اپنے اور بیگانے ـــــــ سب کی آنکھوں نے دیکھا، ذوالفقار حیدری فضا میں لہرائی اور دیو پیکر ابن عبدود کی آہنی زرہ کو کاٹتی ہوئی اس کے کمر تک اتر گئی۔آن کی آن میں عرب کا سب سے شہ زور لڑا کو زمین پر ڈھیر تھا۔

مسلمانوں کے خیمہ سے ''اللہ اکبر'' کا فلک شگاف نعرہ بلند ہوا ـــــــ اور کافروں کے کیمپ میں یاللعجب کا شور بر پا ہو گیا ـــــــ اس تلوار کی قدر ڈاکٹر اقبال سے پوچھو۔

سوچا بھی ہے اے مرد مسلماں کبھی تو نے

کیا چیز ہے فولاد کی شمشیر جگر دار

قبضہ میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن

یا خالد جاں باز ہے، یا حیدر کرار

دوسرا سوار ـــــــــ نوفل مخزومی تھا جو خندق پار کر کے دور ہی دور سے اکڑفوں دکھلا رہا تھا، عمرو بن عبدود کا انجام دیکھ کر ایسا سرپٹ بھاگا کہ گھوڑا سیدھا خندق میں اتار دیا! رلطف یہ کہ گھوڑے کی پشت سے لڑھک کر اوندھے منہ خندق میں جا گرا ـــــــــ خدا کا شیر پیکر اجل بن کر اس کے سر پر پہونچ گیا اور جب وہ سنبھل کر کھڑا ہو گیا تو اس کا کام بھی تمام کر دیا۔

ابوسفیان کو ڈر ہوا کہ ـــــــــ ہم نے اُحد میں امیر حمزہ کا مثلہ کرایا تھا، آج حضرت علی، چچا کے بدلے دونوں مردوں کا مثلہ کر ڈالیں گے۔ دونوں سرمایہ دار اور رئیس قبیلہ تھے۔ اس لیے ابوسفیان نے حضرت علی کو پیغام بھیجا کہ آپ دونوں نعشوں کو درست حالت میں واپس کر دیجئے۔ اس کے عوض سو اونٹ ہم آپ کو نذر کریں گے۔ آپ نے اس کا عطیہ قبول نہ فرمایا اور لاشوں کو کوئی نقصان پہونچائے بغیر واپس کر دیا۔ ـــــــــ یہ تھی عزت نفس ان اللہ والوں کی جو تسلیم و رضا کی وادی میں بے خوف و خطر آگے بڑھ رہے تھے۔

خدا کی دوسری مدد: اس حادثہ سے دشمن کی فوج میں ابھی کھلبلی مچی ہوئی تھی ہی کہ غیبی دروازے سے خدا کی دوسری مدد بھی آپہونچی جس کا سورہ احزاب کی اس آیت کریمہ میں واضح بیان موجود ہے۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ

رِیْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا (سورہ احزاب) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو ــــــ جب تم پر کچھ لشکر آئے تو ہم نے ان پر آندھی اور وہ لشکر بھیجے جو تمہیں نظر نہ آئے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ــــــ مدینہ کے محاصرہ کے چوبیس دنوں بعد بارہ ہزار اتحادی فوج کے خیموں میں ایک رات ایسی آندھی آئی کہ تمام چراغ گل ہوگئے۔ سبھوں کی آنکھیں گرد سے اٹ گئیں اتنا ہی نہیں، خیمے پھٹ گئے، طنابیں ٹوٹ گئیں۔ کھونٹے اکھڑ گئے، آگ بجھ گئی بلکہ ہوا کی زد پر آنے والے لڑھک گئے۔ دیگیں چولہوں سے الٹ گئیں۔ اونٹ، گھوڑے بندھنوں کو توڑ کر بھاگ گئے ــــــ اور تاریکی ایسی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سوجھتا تھا۔

ابھی ہوا ــــــ تھمنے پر نہ آئی تھی کہ موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ بڑے بڑے اولے برسنے لگے۔ سردی اتنا زور پکڑ گئی کہ دانتوں پر دانت بیٹھنے لگے اور قوی سے قوی آدمی بھی تھر تھر کانپنے لگا ــــــ اور قدرت کا کرشمہ یہ تھا کہ سارا اخرب اتحادیوں کے خیموں تک محدود تھا۔

حضرت حذیفہ بن یمان کو ــــــ قریش کی خانہ خرابی کا حال معلوم کرنے کے لیے حضور نے ان کی آماجگاہ کی طرف بھیجا تو جسم پر اپنا مبارک ــــــ ہاتھ پھیر دیا تاکہ قہر خداوندی کی ٹھنڈک ان کے جسم کو نہ چھو سکے ــــــ چنانچہ سردی کی وجہ سے سبھوں پر کپکپی طاری تھی اور حضرت حذیفہ پر ٹھنڈک کا کچھ اثر نہ تھا۔

سبحان اللہ! جن ہاتھوں نے امت مرحومہ کے الجھے گیسو سنوارے، بحرِ معصیت میں ان کی ڈوبتی کشتی تیرائی۔ ظالم سے مظلوموں کا حق دلایا۔ پستی کے دلدل میں پھنسی ہوئی قوم کو سہارا دیا ـــــــــ آج انہی ہاتھوں نے حضرت حذیفہ بن یمان کو مغضوبین کے درمیان عذاب الٰہی سے محفوظ رکھا۔

حضرت حذیفہ ـــــــــ جس وقت جاسوسوں کے بھیس میں قریش کے کیمپ میں داخل ہوئے۔ ابوسفیان پر بدحواسی طاری تھی۔ وہ زور زور سے چیخ رہا تھا لوگو! اپنے قریب و پاس پر نگاہ رکھو، اور جاسوسوں سے ہوشیار رہو۔ اس نازک گھڑی میں مسلمانوں کے چڑھ آنے کا اندیشہ ہے۔

افسوس ـــــــــ بنو قریظہ نے غداری کی۔ منافقین چھپ کر بیٹھ رہے۔ آندھی نے تباہی مچادی، مویشی سارے ہلاک ہو گئے، خیمے سب برباد چلے گئے۔ بارش اور اولوں نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا۔ اب یہاں ٹھہرے رہنے کا کچھ حاصل نہیں ہے ـــــــــ **الرحیل الرحیل**

صبح ہوئی تو صحرا آدمیوں سے خالی تھا، دور دور تک کہیں کوئی نظر نہ آیا۔ خیمے، قناتیں، کھونٹے، طنابیں، بستر ے اور برتن جا بجا بکھرے پڑے تھے اور بھاگے ہوئے مویشی بھی جگہ جگہ بھٹک رہے تھے۔

صحرا کی سناٹگی ـــــــــ کہہ رہی تھی کہ آج کے بعد سے اسلام دشمن عناصر کبھی بھی مدینہ پر چڑھ کر آنے کی جرأت نہ کر سکیں گے اور مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کا حوصلہ اب کبھی ان کے اندر بیدار نہ ہو سکے گا۔

اسلام ـــــــ کی طرف سے دفاع میں ثابت قدم رہنے والے اور اپنے نبی کے حکم پر جان و دل سے قربان ہو جانے کا جذبہ صادق رکھنے والے ـــــــ اپنے رب کی اس غیبی نصرت پر فرط خوشی سے اشکبار تھے۔ پیشانی ـــــــ ان کی زمین بوس تھی۔ لب ان کے شکریہ میں ہل رہے تھے۔ دل ـــــــ ان کا شان کریمی کے آگے جھکا ہوا تھا۔ اور زبان ـــــــ ان کی آداب بندگی کا روح پرور ترانہ عالم خیال میں اس طرح گا رہی تھی ؎

اپنے رازق کو نہ پہچانے، تو محتاج ملوک

اور پہچانے تو ہیں، تیرے گدا دارا و جم

انوکھی صلح ذی قعدہ ۶ھ ـــــــ مدینہ شہر، دوراہے پر واقع تھا۔ جنوب کی طرف چار سو کیلو میٹر کے فاصلے پر مکہ شہر آباد تھا ـــــــ اور شمال کی جانب دو سو کیلو میٹر کی دوری پر خیبر کی آبادی تھی۔ ـــــــ مکہ کے مشرکین اور خیبر کے یہودیہ دونوں ہی مسلمانوں کے مشترک دشمن تھے ـــــــ اسلام دشمنی کے جذبے میں مذہبی اختلاف کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے ساتھ متحد ہو گئے تھے ـــــــ معاہدہ یہ ہوا تھا کہ مسلمان مکہ کا رخ کریں تو اہل خیبر مدینہ پر چڑھ آئیں گے اور اگر وہ خیبر کی طرف بڑھیں تو کفار مکہ، مدینہ پر حملہ کر دیں گے۔

واضح رہے کہ ان دونوں شہروں کے باشندے کافی مالدار تھے۔ انہیں مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لیے لمبی مہلت کی ضرورت نہ تھی ـــــــ

چونکہ مسلمانوں کی اقتصادی ناکہ بندی اب بھی قائم تھی اوراس کے اصل محرک یہی دونوں شہر والے تھے اس لیے ان میں سے کسی ایک کی تسخیر مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگئی تھی ـــــــــ مسلمان اوران کے حلیف قبائل کا یہ خیال تھا کہ پیغمبر اسلام اب جلد ہی مکہ یا خیبر پر چڑھائی کی غرض سے تیاری کا حکم صادر فرمائیں گے۔

اس گمان کا پس منظر یہ تھا کہ ـــــــــ غزوہ احزاب سے اتحادی فوجوں کی ناکام واپسی پر جب مسلمانوں نے اطمنان کا سانس لیا تھا تو حضور نے بشارت دی تھی کہ اب دشمن کبھی تمہارے شہر پر چڑھ کر نہیں آئیں گے۔ ـــــــــ حضور کا یہ ارشاد سن کر راسخ الاعتقاد مسلمانوں کے دل میں یہ بات اتر گئی تھی کہ اب معاملہ الٹ گیا ہے۔یعنی اب ہم ہی ان کے شہر پر چڑھ کر حملہ کریں گے۔

پیغمبر اسلام ـــــــــ مشرکین مکہ اور یہود خیبر کے باہمی معاہدہ سے بخوبی واقف تھے۔سانپ مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، کے اصول پر آپ نے مدینہ کی اقتصادی تنگی کا وہ حل نکالا جس کا کسی کو وہم بھی نہ گذرا تھا۔حکمت عملی کی جو راہ آپ نے اپنائی۔اس کے سامنے دنیائے فکر وسیاست کی زبانیں گنگ ہیں ـــــــــ تھکی ہوئی قوم کو اگر جنگ کی طرف بلایا جاتا تو شاید ان کے قدم اتنے تیز نہ اٹھتے اور دوسری طرف اہل مکہ کو بھی خون خرابہ کی طرف دوڑ پڑنے سے کوئی روک نہ پاتا۔

آپ نے اچانک اپنے قصد عمرہ کا اعلان فرمایا اور ہمرکابی کی تمنا رکھنے

والوں کوتیاری کا حکم بھی ۔اس وقت مسلمانوں کی تعداد دوہزار سے کچھ زیادہ ہی تھی ـــــــ چند بدوی قبائل کو چھوڑ کر سبھی فدایان رسول آپ کی ہمرکابی کے شرف میں پیش پیش نظر آئے ۔جن کی تعداد چودہ سوتک پہونچ گئی تھی ۔

مہاجرین کا حال کچھ نہ پوچھئے ـــــــ مدت مدید کے بعد وطن کی طرف مراجعت ان کو مست و بے خود کئے دے رہی تھی ۔انصار کی بھی دیرینہ آرزو کی تکمیل کا وقت اب قریب تھا۔ وہ بھی تو رسول ہاشمی کی حمایت کی پاداش میں حرم کعبہ کی زیارت سے محروم کر دئے گئے تھے ۔

یہ لوگ منشائے نبوت سے اچھی طرح اگاہ تھے ۔وہ جان رہے تھے کہ ہمیں کسی جنگ کی طرف نہیں لے جایا جارہا ہے اور نہ فوجی تیاریوں کے ساتھ شہر سے نکلنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن بدوی قبائل کے وہ نومسلمین جن کی تربیت ـــــــ کے مراحل ابھی بہت باقی تھے ۔اس خروج کو حرام مہینہ میں جنگی اقدام سے تعبیر کررہے تھے اور یہی غلط فہمی ہمرکابی کے شرف میں رکاوٹ بھی بنی ۔

یہ سفر ـــــــ ایک طرف تو خالص مذہبی تھا۔مگر دوسری جانب نہایت باریک سیاسی پہلو بھی اس میں شامل تھا۔قریش اس نزاکت کو بھانپ کر عجب مخمصے میں پڑ گئے ۔یعنی گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل‘‘

زائرین حرم کا وہ قافلہ ـــــــ جس کا ظاہر، قصد عمرہ کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ جنگی ہتھیاروں سے خالی تھا ان کے ساتھ قربانی کے لیے نشاں زدہ جانور موجود تھے اور اس سفر کے غیر جنگی ہونے کا چرچا بھی دور دور تک پھیل گیا تھا اگر

قریش اس کو روکتے ہیں تو ان پر بے جا تشدد کا الزام عائد ہوتا تھا اور حرام مہینے میں قتال کا وبال بھی ان ہی کے سر جاتا تھا۔

اگر وہ خاموش بیٹھ کر مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے کا موقع دیتے ہیں تو ان کی جمی جمائی ساکھ اکھڑ جانے کا ڈر تھا بعض قبائل عرب سے بزدلی کا طعنہ ملنے کا اندیشہ بھی تھا ـــــــــ علاوہ ازیں رسول ہاشمی کی معیت میں چودہ سو اصحاب کے داخل شہر ہونے کی سطوت سے مکہ کے باشندوں پر زبردست اثر پڑنے کا خطرہ الگ لاحق تھا ـــــــــ قریش کو مزید چپقلش یہ تھی کہ ان کا لیڈر ابوسفیان ان دنوں تجارتی سفر پر تھا اور مسلمان مہلت دیئے بغیر مکہ کی سمت بڑی تیزی سے بڑھے چلے آرہے تھے ـــــــــ پیغمبر اسلام قریش کی ان پیچیدگیوں سے خوب واقف تھے اور جان چکے تھے کہ ان کے پاس صلح کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

خبر رسانی کا محکمہ اس موقع پر بھی بڑا چوکس تھا ـــــــــ بشیر بن سفیان خزاعی ایک کامیاب اسلامی جاسوس تھے۔ مدنی قافلہ جو مقام عسفان میں ٹھہرا ہوا تھا۔ یہ اس قافلے میں پہونچے اور براہ راست بارگاہ رسول میں باریابی کے طالب ہوئے ـــــــــ دربان نے اطلاع پہونچائی کہ ایک نووارد ملاقات چاہتا ہے۔

پیغمبر اسلام ـــــــــ اس وقت اپنے رفقائے خاص کے ساتھ جو سب کے سب مشاورتی بورڈ کے ممبر تھے تبادلۂ خیال فرمارہے تھے ـــــــــ

آنے والے کو اندر بلا کر پوچھا، بشیر بن سفیان! کہو کیا خبر ہے؟ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! قریش مزاحمت پر آمادہ ہیں۔ خالد بن ولید سواروں کا دستہ لے کر کراع النعیم تک آچکا ہے اور قریش کے حلیف قبائل میں احابیش وغیرہ کی فوجیں مقام ''بلدح'' میں جمع ہو رہی ہیں۔

رسول اور اصحاب رسول کو اس خبر سے کچھ تردد نہ ہوا۔ حضور نے اپنے معتمد جاسوس کی تحقیقی اطلاع پر افسوس ظاہر کرتے ہوئے اسی قدر فرمایا اور بس ــــــ میرا مقصود جنگ نہیں ہے اگر قریش نے حرام مہینے کی حرمت توڑ کر جنگ میں پہل کر دی تو پھر انہیں نقصان سے کوئی بچا نہ سکے گا۔

تفریق ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود

اسلام کا مقصود، فقط ملت آدم

قریش کی سفارت: قریش ــــــ احزاب سے واپسی کے بعد اپنے نقصانات کی تلافی ابھی نہ کر پائے تھے۔ ثانیاً یہ کہ مسلمانوں کی جمعیت بھی تھوڑی نہ تھی اس لیے وہ خود بھی ٹکراؤ نہیں چاہتے تھے ــــــ ان کا فوجی انتظام جس کی اطلاع جاسوس نے دی تھی صرف حفظ ما تقدم کے طور پر تھا۔ انہوں نے آپ کا ارادہ جاننے اور سفر کی نوعیت معلوم کرنے کے لیے آپ سے سفارتی تعلقات قائم کئے۔

قریش نے جن سفراء کو اپنا نمائندہ بنا کر آپ کی خدمت میں بھیجا ان میں قبیلہ خزاعہ کے رئیس بدیل بن ورقا، احابیش کے سردار حلیس بن علقمہ اور ثقفی

خاندان کے مشہور سیاح عروہ بن مسعود شامل ہیں۔تینوں نے باری باری سے آ کر مسلمانوں کی نقل وحرکت کا جائزہ لیا اور پیغبر اسلام سے مصالحانہ گفتگو کی۔

(۱) بُدیل بن ورقاء ــــــــ نرم خو اور نیک مزاج شخص تھا۔اس کے دل میں مسلمانوں کے لیے ہمدردانہ جذبات تھے۔حضور رحمت پناہ کی خدمت میں نہایت مؤدب بیٹھا، سنجیدہ اور نرم گفتگو کی ــــــــ واپس جا کر قریش سے کہا، محمد بن عبداللہ صالح طبیعت اور سلیم فطرت رکھتے ہیں۔وہ جنگ کا ارادہ لے کر تمہارے یہاں ہرگز نہیں آئے۔میرے خیال میں ان کا راستہ روکنا بہتر نہیں ہے۔

(۲) حلیس بن علقمہ ــــــــ حساس طبیعت اور حق پسند آدمی تھا۔قریش نے جب مزید اطمینان کے لیے اسے آپ کے پاس بھیجا تو دور ہی سے قربانی کا جانور دیکھ کر متاثر ہو گیا۔اور کہنے لگا کہ مسلمانوں کا ارادہ تو ان ہی جانوروں سے ظاہر ہے ــــــــ واپس آ کر قریش سے بولا۔مسلمانوں کی راہ میں تمہارا حائل ہونا قطعاً درست نہیں۔واللہ میں نے ان کے ارادوں میں کوئی کجی نہیں دیکھی۔

(۳) عروہ بن مسعود ــــــــ اول الذکر دونوں سفیروں کے بعد سفارت پر مامور ہوا۔یہ جہاں دیدہ اور تجربہ کار شمار ہوتا تھا اسے سلاطین وامراء کے دربار میں جانے کا بارہا اتفاق ہوا تھا اس لیے قریش کے نزدیک زیادہ قابل اعتماد تھا۔

عروہ نے غیر مہذب اور بے باکانہ طریق پر سلسلہ کلام جاری کرتے ہوئے کہا، اے محمد! قریش آپ کے قرابت دار ہیں۔ آپ نے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں پر تکیہ کیا ہے۔ یہ اوباش قسم کے لوگ جو آپ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔ کب کدھر جائیں گے ان کا کچھ بھروسہ نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ کنارہ کشی اختیار کرلیں اور آپ تنہا رہ جائیں۔

حضرات انصار کی رفاقت پر عروہ کا یہ طنز سن کر حضرت صدیق اکبر برس پڑے اور اسے سخت ڈانٹ پلائی۔ عروہ نے آپ کو گھور کر دیکھا اور کہا ـــــــ افسوس اگر تمہارا احسان مجھ پر نہ ہوتا تو آج میں تمہاری سخت کلامی کا خوب خوب جواب دیتا۔

عروہ دوبارہ حضور کی طرف متوجہ ہوا اور بے تکلفی کے انداز پر اپنا ہاتھ حضور کی ریش مبارک کی طرف بڑھایا ـــــــ حضرت مغیرہ بن شعبہ جو باڈی گارڈ کی حیثیت سے آپ کی پشت پر شمشیر بکف کھڑے تھے۔ فوراً تلوار کی نوک اس کے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا ـــــــ خبردار! ادب بیاموز۔

عروہ نے مبہوت ہو کر حضرت مغیرہ کی طرف نظر کی تو ان کا بدلا ہوا تیور دیکھ کر سہم گیا۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ حضور جب کلام کرتے ہیں تو صحابہ کرام حبس دم کے قاعدے پر خاموش ہو کر متوجہ نظر آتے ہیں اور ارشادات عالیہ کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

جب کچھ دیر بعد آپ وضو کے لیے بیٹھے تو صحابہ نے حلقہ بندی کرلی اور

آپ ان کے گھیرے میں بیٹھے اس طرح وضو کر رہے تھے کہ آپ کے غسالے کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گر سکا ــــــــــ عروہ تصویر حیرت بنا ہوا یہ سب کچھ دیکھتا رہا اور جب واپس ہوا تو اس کے خیالات کی رو بدل چکی تھی۔

رسول اعظم کی خداداد عظمت کا پاس ولحاظ آپ نے صحابہ کی مقدس بزم میں ملاحظہ فرمایا۔ جس نے عروہ جیسے جری کو برگ وگل کی طرح نرم کر دیا اور مدت کی گرد کدورت اس کے دل سے ایسی دور ہوئی کہ اسلام کے لیے ان کے دل میں نرم گوشے پیدا ہو گئے اور یہی اثر ان کے دماغ میں لمبے عرصے تک ہچکولے لیتا رہا اور بالآخر وہ اسلام کی طرف اپنا جھکاؤ نہ روک سکے ــــــــــ گویا

جہاں چلتی نہیں کچھ ناخدا کی
سفینہ اب وہاں پر آ گیا ہے

اب کیا کہیں گے آپ اس پیر فرتوت کے بارے میں جس نے دل کی سیاہی سے کاغذ کی سپیدی پر عداوت کے یہ قابل نفریں نقوش لکھ چھوڑے ہیں۔ ہر گاؤں کا کوئی نہ کوئی چودھری اور پردھان ہوتا ہے۔ سو اسی معنی میں نبی بھی اپنی امت کا سردار ہے۔ اسی کی سی نبی کی تعظیم کرنی چاہیے۔ بلکہ اس سے بھی کچھ کم"

مئے وحدت کے ان متوالوں کو نبی کی تعظیم میں شرک کا آزار ستانے لگتا ہے۔ کیا صحابہ کرام کی مقدس جماعت بادہ توحید کی قدح خوار نہیں تھی؟ بلاشبہ ان بزرگوں نے امت مرحومہ کو ایمان کی لذتوں سے آشنا کیا اور ایقان کی حلاوتوں کا راز اس طرح سمجھایا ــــــــــ اقبال کی زبان میں ؎

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

قریش کو عروہ کی واپسی کا بے چینی سے انتظار تھا ______ عروہ بن مسعود کسی قدر دیر سے واپس آئے قدم بوجھل اور نظر بجھی بجھی سی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کسی گہری فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قریش ان کی بدلی ہوئی حالت دیکھ کر یک گونہ اضطراب میں مبتلا ہو گئے۔ عروہ نے قریش کی الجھن کو دور کرنے کی غرض سے جذبات میں ڈوبی ہوئی ایک تقریر کی۔

اے لوگو! میں نے قیصر و کسریٰ کے دربار دیکھے ہیں۔ وہاں کی شان و شوکت میری نگاہوں کے سامنے آج بھی ہے مگر محمد کے شیدائیوں کی شان سب سے الگ ہے۔ جاں نثاروں کی جو جو ادا میں نے وہاں پائی وہ کسی جگہ دیکھنے میں نہیں آئی ______ جو قوم اپنے نبی کا غسالہ زمین پر گرنے نہیں دیتی وہ اس کا خون زمین پر گرتے ہوئے کب دیکھ سکتی ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے صلح کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

عروہ کی تقریر اثر انگیز تھی کوئی بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ قریش کو سب سے زیادہ آبرو بچانے کی فکر دامن گیر ہوئی۔ عجلت کے ساتھ دار الندوہ میں میٹنگ بلائی گئی اور سیاسی مبصرین شرائط صلح کی ترتیب میں مصروف ہو گئے ______ نوجوانوں کی طرف سے برابر یہ مطالبہ ہو رہا تھا کہ شرائط صلح میں ہمارا پلہ بھاری رہنا چاہیے تا کہ قبائل عرب ہمیں کل بزدلی کا طعنہ نہ دے سکیں۔

حضرت خراش بن امیہ ـــــــ ایک سلیقہ منداور مزاج شناس شخص تھے حضور نے ان کو قریش کی طرف اپنا نمائندہ بنا کر اس لیے بھیجا کہ جانبین سے گفت وشنید کا سلسلہ زیادہ نتیجہ خیز ثابت ہوتا ہے ـــــــ ثالثی کے لیے ان کے درمیان آنے والا ایک قابل احترام قاصد تھا مگر قریش کے خر دماغ جوانوں نے اس خصوص کا پاس بھی نہ رکھا اوران کے اونٹ کو ہلاک کردیا۔خود ان پر بھی دست درازی سے باز نہ رہے۔ بڑی خیر یہ ہوئی کہ چند صلح پسند بوڑھے وہاں پہونچ گئے اور بروقت مداخلت کر کے ان کی جان بچائی۔

قاصد کے ساتھ اس طرح کا برتاؤ ـــــــ آئین کی کھلی خلاف ورزی تھی بایں ہمہ پیغمبر اسلام نے ان لوگوں سے کوئی تعرض نہ فرمایا۔حدیبیہ نامی کنواں کے قریب ایک صحراء میں مسلمانوں کے خیمے نصب تھے کچھ شر پسندوں نے ان کیمپوں پر خشت باری شروع کردی اور پہریداروں کی چوکسی سے گرفتار بھی کر لئے گئےلیکن پیغمبر نے تادیبی کاروائی تک سے پہلوتہی فرمائی۔

چاہیے تو یہ تھا کہ آپ کے اخلاق کریمانہ انہیں نادم کرتے اور آپ کا حلم بیکراں دیکھ کر وہ اپنی نازیبا حرکتوں پر متاسف ہوتے ـــــــ آپ کی چشم پوشی کو کمزوری پر محمول کر کے الٹا جرّی ہو گئے۔جس کے نتیجے میں تاریخ کا وہ عظیم الشان واقعہ پیش آیا جو بیعت الرضوان کا سبب بنا۔

حضرت ذوالنورین کی نظر بندی : پیغمبر اسلام نے ـــــــ جو قصد عمرہ فرمایا تھا اس کے پیچھے کعبہ کی حسن عقیدت کا جذبہ تو کارفرما تھا ہی دو

اہم سیاسی پہلو بھی تھے ۔ (۱) بعض عربی قبائل یہ گمان کرنے لگے تھے کہ محمد عربی مکہ کی مرکزیت کو ختم کر دینا چاہتے ہیں اور معاذ اللہ وہ ابرہہ کی طرح کعبہ کو پامال کر دینے کے درپے ہیں۔ قریش اس طرح کی افواہ کو ہوا دے رہے تھے۔ آپ نے ضروری سمجھا کہ عمرہ ادا کر کے سارے عرب کو متنبہ کر دیں کہ اسلام کعبہ کے احترام کا سبق دیتا ہے اور اسے پوری دنیا کی دینی مرکزیت عطاء کرنا چاہتا ہے۔

(۲) جدال وقتال سے ممکنہ حد تک احتراز کر کے صلح کی ہر ممکن کوشش جاری رکھی تا کہ مدینہ کو اقتصادی محاصرہ سے نجات حاصل ہو اور مسلمان سکون کا سانس لیں اور اسلام سبک روی کے ساتھ ارتقائی منازل طئے کرتا رہے ــــــ اس کے لیے ضروری تھا کہ عمرہ کے نام پر قریش سے قریب ہوا جائے اور کسی بھی طرح انہیں صلح پر مائل کر لیا جائے۔

حضور نے ــــــ مناسب یہ سمجھا کہ قریش کے سفیروں کے علاوہ اگر ہمارا نمائندہ بھی ان تک پہونچ کر اپنا مقصد سفر بیان کرے گا تو ضرور صلح کی کوئی نہ کوئی راہ نکل آئے گی ــــــ پہلے آپ نے حضرت فاروق اعظم کو سفارت کے لیے منتخب فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! قریش اوروں کی نسبت مجھ سے زیادہ دشمنی رکھتے ہیں اور وہاں میرا کوئی قریبی عزیز بھی نہیں ہے جو میرا مددگار بن کر کھڑا ہو۔ پھر میں گفتگو میں کسی نرمی یا مصلحت کو راہ بھی نہیں دے سکتا۔ اس لیے میرے بجائے کسی دوسرے کا انتخاب بہتر ہوگا۔

عذر معقول تھا لہٰذا حضور نے حضرت عثمان غنی کا نام تجویز فرمایا۔ ان کے قریبی حلیف وہاں موجود تھے۔ قریش پر ان کے احسانات تھے۔ علاوہ ازیں نرم خو اور بردبار شخص تھے موقع اور مصلحت دیکھ کر گفتگو کرنا جانتے تھے۔ قریش ان کی طرف سے بہت زیادہ برخواستہ خاطر بھی نہیں تھے۔ پیغمبر کے ایماء پر انہوں نے یہ پیشکش قبول فرمالی اور گھوڑے پر سوار ہو کر مکہ روانہ ہو گئے۔

ابان بن سعید ـــــــــ حضرت عثمان غنی کے قریبی عزیز تھے انہوں نے آپ کو امان دی اور قریش نے ان کے امان کا احترام کرتے ہوئے حضرت عثمان کو طواف کعبہ کی اجازت بھی دے دی مگر آپ نے انکار کر دیا کہ میں اپنے رسول کے بغیر طواف نہیں کر سکتا، قریش نے اس جواب پر برافروختہ ہو کر آپ کو نظر بند کر دیا اور اسلامی لشکر میں آپ کے قتل کی افواہ پھیل گئی۔

رسالت مآب نے ـــــــــ ایک عظیم الشان درخت کے نیچے جس کے سایہ میں ڈیڑھ ہزار افراد بآسانی جمع ہو گئے ـــــــــ لوگوں کی اس امر پر بیعت لی کہ وہ اپنے پیغمبر کی ہر حال میں اطاعت کریں گے اور ہرگز اپنی مرضی اور عقل کو راہ نہ دیں گے۔ ہر حکم کی بے چون و چرا اطاعت پر بیعت میں پہل حضرت سنان نامی ایک بزرگ نے کی۔ اس کے بعد بیعت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔ آخر میں حضور نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ میں لے کر حضرت عثمان غنی کی طرف سے بیعت فرمایا ـــــــــ جو اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ حضرت ذی النورین زندہ ہیں۔ ان کے قصاص کے لیے نہیں بلکہ

اصلاً یہ بیعت صلح حدیبیہ کی نامعقول شرطوں کی بلاچون وچرا قبولیت پر لی جارہی ہے۔ یہ بیعت بیعت الرضوان کے نام سے مشہور ہوئی چونکہ قرآن حکیم میں بشارت نازل ہوئی لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ (سورہ فتح) یعنی خدا مسلمانوں سے راضی تھا جبکہ وہ آپ کے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے۔

اس بیعت کا ———— اولین فائدہ یہ ظاہر ہوا کہ جب قریش کو یہ علم ہوا کہ مسلمانوں نے پیغمبر کے ہر حکم کی بے چون وچرا اطاعت پر بڑے جوش و خروش کے ساتھ بیعت کرلی ہے تو وہ خائف ہوگئے اور انہیں جلد از جلد صلح کی فکر لاحق ہوگئی ———— چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان غنی کو فوراً رہا کردیا۔ اور سہیل بن عمرو کو جو اپنی طلاقت لسانی کی وجہ سے خطیب قریش کہے جاتے تھے۔ اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔

قریش کی طرف سے جو چھ شرطیں صلح کے لیے بنیاد بنائی گئیں وہ کچھ اس طرح تھیں:

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ واپس چلے جائیں۔

(۲) اگلے سال عمرہ ادا کرنے کو جب آئیں تو صرف تین دنوں تک قیام کریں گے۔

(۳) بغیر ہتھیار صرف تلوار لے کر آئیں گے جو نیام میں ہی رہے گی۔

(۴) مکہ میں مقیم مسلمانوں میں کسی کو وہ اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

(۵) مکہ کا کوئی شخص مسلمان ہوکر مدینہ چلا جائے تو واپس کر دیا جائے گا۔اور اگر کوئی مسلمان مکہ آجائے تو واپس نہ کیا جائے گا۔

(٦) قبائل عرب کو اختیار ہوگا فریقین میں سے جس کو چاہیں اپنا حلیف بنالیں۔

مذکورہ بالا پانچوں شرطیں یک طرفہ کافروں کے حق میں جاتی تھیں۔ بالخصوص پانچویں شرط تو انتہائی جگر خراش تھی۔صحابہ اس صلح کو ذلت آمیز تصور کر رہے تھے مگر وہ پیغمبر کے ہر حکم کی بے کم وکاست اطاعت پر بیعت کر چکے تھے اس لیے بادل نخواستہ خاموش تھے۔

البتہ ـــــــ نبی اپنے رب کی مشیت پر راضی تھا اور وہ دب کر کی جانے والی صلح کے پیچھے امت کی کامیابی کا راز دیکھ رہا تھا۔صحابہ کل کے کل سیماب وشرر کی کیفیتوں سے دوچار تھے مگر اللہ کا رسول زیر لب مسکرا کر قریش کی ان ہی شرطوں پر صلح نامہ مرتب کرا رہا تھا۔

حکم کی تعمیل میں وزیر خاص حضرت علی مرتضی نے تحریر فرمایا ـــــــ هٰذَا مَا قَضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ قریش کا نمائندہ معترض ہوا کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مان ہی لیتے تو پھر جھگڑا کیا تھا لہذا محمد بن عبد اللہ لکھوائیے۔حضور نے فرمایا ـــــــ بخدا میں عبد اللہ کا بیٹا بھی ہوں اور اللہ کا رسول بھی ـــــــ پھر حضرت علی کو حکم ہوا وہی لکھ دو جو یہ کہتے ہیں۔

پوری زندگی ـــــــ اشارہ ابرو پر جاں نثاری کا مثالی رول ادا کرنے والا آج قلم روک کر عرض کرتا ہے ـــــــ خدا کی قسم یہ تو مجھ سے نہیں ہوسکتا

______اس انکار میں محبت کی بڑی گہرائی تھی۔عشق کی عجب حلاوت تھی اور اطاعت کی ایک غیر محسوس تڑپ تھی۔

امی لقب پیغمبر نے کاغذ ان کے ہاتھ سے لے لیا اور لفظ رسول اللہ مٹا کر کہا علی! اب تم یہاں پر لفظ عبداللہ لکھدو یعنی لفظ رسول اللہ کا مٹانا ہی توتم پر شاق تھا اور شیشۂ محبت پر بال آجانے کا تم کو اندیشہ تھا۔لو اب تمہاری عقیدت کے سمندر کا پانی گدلا نہیں ہوسکتا۔______ علی مرتضیٰ نے لفظ عبداللہ لکھ دیا۔

حضرت ابوجندل کا حال پُردرد: صلح نامہ ابھی تشنۂ تکمیل تھا______ قلم علی المرتضیٰ کے ہاتھ میں تھا اور صلح کی ابتدائی شرطیں تحریر میں آچکی تھیں۔عین اسی وقت ایک صالح نوجوان، ہتھ کڑیاں پہنے ہوئے رحمت شعار پیغمبر کے سامنے آکھڑا ہوا۔آنکھیں اس کی پر آب تھیں۔جسم پر اس کے کوڑوں کے نشانات تھے اور پیروں میں اس کے زنجیر کی خراشیں تھیں۔

اے اللہ کے رسول______ میں ایک ستم رسیدہ مظلوم ہوں۔قبول اسلام کی پاداش میں مدت سے دکھ جھیل رہا ہوں کسی طرح دشمن کے نرغے سے نکل کر آپ کے قدموں میں آگیا ہوں۔خدارا اب مجھے اپنے دامن میں پناہ دے دیجئے______ آنے والے نے دردانگیز لہجے میں پیغمبر سے فریاد کی۔

آپ نے فریادی کی طرف نگاہ اٹھائی اور محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا، کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ قریشی نمائندہ سہیل بن عمرو بول پڑا______

اے محمد! یہ میرا بیٹا ابوجندل ہے۔معاہدہ کی شرطوں پر عمل کا یہ پہلا موقع ہے۔

پیغمبر نے جواب دیا ______ ابوجندل کی پناہ، معاہدہ کی خلاف ورزی قرار نہیں پا سکتی، صلح نامہ ابھی مرتب نہیں ہوا اور کاغذات پر طرفین کے دستخط ثبت نہیں ہوئے ہیں۔ جواب اصولی تھا مگر سہیل پر یہ جواب گراں گذرا۔ اس نے تیور بدل کر کہا تو پھر صلح بھی مجھے منظور نہیں ہے۔آپ نے نرمی سے کلام فرمایا۔اور اس کے دل میں پدرانہ شفقت کی جوت جگانے کی کوشش بھی فرمائی مگر وہ پتھر دل تھا۔ٹس سے مس نہ ہوا۔

ابوجندل! ______ جاؤ صبر کے ساتھ خدا کی مدد آنے کا انتظار کرو۔ مشکلات کے یہ دن دیر پا نہیں ہوں گے ______ رحمت کے یہ دو بول، درد کا درماں بن کر زبان رسالت سے ادا ہوئے۔اور ابوجندل صعوبت کے مضبوط شکنجے میں کس دئے گئے۔وہ مکہ کی طرف پابہ جولاں لے جائے جا رہے تھے اور خودسپردگی کے عالم میں ان کی زبان کہہ رہی تھی ؎

ہر جفا ، ہر ستم گوارا ہے
بس تم یہ کہہ دو کہ تو ہمارا ہے

اس دل دوز منظر نے صحابہ کے دلوں میں ہیجان برپا کر دیا۔نگاہوں کے سامنے ان کا ایک بھائی موت کے منہ میں واپس جا رہا تھا اور وہ صلح کے آہنی سلاخوں کے پیچھے سے صرف اسے دیکھ رہے تھے۔حضرت فاروق اعظم اپنے جذبات کا بہاؤ نہ روک سکے۔بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔

یارسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے رسول نہیں؟ ______

کیوں نہیں، حضور نے جواب ارشاد فرمایا، انہوں نے پھر عرض کیا۔ کیا اسلام دین برحق نہیں؟ ــــــــ کیوں نہیں، حضور نے بھی دوبارہ جواب دیا۔ تو پھر ہم دین میں یہ ذلت گوارا کیوں کریں؟ حضرت عمر نے صلح کو مسلمانوں کے لیے ذلت آمیز قرار دیا۔

عمر! اللہ کا رسول جس بات سے راضی ہے کیا تم اس سے راضی نہیں؟ رسول پاک نے تحمل سے جواب دیا۔ پاس ادب نے ان کو خاموش تو کر دیا مگر دل جمعی نہیں ہوئی ــــــــ انہوں نے صدیق اکبر سے بھی یہی سوالات دہرائے۔ آپ نے جواب میں کہا ــــــــ عمر! وہ اللہ کے رسول ہیں۔ خدا کی مشیت کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ یہ سننے کے بعد وہ دل گرفتہ ہو کر بیٹھ رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ مسلمانوں کی ذلت سے خدا کیوں کر راضی ہے۔

بیعت پر قائم رہنے کے لیے یہ ایک مشکل امتحان تھا کیونکہ پیغمبر کا طاقت کے باوجود قریش کی ایسی شرطوں کو جو مسلمانوں کے لیے ہتک آمیز تھیں۔ قبول کر لینا صحابہ پر شاق تھا۔ مگر وہ سب کے سب آزمائش کی اس گھڑی میں ثابت قدم رہے۔

فاروق اعظم ــــــــ جنہوں نے بے اختیاری میں پیغمبر کے سامنے اپنے کچھ معروضات رکھے۔ بعد میں اسے یاد کر کے وہ لرز جاتے تھے اور ہر جمعہ کو کفارہ گناہ کے طور پر ایک غلام آزاد کرتے رہے پھر بھی عمر بھر ان کو اپنی جسارت پر ملال باقی رہا۔

پیغمبر پر ـــــــ اگرچہ صلح کی کامیابی کا راز پوشیدہ نہ تھا مگر اس صلح سے صحابہ کا اضطراب، حدیبیہ کے مقام پر قربانی ادا کرنے میں ان کا توقف اور عمرہ کے بغیر واپسی پر ان کا رنج وغم، نبی کی دل شکستگی کا باعث بنا تھا۔ لہذا ـــــــ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ سے واپسی پر درمیان راہ، اپنے محبوب پیغمبر اور اطاعت شعار مومنین کی طمانیت قلب کی خاطر سورۂ فتح نازل فرمائی۔

حضرت ابوبصیر کا قصۂ عجیب: مسلمان ـــــــ جس صلح کو اپنی شکست سمجھ رہے تھے، قرآن نے اس کو فتح قرار دیا۔ یہ بات صحابہ کے فہم سے بالا تر تھی کہ آخر یہ فتح کیوں کر ہے مگر ارشاد الٰہی میں چوں وچرا کی تاب کس میں تھی، فاروق اعظم نے پیغمبر کے حضور تعجب سے کہا ـــــــ یا رسول اللہ! یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ـــــــ یہ جواب سن کر ان کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہوا۔

صلح کی پانچویں شرط ہی صحابہ کے اضطراب کا باعث بنی تھی اور وہی شرط اصلاً فتح کی صورت میں ظاہر ہوئی ـــــــ قریش بھی اسی شرط کو اپنی بڑی کامیابی تصور کر رہے تھے اور اسی شرط نے انہیں منھ کے بل گرادیا ـــــــ فتح مکہ، جسے عالمی تاریخ نے دنیا کا سب سے عظیم انقلاب تسلیم کیا ہے۔ اسی نقص عہد کے سبب ظہور میں آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کیا اسباب پیدا کئے ذیل کے سطروں میں ملاحظہ فرمائیں۔

عتاب بن اسید رئیس مکہ کے بھائی عتبہ بن اسید جو ابوبصیر کے نام سے مشہور تھے ـــــــ اسلام کی طرف مائل ہوگئے اور قبول اسلام کے

بعد کافروں کی حراست سے نکل کر مدینۃ الرسول چلے آئے ـــــــ قریش کو جب اطلاع ہوئی تو انہوں نے اپنے دو آدمی ان کی گرفتاری کے لیے روانہ کئے۔ یہ پہلے شخص تھے جو معاہدہ کے بعد دشمنوں کے پاس سے بھاگ کر مدینہ پہونچے تھے۔

قریش کے نمائندوں نے جب ان کی بازیابی کا مطالبہ کیا تو ـــــــ آپ نے ابوبصیر کو ان کے ساتھ واپس جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے بڑی بے بسی سے عرض کیا ـــــــ یارسول اللہ! آپ مجھے کافروں کے حوالہ کرتے ہیں کہ وہ مجھے کفر کی طرف واپسی پر مجبور کردیں ـــــــ آپ نے دلاسا دیکر کہا، ابوبصیر! ہم معاہدہ کے حصار کے اندر ہیں۔ شرائط صلح کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے۔ تم واپس جاؤ۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے آسانی پیدا فرمائے گا۔

ابوبصیر ـــــــ دو شمشیر بکف سپاہیوں کے درمیان نہتے تھے اور چپ چاپ سر جھکائے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ جب مقام ذوالحلیفہ پہونچے تو تینوں نے قیام کیا چونکہ لگاتار سفر نے تھکا دیا تھا اور آرام کرنا ضروری تھا ـــــــ ابوبصیر اندرونی طور پر اگرچہ کوفت محسوس کر رہے تھے لیکن بظاہر ہشاش بشاش تھے وہ مزاج شناسی کے ساتھ ساتھ اپنی کمزوریوں پر پردہ ڈالنے کا ہنر جانتے تھے۔

ابوبصیر نے ان دونوں میں سے ایک ڈینگ باز سپاہی سے کہا ـــــــ یار! تمہاری یہ تلوار تو آبدار معلوم ہوتی ہے۔ عرب میں کم لوگوں کے پاس اتنی نفیس تلوار ہوگی ـــــــ اس تعریف کا اس پر ایسا سُرور طاری ہوا کہ انجام

سے بے خبر ہو گیا۔ تلوار ابو بصیر کو تھماتے ہوئے بولا ـــــــــــ ایسی تلوار کسی کسی کے نصیب میں ہوتی ہے۔

حضرت ابو بصیر، تلوار کے قبضے پر ہاتھ رکھ کر بولے، اگر آج یہ تلوار کام نہ آئی تو اس کی آب بیکار ہے۔ اس کے بعد ہی تلوار کی ایک چمک کے ساتھ اس قریشی کا سرتن سے جدا ہو گیا اور دوسرا سر پر پیر رکھ کر بھاگا۔ کچھ دیر بعد جب لوٹ کر حضرت ابو بصیر پیغمبر کی عدالت میں پہونچے تو دیکھا کہ قریش کا بھگوڑا سپاہی استغاثہ پیش کر رہا ہے ـــــــــــ ابو بصیر نے عرض کیا ـــــــــــ یا رسول اللہ! آپ نے تو اپنا کام کر دیا۔ اب اگر میں اپنی حکمت عملی کے ذریعہ دشمن کی گرفت سے آزاد ہو گیا ہوں تو آپ پر اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ سرکار نے فرمایا ـــــــــــ ابو بصیر! مدینہ کی طرف تمہاری واپسی جنگ کو بھڑکا دے گی ـــــــــــ ابو بصیر یہ سن شہر مدینہ سے نکل پڑے وہ مکہ کی راہ چھوڑ کر سرحد شام کی طرف تنہا چل رہے تھے ـــــــــــ ابو جندل کے بعد یہ دوسرا موقع تھا کہ صلح کی پانچویں شرط نے مسلمانوں کے دلوں پر کچوکے لگائے تھے۔

حضرت ابو بصیر ''اللہ ان کی قبر پر رحمتوں کے پھول برسائے'' رضائے مولیٰ کی راہ میں وہ چل رہے تھے اور کوئی منزل نہ تھی۔ وحشتناک ویرانے کی طرف بڑھ رہے تھے اور کچھ زاد راہ ساتھ نہ تھا۔ گھٹا ٹوپ اندھیرے قریب آ رہے تھے اور کوئی غم خوار پاس نہ تھا ـــــــــــ سمندری صحراء کے گھنیرے جنگل میں ذومرہ کے پاس جہاں سے قریش کا تجارتی قافلہ شام کے لیے گذرتا

تھا۔عیص نامی مقام پر اکیلے ٹھہر گئے۔نہ گھر نہ در، کھانے کو درخت کی پتیاں تھیں، پینے کو سمندر کا پانی تھا اور بس۔

گویا ـــــــ ایک زاہد تھا جو ریاضت کی زندگی گذار رہا تھا۔ایک تارک الدنیا صوفی تھا۔جو مجاہدے کا عملی درس دے رہا تھا ـــــــ ایک رہبر و راہ طریقت تھا۔جو کنج خمولی میں بیٹھ کر تسلیم و رضا کی منزل ڈھونڈ رہا تھا ـــــــ اسی دوران اسی راہ کا ایک دوسرا مسافر بھی وہاں آپہونچا۔ابو بصیر اسے دیکھ کر مسرور ہوئے اور اس کی آمد سے تقویت محسوس کی ـــــــ یہ تھے سہیل بن عمرو کے فرزند،حضرت ابو جندل مشرکین کی ساری مشنری جنہیں کفر کی طرف واپس کرنے میں ناکام ہو چکی تھی۔کسی نے سچ کہا ہے ع

بہت خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

شدہ شدہ یہ خبر ـــــــ مکہ کے ان مظلوموں کو بھی پہونچی جو قبول اسلام کے جرم میں مدت سے اذیت جھیل رہے تھے اور معاہدہ نے جن پر پناہ کا دروازہ بھی بند کر دیا تھا۔جب انہیں دشمن کی دست رس سے بہت دور ایک پُر امن جگہ کا سراغ ملا تو انہوں نے اپنے حق میں اسے فال نیک سمجھا۔اور دو دو چار چار کر کے وہاں پہونچنے لگے ـــــــ چند ہی ماہ کے اندر حضرت ابو بصیر کے کیمپ میں رفیوجیوں کی اچھی خاصی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔جسے دیکھ کر ان کی مستانہ خرامی کہہ رہی تھی ؎

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

دنیا عالم اسباب ہے اور اسباب دنیا سے وابستگی انسانی فطرت ہے۔ اس بیابانی جماعت کے سامنے ضروریات زندگی کے سارے مسائل تھے۔ خوراک پوشاک، رہائش اور خانگی اشیاء، یہ ساری ضرورتیں تھیں اور اس کے کسب وحصول کے سارے دروازے قریش نے ان پر بند کر رکھے تھے۔ لہذا ایک ہی راستہ تھا کہ جب قریش کے تجارتی قافلے کا شام کے لیے اس راستے سے گذر ہو تو اس پر ہاتھ ڈالا جائے ــــــــ چنانچہ حضرت ابو بصیر کی قیادت میں تجارتی قافلے پر چھاپہ ماری کا آغاز ہوا۔ جس نے چند ہی ماہ میں قریش کو ناکوں چنا چبوا دیا۔ وہ بار بار کی لوٹ سے تنگ آ گئے اور اقتصادی بحران کے تصور سے گھبرا اٹھے۔

قریش نے صلح کی جس شرط کو لقمۂ تر جانا تھا وہ ان کی حلق کا کانٹا ثابت ہوئی ــــــــ وہ بیابانی جماعت کے پے بہ پے حملوں سے حواس باختہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنے سرداروں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنا نمائندہ بھیج کر پیغمبر اسلام سے معاہدہ کی پانچویں شرط منسوخ کرائیں۔ تاکہ ہماری راہ کی رکاوٹ دور ہو جائے۔ اور ہم اطمینان وسکون کے ساتھ تجارتی سفر کر سکیں ــــــــ دوسری طرف جنگل کے ان پناہ گزینوں کو اب کلی اطمنان حاصل تھا۔ ان کی کٹیا میں ضرورت کی ہر چیز مہیا تھی اور اپنے رب کے حضور سجود بندگی کے لیے وہ بالکل آزاد تھے۔

پیغمبر ــــــــ مسجد کے صحن میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص نے کسی نامہ بر کے آنے کی اطلاع پہونچائی۔ قاصد کو جب اذن حاضری ملا تو اس

نے سلام کے بعد قریش کا خط نکال کر دیا ـــــــــ لکھا تھا، عمائدین قریش کی طرف سے محمد بن عبداللہ کو سلام پہونچے۔ہم معاہدہ کی پانچویں شرط واپس لیتے ہیں اور آپ سے التماس کرتے ہیں کہ شامی شاہراہ پر جو مسلمان بھی جنگل میں پناہ گزیں ہیں آپ انہیں اپنے پاس بلا لیجئے۔مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے والے کسی بھی شخص سے آئندہ ہم کوئی تعرض نہ کریں گے۔

مژدۂ دلنواز : حضرت ابو بصیر ـــــــــ بستر علالت پر تھے اور پیارے رسول کا قاصد ان کے سرہانے کھڑا تھا۔ان کے ہاتھوں میں اللہ کے محبوب کا مبارک خط تھا اور ان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو چمک رہے تھے ـــــــــ خط میں لکھا تھا، ابو بصیر! مبارک ہو اللہ نے تمہارے لیے آسانی پیدا کر دی اور اب جدائی کے دن تم سے دور ہوئے۔تم اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ میرے پاس مدینہ آجاؤ۔

ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے ـــــــــ نامۂ مبارک کو چوما، آنکھوں سے لگایا اور تعویذ کی طرح سینے پر رکھا۔اس کے بعد اپنے مالک حقیقی سے جا ملے ـــــــــ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ـــــــــ گویا رب کے بلاوا سے پہلے ان کو اپنے رسول کے بلاوا کا انتظار تھا۔ابو بصیر! ـــــــــ اللہ تمہاری قبر کو نور سے بھر دے بخدا تم نے شکست سمجھی جانے والی صلح کو فتح ثابت کر دکھایا اور سورۂ فتح کی عملی تفسیر بن کر منصۂ شہود پر تم ہی جلوہ گر ہوئے۔دم واپسی ـــــــــ نامۂ رسول کو چوم کر دنیا کو تم نے یہ آشکارا کر دیا ؎

ہزار جان فدائے وے کہ من از شوق
بخاک وخون تپم وگوئی از برائے من است

قلعہ خیبر کی تسخیر : محرم ۷ھ ــــــ عبرانی زبان میں خیبر کے معنی قلعہ کے ہیں۔اس شہر میں متعدد قلعے تھے اس لیے خیبر کہلایا۔عرب میں یہودیوں کا یہی مرکز تھا۔اور مدینہ سے آٹھ منزل کی دوری تھی ــــــ مدینہ کے منافقین کی سازش سے خیبر کے یہودیوں نے مسلمانون پر حملے کا منصوبہ بنایا تھا۔انہوں نے اپنے پڑوسی ''قبیلہ بنوغطفان'' کو اپنے ساتھ ملالیا تھا اور بنوفزارہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے ــــــ یہ دونوں قبیلے بڑے جانباز اور لڑاکو تھے۔ یہود نے نخلستان خیبر کی پیداوار کا نصف حصہ ان دونوں کو بطور معاوضہ دینے کا معاہدہ کیا تھا۔

پیغمبر اسلام کو ــــــ جب یہ تشویشناک خبر موصول ہوئی تو آپ نے محکمۂ جاسوسی کے افسر ''عبداللہ بن رواحہ'' کو تحقیقات کے لیے خیبر روانہ کیا۔ انہوں نے خیبر پہونچ کر خود کو منافقین کے کیمپ کا ایک مخلص ممبر ظاہر کیا ــــــ اور یہود کے تمام سیاسی اڈوں پر گھوم کر ان کے پیٹ کی باتیں معلوم کرلیں ــــــ خاص سردار یہود کی زبانی پلان کی تفصیلات سے پوری طرح واقف ہو گئے ــــــ اور واپسی کے بعد پیغمبر کے حضور موصولہ اطلاعات کی تصدیق فرمادی۔

اب پیغمبر کے لیے جنگی اقدام ضروری تھا اور یہود کو مدینہ پر چڑھ آنے کا

موقع دینا کسی طرح موزوں نہ تھا۔تاریخ نگاروں نے جنگ خیبر کی دو خصوصیتیں ذکر کی ہیں ـــــــ (۱) قبل کی تمام جنگوں میں ہر شخص کو شریک جنگ ہونے کی اجازت ہوتی تھی عورتوں اور کم عمروں کے علاوہ کا استثنا نہ ہوتا مگر غزوۂ خیبر میں یہ اذن عام نہ تھا ـــــــ بلکہ یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ پیغمبر کے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالبان جہاد ہوں۔

(۲) اب سے پہلے ساری اسلامی جنگیں دفاعی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کی طرف سے اقدام ہوا تھا۔ اگرچہ اقدام جارحانہ نہ تھا۔ یہود کی شر انگیزیوں کی تفصیلی اطلاع کے بعد حفظ ما تقدم کے طور پر مسلمانوں کا یہ ایک مستحسن اور ضروری اقدام تھا۔

مورخین نے ـــــــ خیبر کے ضمن میں ایک اور خصوص کا ذکر کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ پہلا ہی اتفاق تھا کہ جھنڈیوں کی جگہ اس موقع پر میمنہ، میسرہ اور قلب کے لیے تین بڑے علم تیار کرائے گئے تھے ـــــــ ایک حضرت حباب بن منذر کو میمنہ کے لیے دوسرا سعد بن عبادہ کو میسرہ کے لیے اور تیسرا خاص علم نبوی حضرت اسد اللہ کو قلب کے لیے عطا ہوا تھا۔

خیبر میں ـــــــ چھ مضبوط جنگی قلعے تھے۔ ناعم، قموص، نطاۃ، قصارۃ، مربطہ اور رشق۔ ان چھ قلعوں میں بیس ہزار سپاہی ہمہ وقت موجود رہتے تھے ـــــــ نامور شہسوار مرحب، جو ہزار سواروں کے مقابل سمجھا جاتا تھا قلعہ قموص کا رئیس تھا۔ مدینہ کا جلاوطن، خاندان ابن ابی الحقیق یہیں رہتا تھا اور یہی

قلعہ سب سے مستحکم بھی گردانا جاتا تھا۔

اسلامی فوج ـــــــ سولہ سو افراد پر مشتمل جن میں دو سو سوار باقی سب پیادہ تھے۔خیبر کی فتح کے لیے محرم ۷ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئی۔ حضرت سباع بن عرفطہ غفاری کو مدینہ کا عارضی حاکم مقرر کر کے خود رسالت مآب نے فوج کی قیادت سنبھال لی ـــــــ بنو غطفان اور بنو فزارہ جیسے جنگجو قبیلوں کو چھوڑ کر صرف یہود کے جنگی جوانوں کی تعداد بیس ہزار تھی۔ان کے مقابلے پر مسلمانوں کی یہ تعداد کچھ نہ تھی۔ پھر وہ اپنے گھروں میں آسودہ حال تھے اور انہیں صحراؤں اور ریگستانوں سے گذر کر پہونچنا تھا۔علاوہ ازیں وہ زرہ، بکتر اور خود میں ڈوبے ہوئے تھے۔اور ان کے پاس آبدار تلواریں اور صحیح و سالم نیزے بھی میسر نہ تھے ـــــــ لیکن خدا پر تکیہ کرنے والے ان نیک نفس انسانوں کو نتائج جنگ کا کچھ خدشہ نہ تھا۔

مقام رجیع ـــــــ نبی کے حکم پر اسلامی فوج یہیں خیمہ زن ہوئی۔ یہ جگہ بنو غطفان اور خیبر کے درمیان واقع تھی۔ بنو غطفان یہود کے حلیف تھے اور نخلستان خیبر کی پیداوار کے حصہ دار بھی۔لہذا انہیں یہود کی طرف سے مدافعت پر آنا ہی تھا ـــــــ لیکن اسلامی فوج کے پڑاؤ نے ان کا راستہ مسدود کر دیا تھا۔ یہاں کے قیام میں پیغمبر کی حکمت بھی یہی تھی۔

بنو غطفان کو ـــــــ جب اسلامی افواج کی آمد کا علم ہوا تو وہ جنگی تیاری کے ساتھ باہر نکلے، مگر سامنے ہی انہیں فوجی چھاؤنی نظر آئی تو ان کے

ہوش ٹھکانے آگئے ـــــــ جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں تو اپنا ہی آشیانہ معرض خطر میں ہے تو یہود کی امداد کا سارا نشہ اتر گیا اور نخلستان خیبر کی پیداوار کا سرور بھی جاتا رہا۔

مقام صہبا ـــــــ رجیع اور خیبر کے درمیان واقع ہے۔ اسلامی فوج بار برداری کے اونٹ، خیمہ وخرگاہ اور دوسرے ساز وسامان کو چھوڑ کر رجیع سے خیبر روانہ ہوئی تو ان کی حفاظت کے لیے ایک فوجی دستہ وہاں چھوڑ گئی۔ جو بنو غطفان کا راستہ روکنے کے لیے کافی تھا۔

پیغمبر کی سواری جب صہبا میں پہونچی تو عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ آپ نے یہیں ٹھہر کر نماز عصر ادا فرمائی ـــــــ علی مرتضٰی کی نماز عصر کی خاطر حکم نبوی پر سورج کی واپسی کا مہتم بالشان واقعہ اسی جگہ پیش آیا ـــــــ تعجب ہے کہ علامہ شبلی نے اپنی کتاب ''سیرۃ النبی'' میں اسے حذف کر دیا ہے۔ لیکن حجۃ الاسلام سیدنا امام محمد الغزالی نے اپنی مقبول ترین تصنیف ''احیاء العلوم'' میں اسے نقل فرمایا ہے۔

اسلامی لشکر ـــــــ جب خیبر کی سرحد میں داخل ہوا تو رات ہو چکی تھی رسول اور فدایان رسول کی پوری رات مناجات ودعا میں گذری ـــــــ صبح ہوئی تو قلعہ ناعم پر حملہ کی تیاری شروع ہوئی۔ سالاری کا شرف حضرت محمود بن مسلمہ کو بخشا گیا ـــــــ حملے کی ابتدا قلعۂ ناعم سے کرنے میں رمز یہ تھا کہ اسلامی جاسوسوں نے رپورٹ دی تھی کہ بیس ہزار لشکریوں کی خوراک وہیں اکٹھا

کی گئی ہے۔اس لیے مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ خون خرابہ کے بغیر ہی صلح کا کوئی نہ کوئی حل ضرور نکل آئے گا مگر یہود شر پسند قوم تھی لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو گئی۔نتیجتاً قلعہ ناعم فتح ہو گیا۔البتہ سالار فوج دھوکے سے شہید کر ڈالے گئے۔یہ مسلمانوں کا نقصان عظیم تھا۔

دوسرا قلعہ بھی آسانی سے فتح ہو گیا ـــــــــ تیسرے نمبر پر قلعۂ قموص کی باری آئی۔یہاں پہونچ کر گاڑی رک گئی۔بیس دنوں کا عرصہ گذر گیا اور ہر روز کا حملہ ناکام ثابت ہوا ـــــــــ بڑے بڑے فوجی جرنیل بشمول صدیق اکبر و فاروق اعظم فن سپہ گری کے جوہر دکھا کر تھک گئے اور قلعہ فتح نہ ہو سکا ـــــــــ اس لئے نہیں کہ معاذ اللہ، امیر لشکر نے کم ہمتی دکھائی تھی جیسا کہ بعض روافض الزام عائد کرتے ہیں۔بلکہ اس بنا پر کہ کوئی حکمت کارگر نہ ہوتی تھی۔پتھر کے گولے برسانے والی مشین اور مسلسل تیروں کی بوچھار لشکر اسلام کو قلعہ کے قریب جانے ہی نہ دیتی تھی۔قلعہ کی بلند فصیل پر یہود کا حفاظتی دستہ بھی ہر وقت چوکس رہتا تھا۔

اسلامی سپاہ ـــــــــ لمبے محاصرہ سے تنگ آ کر کوفت محسوس کرنے لگی تھی اور مسلمان، خیبر کی مرطوب آب وہوا کے سبب تپ ولرزہ میں مبتلا ہوتے جا رہے تھے۔خود پیغمبر اسلام کی طبیعت بھی مضمحل ہو گئی تھی۔اس لئے فتح و شکست کا جلد سے جلد فیصلہ بالکل ناگریز ہو گیا تھا۔

ایک دن ـــــــــ غالباً فاروق اعظم کی ناکام واپسی کے بعد رسول خدا

نے بوقت شب اعلان فرمایا۔لوگو! کل میں اس شخص کے ہاتھ میں علم دونگا۔ جو اللہ اوراس کے رسول کومحبوب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ سے خیبر کی فتح ظاہر فرمائیگا۔ اس سعادت آگیں بشارت نے ہر دل کوآرزو بداماں کردیا ـــــــ جنہوں نے کبھی سرداری کی تمنا نہ کی تھی، آج ان کے دل میں بھی محبوبیت کا ایوارڈ حاصل کرنے کی خواہش انگڑائی لے رہی تھی۔

نماز فجراور دعائے صبح گاہی کے بعد ـــــــ اللہ کے رسول نے اہل محفل پرنگاہ ڈالی۔ آپ کی نظر کا تجسس کہہ رہا تھا کہ جس کی تلاش ہے وہ آج موجود نہیں ہے ـــــــ قدرے توقف کے بعد فرمایا، کیوں، علی کہیں نظر نہیں آتے۔ اس آواز نے سبھوں کو بتادیا کہ آج کس کا ستارۂ تقدیر ثریا کو چھو رہا ہے۔

یارسول اللہ! وہ تو آشوب چشم میں مبتلا ہیں ـــــــ لوگوں نے عرض کیا، ارشاد ہوا، وہ جس حال میں بھی ہوں، یہاں حاضر کیا جائے ـــــــ حکم رسالت پاکر نابینا کی طرح وہ ایک شخص کا ہاتھ تھامے ہوئے حاضر ہوئے۔ دیکھنے والوں کو حیرت ہوئی کہ یہ بھلا رزمگاہ کا رخ کیوں کرسکیں گے۔

اللہ کے رسول نے ـــــــ ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں اور ساری تکلیف آناً فاناً رفع ہوگئی ـــــــ وہ اب ایک مرد شجاع کی شکل میں کھڑے تھے اور بیماری کا ان پر کوئی اثر نہ تھا۔ سارے مجمع پر اس عجیب منظر نے سحر طاری کردیا تھا۔

اللہ کے رسول نے ـــــــ علم ان کے ہاتھوں میں دیکر فرمایا، علی!

جاؤ یہود کو اسلام کے آگے سرنگوں کردو اگر ایک شخص بھی تمھاری کاوش کی بدولت اسلام میں داخل ہو جائیگا تو تمہارے لئے وہ سرخ اونٹوں سے بڑھکر ہے۔ یہود ــــــ ایک ہٹ دھرم قوم تھی، اسلام سے سخت نفرین و بیزار اور مسلمانوں سے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ــــــ نہ اسے اصلاح قبول تھی نہ صلح منظور، تلقین و ہدایت کے سارے حربے بیکار گئے اور افہام و تفہیم کی تمام تدبیریں رائیگاں ــــــ مجبور ہو کر علی مرتضیٰ نے مقابلے پر انکو للکارا ــــــ مرحب، جو نامور بہادر اور رئیس قلعہ تھا۔ قلعہ سے نکل کر باہر آیا۔ اس نے میدان میں آتے ہی پکارا ــــــ او میرے مقابلے پر آنے والے سن لے میرا ہی نام مرحب ہے، جس کی شجاعت کا شہرہ چہار دانگ عالم میں ہے۔ اس کے سر پر زرد یمنی مغفر اور سنگی خود تھا۔

علی شیر خدا ــــــ ذوالفقار حیدری لے کر اس کے مد مقابل آئے۔ آپ کے فولادی جسم پر نہ زرہ تھی اور نہ سر پر خود، یہود ــــــ بند قلعہ کی فصیل سے، اور مسلمان کھلے میدان سے، دونوں کی جنگی مہارت کا نظارہ کر رہے تھے۔ اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ نتیجۂ جنگ سے دونوں ہی مطمئن تھے ــــــ یہود تو اس لیے کہ ان کا پہلوان ہزاروں پر بھاری گنا جانے والا آج عرب کے ایک تنہا جوان سے برسر پیکار تھا ــــــ اور مسلمان اس لیے کہ غیب داں نبی نے پہلے ہی فتح کی بشارت دے دی تھی۔

مرحب ــــــ بڑے طمطراق سے آگے بڑھا۔ اسے اپنی جنگی

مہارت پر غرہ تھا۔قوت بازو پر بھروسہ تھا۔اور اسے اپنی جمی جمائی دھاک پر کلی اعتماد تھا ـــــــــ وہ خدا کے شیر سے بہت دیر تک نبرد آزما رہا مگر اس کا ہر وار خالی گیا اور سارے پینترے بے سود ثابت ہوئے۔

شیر خدا نے ایک گرجدار آواز لگائی ـــــــــ مرحب! میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے۔میں نے کسی کی دعوت مبارزت کبھی رد نہیں کی ہے اور کوئی بھی میری تلوار کی زد سے بچ کر نہیں لوٹا ہے ـــــــــ اور آج تجھے بھی انشاء اللہ واپس جانا نصیب نہ ہوگا۔اس جملے کے ساتھ ہی ذوالفقار حیدری فضا میں لہرائی، چمکی، تڑپی اور برق کی طرح برسی۔

دیکھنے والے حیران و ششدر تھے ـــــــــ شمشیر خارا شگاف خود و مغفر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی تھی۔اور مرحب زمین پر گر کر جانکنی کے چنگل میں گرفتار تھا ـــــــــ مسلمانوں نے جوش مسرت سے نعرے لگائے اور یہودی ایوان میں زلزلے کے جھٹکے محسوس کئے گئے۔

علی مرتضیٰ ـــــــــ چند دلاوروں کو ساتھ لیکر برق رفتاری سے قلعہ کے پھاٹک تک پہونچ گئے۔حالانکہ قلعہ کی فصیل سے تیروں کی بارش میں کچھ کمی نہ تھی۔تیروں کا یہ مینہ سپر نہ روک سکی اور چند صحابہ شدید زخمی ہوئے مگر ان کے قدم قلعۂ قموص کے سنگی دروازے پر ہی آ کر رکے۔

یہ دروازہ ـــــــــ جو آج تک ''باب خیبر'' کے نام سے مشہور ہے۔اس قدر وزنی اور سرتاپا، پارۂ سنگ تھا کہ اس پر کوئی تدبیر کارگر ہو ہی

نہیں سکتی تھی۔ بھالے اور برچھے تو کیا کلہاڑے اور پھاؤڑے اس کا کچھ بگاڑ نہ سکتے تھے ـــــــ خدا کے شیر نے جب دیکھا کہ فتح کا یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل جانا چاہتا ہے۔ تو آپ نے پھاٹک کے دونوں قلابے کو ہاتھوں میں لیکر سینے کی طاقت سے جو جھٹکا دیا تو کرامتی طور پر دروازہ ہاتھوں میں آ گیا۔

یہ منظر اتنا عجیب تھا کہ یہودی لیڈروں کے حواس مختل ہو گئے اور ان کی دفاعی قوت سلب ہو کر رہ گئی ـــــــ دوسری طرف مسلمانوں میں زندگی کی نئی رمق پیدا ہوئی اور اسلامی افواج ریلے کے ساتھ قلعہ میں گھس پڑی ـــــــ ''نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن''، بس یہی حال یہودی سپاہ کا تھا وہ زیادہ دیر تک ہاتھ پیر مارنے کے قابل نہیں رہ گئی تھی۔ معمولی تصادم کے بعد سرِ نڈر کر گئی اور مسلمانوں کا قلعہ پر مکمل قبضہ ہو گیا۔

باب خیبر کے سلسلے میں ـــــــ ابن اسحٰق اور حاکم کی روایت یہ ہے کہ حضرت ابو رافع نے بعد میں ایک جماعت کو ساتھ لیکر اس دروازے کو جو ایک پتھریلی چٹان کی صورت میں پڑا تھا۔ اٹھانا چاہا تو وہ ہل بھی نہ سکا۔ ـــــــ چنانچہ بعضوں کے نزدیک حضرت علی کے ہاتھ پر یہ اسی قسم کی ایک غیبی قوت کا صدور تھا۔ جس طرح کتاب کا علم رکھنے والے ایک مردِ حق نے چشم زدن میں تختِ طاؤس کو دربار سلیمان میں حاضر کر دیا تھا۔

بہر حال ـــــــ اسے دبدبۂ شجاعت حیدری ہی کہیئے کہ باقی ماندہ قلعے بھی یہود نے از خود خالی کر دیئے ـــــــ اور کسی جنگ کے بغیر اس پر

اسلامی پھر یرا لہرانے لگا۔

گر تو بس، نائے دلاں، از جنگ ایں نفس کمی
ہمت در خواہ تو، از زور بازوئے علی

سرکار اصدق چشتی

حرم کعبہ کی تطہیر

رمضان المبارک ۸ھ ــــــــــ سوالا کھ ٹڈی دل رومیوں کے مقابلے پر تین ہزار مسلمان کس طرح ثابت قدم رہے دنیا حیرت زدہ ہے۔ رومیوں کی جتنی کثرت تھی ان کے مقتولین اسی قدر زیادہ ہیں، خیمے کے اندر کوئی کہہ رہا تھا تمہیں تعجب ہوتو ہو مجھے کچھ تعجب نہیں ہے ــــــــــ بدر سے لیکر خیبر تک میری آنکھوں نے ہمیشہ ہی یہ تماشا دیکھا ہے کسی دوسرے کی یہ آواز تھی ــــــــــ یار! تم نے تو سچ کہا مسلمان ظاہراً ہم سے برتر دیکھائی نہیں دیتے مگر میدان جنگ میں ان کی سج دھج جداگانہ نظر آتی ہے۔ یقیناً یہ دین اسلام ہی کی کرشمہ سازی ہے ــــــــــ کوئی اور بولا۔

تاریک رات کے گہرے سناٹے میں خیمے سے یہ آوازیں آرہی تھیں۔ یہ تھے بنوخزاعہ کے بوڑھے جو خیمہ کے اندر لیٹے لیٹے غزوہ موتہ پر تبصرہ کر رہے تھے۔ دوسری طرف سے عورتوں کی جھنکار اور کبھی کبھی بچوں کے رونے کی آواز مل رہی تھی۔ جوان بستر پر پڑے خراٹے بھر رہے تھے اور اونٹ باہر قطاروں میں کھڑے جگالی کر رہے تھے۔

دفعتاً گھوڑے کی ٹاپوں کی دھمک سنائی پڑی جو دم بدم خیمے سے قریب ہوتی جارہی تھی۔ بنوخزاعہ کے بوڑھے جو ابھی تک جاگ رہے تھے۔ کمبل پھینک کر باہر آئے اور تجسس بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے کچھ ہی

فاصلے پر انہیں چند سوار نظر آئے جن کی تلواریں اندھیرے میں چمک رہی تھیں ـــــــ بوڑھوں نے چاہا کہ پلٹ کر جوانوں کو جگا دیں مگر سوار پیکر اجل بن کر سر پر آپہونچے۔

تلواروں کی ٹکر سے چنگاریاں اڑ رہی تھیں اور خیمے سے آہ وفغاں کے شرارے بلند ہو رہے تھے۔ یہ تھے بنو بکر کے ستمگر ـــــــ جنہوں نے رات کی تاریکی میں قریش کی سازش سے بنو خزاعہ پر تاخت کیا تھا۔ بنو بکر کی بنو خزاعہ سے آبائی دشمنی چلی آتی تھی۔ حدیبیہ کے موقع پر صلح کی چھٹی شرط کے مطابق بنو بکر قریش کے ساتھ ہو گئے تھے اور بنو خزاعہ کا تازہ گناہ یہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔

قریش نے بنو بکر کو صرف ہتھیار ہی فراہم نہیں کئے بلکہ عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو وغیرہم رات کو بھیس بدل کر حملہ آوروں کے ساتھ تھے۔ بیچارے بنو خزاعہ اس متحدہ حملے کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے وہ بھاگے اور حرم جان کر خانہ کعبہ میں جا چھپے۔ مگر یہ خونخوار وہاں بھی پہونچ گئے۔ کچھ لوگوں کو کعبہ کے اندر قتل وقتال میں تامل ہوا تو ان کے سردار نوفل بن امیہ نے للکارا ـــــــ لوگو! یہ دن پھر لوٹ کر نہیں آئے گا۔ آج تو میں کعبہ کے خدا کو بھی نہیں پہچانتا۔ بنو خزاعہ نے جب دیکھا کہ یہاں بھی پناہ نہیں ہے تو بمشکل وہاں سے کچھ افراد نکلے اور چھپ چھپا کر اپنی جان بچائی ـــــــ

درندگی کے اس شرمناک داستان کے پیچھے خاندانی دشمنی کے ساتھ ساتھ اسلام

دشمنی کا جذبہ بھی کارفرما تھا۔

پیغمبر اسلام ـــــــــ نماز ظہر سے فارغ ہوکر مسجد کے اندر اصحاب کے درمیان تشریف فرما تھے ـــــــــ اور مدینہ کی گلی میں داخل ہوکر چالیس ناقہ سوار آپ کا پتہ پوچھ رہے تھے۔لوگوں نے ان سبھوں کو مسجد نبوی کی دہلیز تک پہونچایا۔سب کے سب سلام کر کے پیغمبر کے حضور نہایت مؤدب بیٹھے سرکار نے ان کی آمد کا سبب معلوم کیا تو بدیل بن ورقہ نے بنوبکر کے وحشیانہ سلوک اور اپنے قبیلہ کی تاراجی کا سارا دکھڑا کہہ سنایا ـــــــــ اس کے بعد عمرو بن سالم خزاعی نے بنوخزاعہ کے بے قصور مقتولین کا ایسا دردناک مرثیہ پڑھا کہ مجلس میں کہرام مچ گیا۔خود سرکار کی ریش مبارک آنسوں سے تر ہو گئی۔ پھر سب کے سب ہاتھ اٹھا کر فریاد فریاد کے نعرے بلند کئے۔

ہر طرف سے ـــــــــ انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔جگر سوز مرثیہ سن کر صحابہ میں ضبط کی تاب باقی نہ رہی تھی ۔ وہ خون کا بدلہ خون اور اینٹ کا جواب پتھر والے جذبات کا مظاہرہ کر رہے تھے ـــــــــ حضور نے بھی ارکان وفد کو دلاسا دیا اور نہایت سنجیدگی کے ساتھ فرمایا ـــــــــ گھبراؤ نہیں مظلوموں کی دادرسی تو ہمارا نصب العین ہے۔تم ہمارے حلیف ہو،عہد توڑنے والوں کو آزاد ہرگز نہیں چھوڑا جائے گا۔

ایک شخص ـــــــــ تیز اونٹنی پر سوار صحرائے مکہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ یہ رسول اللہ کا قاصد تھا۔قریش کے نام آپ کا پیغام لے کر جا رہا تھا۔

______ وہ شبانہ روز چلتا ہوا بہت کم دنوں میں مکہ جا پہونچا جوانان قریش دارالندوہ کے قریب بیٹھے بنوخزاعہ کی بربادی پر آوازہ کس رہے تھے۔

بنوخزاعہ ______ اگر مسلمانوں کے حلیف نہ بنے ہوتے تو انہیں یہ بُرا دن کیوں دیکھنا پڑتا ______ صفوان نے کہا اب دیکھنا ہے کہ تین سومیل کی دوری سے مسلمان ان کی کیا مدد کرتے ہیں ______ عکرمہ بن ابی جہل بڑبڑایا۔ وہ تو مدد لینا جانتے ہیں مدد دینا کیا جانیں۔ عتاب بن اسید نے بکواس کی۔

اچانک ایک سانڈنی سوار سامنے سے آتا دکھائی دیا ______ سب ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئے اور آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے ______ یہ اجنبی سوار مدینہ سے ہمیں الٹی میٹم دینے تو نہیں آرہا ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ہمیں بہت سمجھ بوجھ کر اسے کوئی جواب دینا ہوگا ______ کچھ نہیں، اسے ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے گا۔ ایک مغرور نخوت بھری آواز سے گرجا۔

سوار اب بہت قریب آچکا تھا وہ پاس آتے ہی بولا ______ مجھے رؤسائے قریش سے ملنا ہے اور انہیں پیغمبر اسلام محمد ہاشمی کا پیغام پہونچانا ہے ______ یہاں پر سب ہی رئیس قریش بیٹھے ہیں۔ بتاؤ تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ یہ تلخ گفتگو فرعون ثانی کے فرزند عکرمہ بن ابی جہل نے کی۔ قاصد نے خط بڑھا دیا اور جواب کا انتظار کرنے لگا ______ لکھا تھا۔

"اے قوم قریش! بنوخزاعہ میرے حلیف ہیں۔ بنوبکر کا ان پر جارحانہ حملہ اور تمہاری اس میں شرکت معاہدہ کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے۔ اب

تمہارے لیے صرف تین صورتیں ہیں جو چاہو اپنے لیے پسند کرلو۔

(۱) بنوخزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

(۲) قریش بنوبکر کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں۔

(۳) اعلان کردو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

جذباتی باپ کے جلد باز بیٹے نے کھڑے ہو کر اعلان کر دیا ــــــ ہمیں تیسری صورت منظور ہے۔ہم حدیبیہ کا معاہدہ منسوخ کرتے ہیں۔قاصد ــــــ یہ غیر دانشمندانہ جواب سن کر صدائے بازگشت کی طرح پلٹ پڑا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر یہ لوگ سیاسی شعور رکھتے تو جواب میں جلدی نہ کرتے۔کیا اب تک ان کو معلوم نہیں کہ مسلمان قریش پر غالب آنے کی قوت پیدا کر چکے ہیں۔ ع

چرا کارے کند عاقل، کہ باز آید پشیمانی

ابوسفیان ــــــ سن رسیدہ اور تجربہ کار تھا۔مسلمانوں کی قوت اور ان کے پھیلتے ہوئے اثرات کا اسے علم تھا۔مدینہ سے قاصد کی آمد ــــــ اور قریشی جوانوں کی طرف سے تنسیخ معاہدہ کا جواب لیکر واپس چلے جانے کی خبر پا کر تلملا اٹھا۔

پہلے تو اس نے عکرمہ کو ڈانٹ پلائی ــــــ عکرمہ! تمہارے باپ پر بھی جوش غالب تھا۔جس نے اسے بدر کے بُرے دن دکھائے۔سلطنت روما سے ٹکرا جانے والی قوم، کیا اب بھی تمہارے سامنے نیازمندانہ ہی حاضر ہو گی تم

نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ معاہدہ کی منسوخی مکہ کی بربادی کا باعث بھی بن سکتی ہے۔

قاصد رسول ـــــــ اب مدینہ کی آبادی میں داخل ہو کر مشتاق نگاہوں کے محاصرے میں تھا وہ یکسوئی کے ساتھ اونٹنی کی مہار تھامے آگے بڑھتا ہی رہا۔ مسجد کے قریب آ کر رکا اور خدمت کی زمین چوم کر قریش کا نخوت سے بھرپور جواب کہہ سنایا ـــــــ جبین اقدس پر جلال نبوت کی سرخی ابھری مگر سپیدہ سحر کی طرح جلد ہی غائب ہو گئی بڑے تحمل سے فرمایا ـــــــ لوگو! قریش کا ستارا اب غروب ہوا چاہتا ہے۔ شاید اسی لیے انجام سے بے خبر ہو کر انہوں نے یہ جواب دیا ہے۔

ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ـــــــ ایک بھاری بھرکم گداز بدن شخص اونٹنی پر سوار مدینہ کے بالائی حصہ سے شہر میں داخل ہوا۔ انصار اسے گھور گھور کر دیکھتے اور پہچان نہ پاتے تھے۔ ہاں مہاجرین نے سامنے آتے ہی پہچان لیا یہ ان کے آبائی وطن مکہ کا سردار ـــــــ ابوسفیان تھا۔

مشہور مؤرخ ـــــــ ورژیل جارج نے لکھا ہے کہ ابوصفیان مکہ سے اکیلا چلا اور اکیلا ہی مدینہ کی سرحد میں داخل ہوا۔ باوجود کہ وہ قریشی فوج کا کمانڈر تھا مگر اس کے ساتھ کوئی محافظ دستہ نہ تھا۔ اس لیے کہ مسلمانوں سے کسی بدسلوکی کا اسے کوئی خطرہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں پیغمبر اسلام کی شرافت اور نیک نفسی پر اسے پورا اعتماد تھا ـــــــ وہ خائف تھا تو صرف اس بات سے کہ میری کوششیں رائیگاں نہ چلی جائیں اور معاہدہ کی بحالی میں مجھے ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑے۔

صدیق اکبر، فاروق اعظم اور علی مرتضیٰ سے وہ فرداً فرداً ملا۔حتیٰ کہ اپنی بیٹی حضرت ام حبیبہ کے پاس بھی گیا کہ پیغمبر اسلام سے سفارش کر کے معاہدہ بحال کرا دیں ـــــــ مگر کسی نے بھی حامی نہ بھری۔آخر وہ مجبور ہو کر اکیلے ہی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔گذشتہ واقعات کی معذرت چاہتے ہوئے تجدید معاہدہ کیلئے درخواست کی اور جوانان قریش کی طرف سے دیئے گئے جواب پر اپنی بیزاری کا برملا اظہار کیا۔

لیکن ـــــــ بنوخزاعہ کا خون اتنا سستا نہ تھا کہ یہ حیلے قریش کو چھٹکارا دلا دیتے اور ان کی انا اتنی ہلکی نہ تھی کہ اس قدر آسانی سے وہ بری الذمہ قرار پا جاتے۔عزت پناہ کی طرف سے جب کوئی تشفی بخش جواب نہ ملا تو ابوسفیان نے کھڑے ہو کر معاہدہ کی بحالی کا ایک طرفہ اعلان کر دیا اور اونٹنی پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چل پڑا ـــــــ لیکن زندگی میں پہلی بار وہ اتنا نروس تھا کہ خشک زمین بھی اسے دلدل محسوس ہو رہی تھی۔

ابوسفیان کی واپسی کے بعد ـــــــ شہر کا بیرونی رابطہ منقطع کر دیا گیا۔اب نہ کوئی مسافر مدینہ میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ مدینہ سے نکل سکتا تھا۔پورے شہر کی ناکہ بندی تھی اور پہرداروں کی چوکیاں جابجا مقرر کر دی گئیں تھیں۔وہی بیرونی اسباب لاتے اور لے جاتے تھے۔

پیغمبر کے حکم سے ـــــــ اہل مدینہ بلکہ گرد و نواح کے قبائل بھی جنگی تیاریوں میں مصروف تھے مگر خواص کو بھی پتہ نہ تھا کہ پیغمبر لشکر اسلام کو ساتھ

لے کر کدھر کا رخ کریں گے ـــــــ کوئی کہتا، رومیوں سے غزوۂ موتہ کا بدلہ لینے کے لیے یہ تیاریاں ہو رہی ہیں ـــــــ کسی کا خیال تھا کہ بنوسلیم اور بنوبکر کی خبر لی جائے گی اور کچھ لوگوں کا گمان تھا کہ نشانے پر پہلے مکہ ہی آئے گا ـــــــ یہ سب قیاسی باتیں تھیں۔ تحقیقی علم کسی کو نہ تھا۔

ایک غیبی اطلاع: اللہ کے رسول ـــــــ ایک دن حجرۂ عائشہ سے برآمد ہوئے تو پیشانی پر ناگواری کے آثار ظاہر تھے ارشاد فرمایا ـــــــ علی اور چچا عباس تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً مکہ کی طرف روانہ ہو جائیں۔ انہیں سارہ نامی عورت جو صیفی بن عمرو کی کنیز ہے مکہ جاتے ہوئے روضۂ خاخ پر ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے جس میں قریش کو ہماری خفیہ جنگی تیاریوں کی اطلاع دی گئی ہے عورت کو خط کے ساتھ حاضر کیا جائے۔

عباس و علی کے گھوڑے ہوا کے دوش پر دوڑ رہے تھے ـــــــ ٹھیک روضۂ خاخ پر عورت کو پا لیا گیا۔ جو مکہ کے رخ پر اونٹنی کو سرپٹ دوڑائے جا رہی تھی ـــــــ علی مرتضیٰ نے فرمایا، اے عورت! وہ خط جو تو لیکر مکہ جا رہی ہے۔ میرے حوالے کر۔ عورت نے حیلہ سازی سے کام لینا چاہا ـــــــ علی مرتضیٰ نے پرغضب لہجے میں فرمایا، خبردار! جو تو لیت ولعل سے کام لینے کی کوشش کی۔ اللہ کے رسول کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ اگر تو خط کی پیشی میں تاخیر کرے گی تو میں تجھے برہنہ کر ڈالوں گا۔

عورت نے ـــــــ سراسیمگی کے عالم میں جوڑے سے خط نکال کر

حضرت علی کے حوالے کر دیا ـــــــ لکھا تھا اے قریش! وہ دن دور نہیں جب اہل مکہ مسلمانوں کا وہ لشکر عظیم دیکھیں گے، جوان کے وہم و گمان سے بھی بالا تر ہوگا۔ تمہیں چاہیئے کہ برا دن دیکھنے سے پہلے اپنی بہتری کی راہ تلاش کرلو ـــــــ حاطب بن ابی بلتعہ۔

آج پیغمبر کی عدالت میں ـــــــ صیفی بن عمرو کی کنیز "سارہ" سہمی ہوئی کھڑی تھی۔ یہ وہ مجرمہ تھی جو افشائے راز کا خط لے کر چوری سے مکہ جارہی تھی ـــــــ دوسری طرف حاطب بن ابی بلتعہ سر جھکائے کھڑے تھے۔ ندامت سے ان کی پیشانی عرق آلود تھی ـــــــ یہ وہ مجرم تھے جنہوں نے پیغبر کے راز سر بستہ پر قریش کو مطلع کرنا چاہا تھا۔ سامنے علی مرتضیٰ کھڑے ہو کر سارہ کی گرفتاری کا بیان دے رہے تھے ـــــــ شمالاً اور جنوباً انصار و مہاجرین صفوں میں بٹ کر کھڑے تھے۔

رسول خدا نے دریافت فرمایا ـــــــ سارہ! تیرے آقا کو تیرے سفر کا حال معلوم تھا۔ اس نے جواب دیا نہیں۔ آپ نے سوال کیا ـــــــ کیا تجھے خط کے مضمون کی اطلاع تھی۔ نظر نیچے کیے ہوئے بولی ـــــــ یا رسول اللہ مجھے خط کا مضمون ہرگز معلوم نہ تھا۔

سرکار دوعالم نے دریافت کیا ـــــــ حاطب! یہ اونٹنی جس پر سارہ سوار ہو کر جارہی تھی، تمہاری ہے، عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! ـــــــ آپ نے پوچھا قریش کے نام یہ سربمہر مکتوب تمہارا ہی ہے۔ انہوں نے بڑی سچائی

سے عرض کیا ہاں، یارسول اللہ! مگر اس جواب کے ساتھ ہی ان کی آنکھون میں معذرت کے آنسو تیر نے لگے۔

عمر فاروق ـــــــــ جو پیغمبر کے پہلو میں کھڑے تھے، غصہ سے پیچ و تاب کھا کر بول پڑے یارسول اللہ! حکم ہو تو اس کی گردن اڑا دوں ـــــــــ سرکار نے ان کی طرف نظر کر کے فرمایا ـــــــــ عمر! اللہ تعالیٰ نے بدریوں کے لیے اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ تم یہ کیوں بھول گئے ہو کہ حاطب بھی اصحاب بدر میں ہے۔ اس کے بعد حضور ان کی طرف متوجہ ہوئے ـــــــــ حاطب! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اس راز داری کے پیچھے کتنے اہم دینی مقاصد پوشیدہ ہیں۔ پھر تم نے میرے راز کو فاش کرنے کی کیسے جرأت کر لی۔ میدان بدر میں جس دین کے لیے تم نے اپنے سر کا سودا کیا تھا۔ کیا اس دین کے فروغ سے اب تمہاری دلچسپی نہیں رہی۔

اس شیریں اور نرم بول میں ـــــــــ حضرت حاطب کے ساتھ ساتھ، اہل مجلس نے بھی عفو و کرم کی بھینی بھینی خوشبو محسوس کی ـــــــــ حضرت حاطب بدری کی آنکھوں کا بندھ ٹوٹ گیا اور اشک کا سیل رواں داڑھی کے پر نالوں سے گذر کر کشت زار دامن کو سیراب کرنے لگا ـــــــــ وہ تیز ہچکیوں کے ساتھ کہہ رہے تھے۔ اللہ کے رسول! غلام کے دل میں ایمان کی حلاوت پہلے سے زیادہ ہے۔ اسلام کی راہ میں آج بھی اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا۔ میرے آقا! بات صرف اتنی سی ہے کہ مہاجرین میں سے جن کے اہل و

عیال مکہ میں رہ گئے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی قریبی عزیز وہاں موجود ہے مگر میرے بال وبچوں کا کوئی پرسان حال نہیں۔ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا کہ وہ اس احسان کے صلے میں میرے بچوں کومشق ستم نہ بنائیں۔

سرکار! منشائے نبوت کے خلاف مجھ سے یہ فعل سرزد ضرور ہوا۔ مگر میں نے قریش کے دل میں اسلامی لشکر کی عظمت بٹھا کر اشارات میں انکو اسلام کی ترغیب دینے کی ایک کوشش کی تھی ـــــــ اب میں حضور کی تجویز کردہ ہر سزا کے لیے حاضر ہوں۔

جواب میں ـــــــ کوثر وسلسبیل میں دھلے ہوئے رحمت کے دو بول، زبان نبوت سے ادا ہوئے ـــــــ حاطب! اللہ کے رسول نے تجھے معاف کر دیا ـــــــ ہر طرف مرحبا مرحبا کی صدائے دلنواز گونجی۔ حضرت حاطب بدری کی روح کا قرار کہہ رہا تھا۔ اعلیٰ حضرت کی زبان میں ؎

ڈر تھا کہ عصیاں کی سزا، اب ہوگی یا روز جزا

دی ان کی رحمت نے صدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

مدینہ میں اسلامی افواج کا اجتماع: ۱۰ ررمضان المبارک ۸ ھ کی صبح بھی کتنی کیف آور رہی ہوگی ـــــــ جب اسلامی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہو رہا تھا۔ دو ۲ روز قبل ہی سے مختلف قبائل کے وفود مدینہ پہونچنے لگے تھے۔ لیکن دامن طیبہ میں آباد قبیلے صبح کے اجالے میں آج ہی اپنے گاؤں سے نکلے تھے اور طلوع آفتاب سے پہلے مدینہ کی گلیوں میں داخل ہو رہے تھے ـــــــ

مسجد نبوی میں آج نماز فجر کے وقت تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔لوگوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری تھا اور اسلامی فرزندوں میں غیر معمولی جوش وخروش پایا جارہا تھا۔

دیکھتے ہی دیکھتے دس ہزار کا لشکر جرار جمع ہوگیا۔جو آلات حرب وضرب سے لیس تھا۔ پہلا فوجی دستہ تہائی دن گذرنے کے بعد مکہ کی سمت روانہ ہوا۔دس ہزار فوج چونکہ دستوں میں تقسیم ہوکر مارچ کررہی تھی اس لیے ظہر تک دوحصہ فوج مدینہ چھوڑ چکی تھی ______ لیکن سب سے آخری کمک مسجد نبوی میں نماز عصر پڑھکر روانہ ہوئی۔مدینہ کی آبادی سے قبا کی سرحد تک اسلامی فوج پھیلی ہوئی تھی۔اب سے پہلے کسی محاذ پر مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت نہیں دیکھی گئی تھی۔قریب و پاس کے لوگ خدائے واحد کے پرستاروں کا جب یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دیکھتے تو سہم جاتے اور غیر شعوری طور پر اسلام کی عظمت کے آگے ان کے دل جھک جاتے۔

آج ______ فوج کی روانگی کا دوسرا دن تھا،مدینہ کی گلیاں سنسان پڑی تھیں۔عورتیں بچے اور چند بوڑھے رہ گئے تھے۔پاسبانوں کی ٹیم جو شہر کی حفاظت پر مامور تھی،سڑکوں پر گشت کررہی تھی۔عبداللہ بن ام مکتوم عارضی گورنر کی حیثیت سے مدینہ میں موجود تھے۔

ابوسفیان کی واپسی کے بعد ______ اہل مکہ کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں۔وہ ہر آن خطرے کا احساس کررہے تھے۔انہوں نے جاسوسی کا عمدہ انتظام کیا تھا اور مختلف راستوں پر اپنے آدمی بیٹھا رکھے تھے ______ مگر

اسلامی افواج پیچ در پیچ راستوں سے گذرتی ہوئی مقام ''ابواء'' تک جا پہونچی اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی ـــــــ یہ پیغمبر اسلام کے حسن قیادت کا پہلا نمونہ تھا۔آپ کے حکم سے فوج نے یہیں پڑاؤ کیا۔

دو شخص ـــــــ فوجی چھاؤنی میں داخل ہوئے۔وہ مہاجرین کیمپ کو تلاش کر رہے تھے۔انٹلی جنس کے ماہرین نے ان پر شبہ ظاہر کئے بغیر مہاجرین تک انہیں پہونچا دیا ـــــــ دونوں کے ملاپ نے ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں کی آشنائی پہلے سے ہے۔دونوں مہاجرین کے توسط سے بارگاہ عالم پناہ میں باریابی کے طالب ہوئے ـــــــ حضور نے ناموں کی تفصیل جاننے کے بعد فرمایا ـــــــ ان سے کہہ دو واپس جائیں، مجھے آج ان کی غمگساری کی ضرورت نہیں۔

رحمت بر دوش پیغمبر کا ـــــــ ملنے سے صاف انکار، ایک زبردست دھماکہ تھا جس نے کانوں کو ناکارہ بنا دیا۔دونوں عالم تحیر میں دیر تک بت بنے کھڑے رہے ـــــــ ان کی رگوں کا خون خشک ہو رہا تھا۔آنکھیں پلکوں کی اوٹ میں ڈوب رہی تھیں اور زمین تلووں کو چھوڑ رہی تھی ـــــــ دونوں ڈرتے ڈرتے خیمے کے قریب آئے اور دروازہ کے باہر سے پکار کر کہا ـــــــ تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخَاطِئِيْنَ (سورہ یوسف) قسم پروردگار کی، اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی، اور بے شک ہم ہی خطاکار تھے۔یا رسول اللہ! ـــــــ آج آپ یوسف کی جگہ ہیں اور ہم

برادران یوسف کی طرح ـــــــ مجرم وعصیاں شعار، ان میں سے ایک ـــــــ ابوسفیان بن حارث تھے۔حضور کے چچازاد اور رضائی بھائی ـــــــ دوسرے عبداللہ بن ابی امیہ تھے۔آپ کے پھوپھی زاد اور حضرت ام سلمیٰ کے سوتیلے بھائی ـــــــ ان دونوں نے قریبی رشتہ دار ہوتے ہوئے بھی دشمنی کا ایسا ریکارڈ قائم کیا تھا کہ انسانیت کو آج بھی اس کے تصور سے پسینہ آجاتا ہے مگر ہم قربان ان کی شان رحمۃ للعالمین کے ـــــــ دونوں کی پکار پر باہر تشریف لائے اور فرمایا **يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ** (سورہ یوسف) خدا تمہیں معاف کردے اور وہی سب سے بڑھ کر معافی دینے والا ہے ـــــــ اسی وقت دونوں نے صدق دل سے اسلام قبول کیا وہ اب میزاب رحمت کے نیچے کھڑے تھے اور ان کے شکریہ کی زبان کہہ رہی تھی ؎

یارب! تو کریمی ، و رسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

اسلامی لشکر کا آخری قیام: آج ـــــــ مرالظہر ان کے وسیع صحرا میں دنیا کی وہ مقدس ترین فوج اتر پڑی تھی، جس کا قائد خدا کا طیب وطاہر رسول تھا ـــــــ اس فوج کا ایک ایک سپاہی خدائے واحد کے آگے جھک کر زمانے کو اس کی دہلیز پر جھکا دینا چاہتا تھا۔دس ہزار فوج دستوں میں بٹی ہوئی تھی اور ہر دستے کا ایسا امیر منتخب کیا گیا تھا جس کی پارسائی ثریّا کی

بلندی کو چھو رہی تھی۔

امیران فوج کو ہدایت دی گئی تھی کہ ـــــــ وہ اپنے اپنے دستوں کے کیمپ الگ الگ نصب کرائیں اور تاکید کی گئی تھی کہ ـــــــ تمام سپاہی اپنی اپنی ضرورتوں کے لیے آگ علیحدہ علیحدہ روشن کریں۔ میلوں میں پھیلی ہوئی فوج کے ہزاروں چولہے سے لق و دق صحرا روشنی کا شہر معلوم ہو رہا تھا دور سے دیکھنے والے روشنی کا سبب معلوم کرنے سے عاجز تھے۔

ارے یار! یہ سامنے روشنی کا مینار کیسا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ میلوں میں پھیلی ہوئی شہری آبادی ہے ـــــــ کسی نے سرگوشی کے لہجے میں کہا" ہاں بھئی! دیکھ تو رہا ہوں۔ آج سے پہلے تو یہ محض ایک ویرانہ ہی تھا۔

کہیں، بنوخزاعہ نے تو اپنے آدمیوں کو نہیں جمع کر رکھا ہے ـــــــ پہلے شخص نے تشویش ظاہر کی، ہرگز نہیں، وہ اتنی بڑی جمعیت کہاں سے اکٹھی کر پائیں گے۔ ـــــــ دوسرے نے اس خیال کی تردید کر دی، ہماری نگاہوں کو دھوکا تو ہو نہیں سکتا ـــــــ آخر یہ ہیں کون لوگ؟

اس استفسار کا جواب ابھی باقی تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی پڑی۔ دونوں ٹھٹھک گئے اور خوفزدہ ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگے ـــــــ ایک بلند قامت اور بارعب شخص، ان دونوں کی طرف دبے پاؤں بڑھ رہا تھا۔

ہلکی چاندنی میں دونوں نے اسے دیکھ تو لیا مگر پہچان نہ سکے اور گھبرا کر پیچھے ہٹے ـــــــ آنے والے نے بلند آواز میں کہا، کون ابوسفیان؟ اور وہ

ـــــــــــ حکیم بن حزام؟ تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟ ـــــــــــ یہ تھے حضرت عباس بن عبدالمطلب جو رات میں گھوم کر بہت دور سے فوجی چھاؤنی کی نگرانی کر رہے تھے اور ان دونوں کی چہ می گوئیاں سن کر خاموشی سے قریب جا پہونچے تھے۔

ابوسفیان کی ـــــــــــ حضرت عباس سے پرانی دوستی چلی آتی تھی ـــــــــــ اس نے دوست ہی سمجھ کر بڑی صفائی سے کہا، بھائی! مسلمانوں کے چڑھ آنے کا خطرہ تو ہمیں لاحق تھا ہی تحقیق و جستجو کے خیال سے آج ادھر نکل آئے تھے۔ اب تم اپنی کہو تمہارا ادھر آنا کیسے ہوا ـــــــــــ ؟ میں ـــــــــــ اسلامی لشکر کا ایک سپاہی ہوں۔ فوج کیمپ کی نگرانی پر مامور کیا گیا ہوں۔ وہ دیکھو سامنے ـــــــــــ مسلمانوں کی ناقابل تسخیر طاقت حضرت عباس نے دل ہلا دینے والا جواب دیا۔

ہم دونوں کے درمیان اب اسلام و کفر کی فصیل کھڑی ہے پھر بھی مجھے تم سے نیک مشورہ کی امید ہے ـــــــــــ ابوسفیان کی گفتگو سے بیچارگی ظاہر تھی ـــــــــــ میرے نزدیک، اب تمہارے بچاؤ کی بس ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ اسلام لانے میں سبقت کرو حضرت عباس نے نیک مشورہ دیتے ہوئے فرمایا ـــــــــــ مجھے یقین ہے کہ اللہ کے رسول، تمہارے حق میں میری سفارش قبول فرمالیں گے۔ حضرت عباس نے ڈھارس بندھائی۔

تعصب کی عینک ـــــــــــ بصیرت کی نگاہوں کے لیے ہمیشہ پردہ بنی

رہی تھی۔ اسلام کی صداقت پر غور کرنے کا اسے اب تک موقع ہی نہ مل سکا تھا۔ حضرت عباس کے مشورے نے اسے گہری سوچ میں ڈال دیا ــــــــــ لیکن چونکہ اب کوئی راستہ ہی نہ تھا اس لیے حضرت عباس کی معیت میں حضور کے آستاں تک جانے پر وہ آمادہ ہوگیا۔

نیم شب کے بعد ــــــــــ تین آدمیوں کی ایک ٹولی، فوجی خیموں کے قریب سے دامن کشاں کشاں گذر رہی تھی ہر کیمپ سے فوجی طریق پر کون کون، کی آوازیں آ رہی تھیں اور حضرت عباس کے جواب پر راستہ ملتا جا رہا تھا ــــــــــ عمر فاروق جو حفاظتی دستہ کے افسر تھے، ان تینوں کے قریب سے گذرے اور ابوسفیان کو پہچان کر زور سے گرجے، او دشمن خدا! تو یہاں کہاں؟ حضرت عباس نے ان کا راستہ روک کر کہا ــــــــــ عمر! ابوسفیان میری امان میں ہے، میں اسے رسول خدا کے پاس لے جا رہا ہوں۔ حضرت عمر، لپک کر آگے ہوئے تا کہ رسول اللہ سے عرض کریں کہ ابوسفیان جیسے شقی کو معاف نہ کریں۔ وہ نا قابل تلافی جرائم کا مرتکب ہے۔ لیکن رحمت کا وہ بحر نا پیدا کنار ــــــــــ جس کی وسعتوں کو آج تک معلوم نہ کیا جا سکا اور جس کی پنہائیوں تک کوئی تیراک نہ پہونچ سکا حضرت فاروق سے اس کا چشمۂ سیال کیسے تھم جاتا۔

ابوسفیان ــــــــــ کیا اب بھی خدائے واحد لاشریک پر ایمان لانے کا وقت نہیں آیا۔ پیغمبر نے نرم لہجے میں کہا کوئی اور خدا ہوتا تو وہ آج ہماری مدد ضرور کرتا ــــــــــ ابوسفیان نے مایوسی کے ساتھ جواب دیا

______ میرا ماضی، حال اور مستقبل تمہارے سامنے ہے کیا اب بھی تم کو میری نبوت میں شبہ ہے؟ ______ رسول اللہ نے لطیف پیرایہ میں کہا۔

ہمیں سوچنے اور سمجھنے کے لیے مہلت دی جائے ______ ابوسفیان، جوحضرت عباس کے پہلو میں کھڑا تھا۔ کفر اسلام کی کشمکش میں مبتلا ہوکر بولا ______ اس مختصر گفتگو کے بعد ابوسفیان اور حکیم بن حزام دونوں حضرت عباس کی نگرانی میں دے دئے گئے، یہ نگرانی ایک لطیف حراست تھی جسے وہ محسوس نہ کرسکے۔

خیمے میں واپسی کے بعد ______ حضرت عباس نے اسے ڈانٹ پلائی کہ اب تک تیرا نشہ ہرن نہیں ہوا ہے۔ بارگاہ نبوت میں پہونچکر تو نے قیل وقال کیوں کیا۔ قبول اسلام کے بغیر اب تم لوگوں کی جان بخشی ممکن نہیں ہے اگر میں آڑے نہ آتا تو رات ہی عمر نے تمہارا کام تمام کردیا ہوتا ______ ابوسفیان نے منت سماجت کر کے حضرت عباس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

آج ______ رمضان المبارک کی بیسویں تاریخ تھی۔ افق مشرق پر صبح کا اُجالا پھیلا تو بلبل صحرا نے توحید کا نغمہ سنایا اور آہوان دشت نے وحدت کے گیت گائے ______ مؤذن رسول اٹھ بیٹھے اور ایک اونچی چٹان پر کھڑے ہوکر انہوں نے بھی خدا کی کبریائی کا غلغلہ بلند کیا ______ پہلی بار مکہ کی وادیاں توحید کے ترانوں سے گونج اٹھی تھیں اور دس ہزار پرستاران حق اس دھرتی پر سجدہ ریز تھے۔

آفتاب ـــــــــ دھیرے دھیرے نقاب الٹ رہا تھا اور فوج اسلام جلدی جلدی آلات حرب زیب تن کر رہی تھی۔ حضرت عباس ـــــــــ حضور کا اشارہ پا کر فوج کی گذرگاہ سے قریب ایک ٹیلے پر دونوں قریشی کو لے کر کھڑے ہو گئے ـــــــــ اس کے بعد انوکھی شان سے فوجی دستے قطاروں میں روانہ ہوئے۔

تمام قبیلے، اپنے اپنے امیر کے ماتحت سلسلے وار کوچ کر رہے تھے ـــــــــ آگے تھا، قبیلہ بنوغفار، پشت پر تھا جہنیہ اس کے پیچھے ہذیم، ان کے بعد سلیم، پھر انصاری دستے نظر آئے ـــــــــ جن کے سالار حضرت سعد بن عبادہ انصاری تھے اور آخر میں مہاجر دستہ کا علم لہراتے ہوئے علی مرتضیٰ ظاہر ہوئے ـــــــــ سب کے بعد بساط زمین پر نور بکھیرتا ہوا عشرہ مبشرہ کی جھرمٹ میں کوکبۂ نبوی نمودار ہوا۔ علم خاص، حضرت زبیر بن عوام کے ہاتھوں میں تھا۔

ابوسفیان ـــــــــ جو حضرت عباس کے ساتھ ایک ٹیلے پر کھڑا تھا۔ سامنے سے گذرنے والے ہر دستہ کے امیر کا نام اور قبیلہ کی تفصیل معلوم کرتا اور حیرت سے سر دُھنتا تھا ـــــــــ جب حضور کی سواری سامنے آئی تو شعاع نبوت سے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں، پکار کر کہا ـــــــــ حضور! آج سے میں بھی آپ کے حلقۂ احباب میں داخل ہوتا ہوں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ حضرت عباس کا مدعا پورا ہوا۔ اور سلامتی حضرت ابوسفیان کے حصے میں آئی ـــــــــ ساتھ ساتھ حکیم بن حزام کو بھی اسلام کی سعادت نصیب ہوئی، رضی اللہ عنہما ـــــــــ

جب ـــــــــ مکہ شہر کے بام و در چمکنے لگے اور اسلامی فوج اس مقام تک پہونچ گئی جہاں سے مکہ کے لیے کئی راستے نکلتے تھے تو آپ نے لشکر اسلام کو چار بڑے حصوں میں تقسیم فرما دیا ـــــــــ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) حضرت علی مرتضیٰ سب سے بڑے دستہ کے سالار مقرر ہوئے۔ مہاجرین ان ہی کے ساتھ تھے۔ ان کو مکہ کے شاہراہ عام سے داخل ہونے کا حکم مرحمت فرمایا۔

(۲) حضرت زبیر بن العوام دوسرے دستہ کے امیر بنائے گئے۔ جس کی ثانوی حیثیت تھی۔ ان کو مغرب کی راہ سے مکہ میں داخلے کا حکم دیا گیا۔

(۳) حضرت سعد بن عبادہ، تیسرے دستہ کے سربراہ نامزد ہوئے۔ انصار کی تمام صفیں ان کے ماتحت تھیں۔ ان کو مشرق کی جانب سے داخل ہونے کی ہدایت دی گئی۔

(۴) حضرت خالد بن ولید چوتھے دستہ کے قائد مقرر ہوئے۔ ان کو جنوبی راستے سے مکہ میں داخل ہونے کا پابند بنایا گیا ـــــــــ اور حضور مقدسین صحابہ کی جھرمٹ میں سفید اونٹنی پر سوار ہو کر نشیبی راستے سے روانہ ہوئے۔

فوج کو ٹریننگ دی گئی تھی کہ آبادی میں داخل ہوتے ہی ہیبت خداوندی کا مظاہرہ کرنے کی غرض سے اپنی اپنی تلواریں بے نیام کرلیں اور ہرگز کسی کا خون نہ بہائیں ـــــــــ حضرت عباس اور جناب ابوسفیان کو حکم تھا کہ فوج کے آگے آگے بلند آواز سے اعلان کرتے چلیں کہ ـــــــــ خانہ کعبہ میں داخل ہو جانے والا، اپنے مکان کا دروازہ بند کر لینے والا، دار ابوسفیان میں چھپ

جانے والا اور ہتھیار ڈال دینے والا آمان میں ہوگا۔

قریش اور احابیش کی چھ ہزار فوجیں ـــــــ عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ کی مشترکہ کمان میں حضرت خالد بن ولید کی سدّ راہ ہوئیں مگر صرف ڈیڑھ ہزار فوج سے پسپا ہو کر پیچھے ہٹ گئیں ـــــــ اس تصادم میں تیرہ مشرکین کام آئے اور صرف دو مسلمان شہید ہوئے ـــــــ جن میں سے ایک کرز بن جابر الفہری اور دوسرے خنیس بن خالد الربیع تھے۔ یہ دونوں بھی فوج سے بچھڑ جانے کے سبب دشمنوں کے ہتھے چڑھ گئے۔

جب اسلام کا یہ لشکر عظیم ـــــــ مکہ کے چاروں راستے سے ایک ساتھ شہر میں داخل ہوا تو مشرکین کے اوسان خطا ہو گئے اور نعرہ تکبیر کی گونج سے بوقبیس کی پہاڑیاں زلزلہ بردوش ہو گئیں۔ ـــــــ گھر کے دریچوں سے مکان کی چھتوں سے اور اونچے ٹیلوں سے دنیا کا یہ سب سے عظیم انقلاب دیکھ کر لوگوں کی نگاہیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

سرکار دو عالم ـــــــ کی سواری جب وسط شہر میں پہونچی تو چاروں طرف سے اسلامی فوج کے دستے نمودار ہوئے اور وہ آگے بڑھ کر اپنے کعبہ مقصود سے اس طرح مل گئے ـــــــ جیسے نہریں، دریا کی آغوش میں پہونچ کر اپنا وجود کھو دیتی ہیں۔ سرکار اب حرم کعبہ کے سامنے کھڑے تھے ـــــــ پیشانی پر نبوت کا نور چمک رہا تھا۔ آنکھوں میں، خوشی کے آنسو تیر رہے تھے۔ زبان پر سورہ فتح کی آیات رقص کر رہی تھیں۔ اور سیاہ عمامہ میں لپٹا

ہوا سر سجدۂ شکر کے لیے جھک رہا تھا۔

حضرت خلیل بت شکن کی مقدس یادگار ـــــــ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کی آماجگاہ تھا۔حضرت عمر فاروق کو حکم ہوا کہ حرم کو آلائشوں سے پاک کریں۔انہوں نے تمام تصویریں مٹا دیں اور بتوں کو نکال پھینکا ـــــــ اس کے بعد آپ حضرت بلال، علی مرتضیٰ اور کلید بردار کعبہ عثمان بن طلحہ کو ساتھ لے کر آیات قرآنی جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقاً (سورہ اسراء) پڑھتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور دوگانہ ادا کیا۔

حضور نے ـــــــ طواف کعبہ کے بعد جم غفیر کے سامنے کھڑے ہو کر قلب روح کو معطر کر دینے والا ایک خطبہ دیا، جس کے آخری بول یہ تھے ''اے قوم قریش! اللہ تعالیٰ نے آج جاہلیت کا غرور اور نسبی افتخار مٹا دیا، تمام لوگ اولاد آدم ہیں اور حضرت آدم کی تخلیق مٹی سے تھی۔

اس کے بعد ـــــــ ظہر کا وقت ہو گیا۔حضرت بلال مؤذن کو اذان دینے کا حکم ہوا۔انہوں نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر ایسی روح بلالی سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند کیں کہ کان کے دریچوں سے ہو کر یہ آواز ـــــــ دلوں کی گہرائی تک اترتی چلی گئی۔اور مقدس رسول کی اقتدا میں حدود حرم کے اندر نماز ادا کرنے کے لیے خیر امت کی پیشانیوں میں سجدے مچلنے لگے۔

لیکن ـــــــ ابھی مکہ میں ایسے افراد موجود تھے جن کے کانوں میں توحیدی نغموں نے پگھلے ہوئے سیسے کا کام کیا۔عتاب بن اسید نے کہا

______ خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے وہ مر گیا۔ حارث بن ہشام نے دل جلے انداز سے جواب دیا ______ اب تو ہماری زندگی بھی بے مقصد ہے۔

مجرموں سے پیغمبر کا خطاب: نماز سے فراغت کے بعد ______ سرکار حطیم کعبہ میں کھڑے ہوئے تو مجرموں کی بھیڑ اکٹھا تھی۔ عتاب بن اسید، ابو سفیان بن حرب اور حارث بن ہشام جیسے اکابر قریش صف بہ صف کھڑے تھے۔ وہ اپنے بائیس سالہ جرائم کے خمیازہ کے لیے فاتح کے حکم کا انتظار کر رہے تھے۔ عثمان بن طلحہ شیبی بھی روبرو حاضر تھے پیغمبر کو آزار پہونچانے میں ان کا کوئی نمایاں رول نہیں رہا تھا۔ مگر آج یہ بھی مجرموں کے کٹہرے میں تھے۔

سرکار نے فرمایا ______ عثمان! کچھ تمہیں یاد ہے؟ میں نے ایک دفعہ تم سے کعبہ کا دروازہ کھولنے کی درخواست کی تھی اور تم نے انکار کیا تھا میں نے کہا تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ کعبہ کی کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور اسے کوئی بھی بزور طاقت مجھ سے نہ لے سکے گا ______ تم نے طنزاً جواب دیا تھا کہ اس دن قریش مر چکے ہوں گے"

عثمان! ______ آج سارے قریش زندہ ہیں اور کعبے کی کنجی میرے ہاتھوں میں ہے ______ کوئی ہے جو آج بزور یہ کنجی مجھ سے حاصل کر لے ______ عثمان، سرخمیدہ کھڑے تھے، انہیں گذرے ہوئے دن یاد آرہے تھے اور ضمیر ان کو گذشتہ بے باکی پر ملامت کر رہا تھا، وہ کچھ بولنا چاہتے تھے مگر

زبان یاوری نہیں کر رہی تھی چونکہ معذرت کے لیے بھی ان کے پاس الفاظ نہ تھے۔ یہ وقت درخواست کی پیشی کا تھا۔ بڑے بڑے صحابہ جن کے پیچھے خدمت اسلام کی لمبی تاریخ تھی ــــــــ کعبہ کی کلید برداری کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔لیکن سرکار نے فرمایا ــــــــ عثمان! آج میں اپنی مرضی سے کعبہ کی کلید برداری کا اعزاز تمہارے خاندان کے سپرد کرتا ہوں۔

یہ فرمان ــــــــ برق تپاں بن کر عثمان بن طلحہ کے خرمن کفر پر برسا اور شرک کے خس وخاشاک کو جلاتا ہی چلا گیا ــــــــ زبان ان کی توحید کا راگ آلاپ رہی تھی اور دل، آستان بنوت پر جھک کر عقیدت کے ساز پر کہہ رہا تھا۔

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی
میرا یہ داغ ندامت ہوگا محشر میں چراغ

آج جو دوسرے مجرمین یہاں موجود تھے ــــــــ ان میں وہ بھی تھے۔ جنہوں نے مقام خیف میں بنو ہاشم کو بے آب ودانہ محصور رکھا تھا ــــــــ وہ بھی تھے جنہوں نے پاگل ومجنون کہہ کر سرکار کا ٹھٹھا کیا تھا ــــــــ وہ بھی تھے، جنہوں نے عصمت مآب خواتین اسلام کی حرمتوں کو پامال کیا تھا ــــــــ وہ بھی تھے، جنہوں نے حضرت سمیہ کے وحشیانہ قتل پر قہقہے لٹائے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے بلال وعمار کی اذیت پر خوشی کے گیت گائے تھے۔ وہ بھی تھے جنہوں نے مہاجرین کے اسباب لوٹ کر ان کے گھروں کے نشانات مٹا دئے تھے ــــــــ وہ ظالم بھی تھا جو اسلام کے پہلے شہید حارث بن ابی ہالہ کے

قتل پر فخر کرتا تھا ـــــــ وہ سفاک بھی تھا جو پیغمبر کی شان میں ہجو یہ اشعار کہتا تھا ـــــــ وہ ستمگر بھی تھا جس نے صہیب رومی کے گود کا بچہ چھینا تھا ـــــــ وہ عیار بھی تھا جس نے نیک دل انصاری کو فریب دے کر قتل کیا تھا۔ وہ غدار بھی تھا جو اسلام سے منحرف ہو کر کفار کا رازداں بن گیا تھا۔

وہ لوگ بھی تھے ـــــــ جن کی تشنہ لبی، شب ہجرت خون رسول کی تلاش میں تھی، وہ لوگ بھی تھے ـــــــ جنہوں نے مدینہ کی اقتصادی ناکہ بندی کے لیے معاہدہ کی زنجیر قائم کی تھی ـــــــ وہ لوگ بھی تھے ـــــــ جن کی کوششوں سے سارے قبائل عرب نے سیلاب بلا بن کر مدینے کا رُخ کرلیا تھا۔ وہ لوگ بھی تھے ـــــــ جنہوں نے میدان احد میں حضرت امیر حمزہ، حضرت ابودجانہ، حضرت حارث بن نضر اور حضرت زیاد بن سکن جیسے دلاوران اسلام کا مثلہ کر کے خود رسول اللہ کا دل دکھایا تھا۔

آج ـــــــ ان سبھی کی کلاہ افتخار خاک آلود تھی، ان کی ماتم گسار آنکھیں قدموں کی طرف جھکی جارہی تھیں اور ''پاداش بدی'' کے تصور سے ان کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں ـــــــ آج ان کو اپنے سیاہ کارنامے یاد آرہے تھے اور غیرت سے ان کی خودداری کو پسینہ آرہا تھا۔

لوگو! ـــــــ کچھ تمہیں معلوم ہے، آج میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ ـــــــ فضا کا سکوت ٹوڑ کر پیغمبرانہ جلال میں ڈوبی ہوئی ایک آواز، دفعتاً کان کے پردوں سے ٹکرائی اور اس آواز کے

ساتھ ہی پورے ماحول پر خوف کی بدلی چھا گئی ـــــــ دیر تک، کانوں کو جواب سننے کا انتظار رہا مگر مجلس میں ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی۔

قریش ـــــــ آپ کے حلم بیکراں اور کرم بے نہایت کا بار بار تجربہ کر چکے تھے ـــــــ آج بھی انہوں نے باب رحمت پر کھڑے ہو کر دستک دینے کی ایک آخری کوشش کی ـــــــ تمام خاندان کے نمائندہ یک زبان ہو کر پکار اٹھے ـــــــ **خیراً، اخ کریم، وابن اخ کریم،** بھلائی کی امید، آپ اچھے بھائی ہیں اور اچھے برادرزادہ بھی''

فتح کا قانون ہر شخص کو معلوم ہے اور فاتح کا دستور سب جانتے ہیں ـــــــ یہ صحیح ہے کہ پیغمبر کی جگہ کوئی لیڈر فاتح ہوتا تو اقلیم دل پہ نہیں ـــــــ مکہ کے ایوان پر اپنی فتح کے جھنڈے نصب کرتا۔ وہ خون کا بدلہ خون اور اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا۔ فتح کے بطن سے انتقام کا ایسا شعلہ جوالہ اٹھتا ـــــــ جو مکہ کی پوری آبادی کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا۔ وہ دشمن کی تاراجی کو اپنے لیے تحفظ کا سامان قرار دیکر بربریت کا ایک نیا رکارڈ قائم کرتا۔

بلاشبہ! اسلامی انقلاب ـــــــ دنیا کا سب سے عظیم، سب سے نرالا اور سب سے منفرد انقلاب ہے۔ یہاں یوم فتح، امن کا دن قرار پایا۔ یہاں انتقام کی بھٹی کی جگہ بخشش وعطا کا شامیانہ نصب کیا گیا۔ یہاں ملک کا نظام بدلنے کے بجائے، رعایا کا مزاج بدل دیا گیا۔ یہاں اپنے اور بیگانے کے درمیان فصیل کھڑی نہیں کی گئی، سبھوں کے لیے معافی کا فرش زمردیں بچھا کر

راحت وآرام کا عام اعلان کر دیا گیا۔

رحمت بردوش فاتح ـــــــــ جس کی جبین نبوت پر ـــــــــ عفوو حلم کی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

آبِ رحمت میں دھلے ہوئے ـــــــــ اس کے دوبول نے ـــــــــ قریش کو اسلام کا دلدادہ بنادیا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

آج ـــــــــ تم میں کسی سے، کوئی مطالبہ نہیں جاؤ ـــــــــ تم سب آزاد ہو۔

اللہ رے وسعت، تیرے دامان کرم کی
اس بحر کا ملتا نہیں، ڈھونڈے سے کنارا

سید رکن الدین اصدق

قطعہ تاریخ اشاعت

از

پروفیسر سید شاہ **محمد طلحہ رضوی برق** چشتی نظامی (داناپور)

مولانا رکن الدین اہلِ دل	شمعِ فروزاں در انجمن
علم و عمل کی ہر بزم میں	مثلِ چراغِ پرتو فگن
کیا خوب لکھ دی تاریخ یہ	نازاں نہ ہوں کیوں اہل زمن
پھیلی ہے شہرت ہر چارسو	مانند خوشبو، مشکِ ختن
صاف اور شستہ شیریں زباں	تابندہ جیسے دُرِّ عدن
فضلِ خدا سے ان کو ملا	یہ ذوق وشوق اور محنت لگن
تصویر ماضی ہر باب میں	شاداب جیسے صحنِ چمن
تاریخ ہے یا برقؔ آئینہ	سارے حقایق ہیں مبرہن
شائع ہوئی تو دل نے کہا	مقبولیت دے یا ذوالمنن
ہے ''افتخارِ اسلام'' بس	تاریخ ہجرت اہل سخن

۱۴۱۴ھ

ہاتف یہ بولا سن عیسوی

''تاریخ ہجرت پاکیزہ فن''

۱۹۹۴ھ